تذکرہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ

مقالات

سیمینار چترال و گلگت

مجلسِ ادارت

شیخ محمد اقبال ایم۔اے

عزیز اللہ نجیب

میر بائض خان

جانِ عالم خاکی

شائع کردہ

شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ
برائے پاکستان

۱/۲۳۰ ڈکروز روڈ گارڈن ایسٹ کراچی

جملہ حقوق محفوظ

۱۹۹۲ء

عباسی لیتھو آرٹ پریس ۔ کراچی

فہرست

۱۔ پیش لفظ	رائی نور علی ایچ کرم علی چیئرمین اسماعیلی طریقہ بورڈ برائے پاکستان	۱
۲۔ تعارف	ادارہ	۴

چترال سیمینار کے مقالہ جات

۱۔ کلیدی تقریر	میر بائُفض خان	۱۰
۲۔ صدارتی استقبالیہ	چیئرمین طریقہ بورڈ برائے پاکستان	۱۶
۳۔ سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی اور تصانیف	میر بائُفض خان	۱۹
۴۔ اہلِ بیت کیلئے پیر ناصر خسروؒ کی محبت	عالیجاہ فدا علی ایثار ہنزوی	۴۲
۵۔ وسطی ایشیا میں رسمِ چراغ روشن پر ایک نظر	عزیز اللہ نجیب	۵۵
۶۔ وسطی ایشیا میں پیر ناصر خسروؒ کی دعوت	عبداللہ جان ہنزائی	۶۶
۷۔ وسطی ایشیاء کی اسماعیلی دعوت میں خلیفہ کا کردار	سید موسیٰ الہاشمی	۷۹

گلگت سیمینار کے مقالہ جات

۱۔ خطبۂ استقبالیہ	گلباز خان چیئرمین طریقہ بورڈ گلگت	۸۶
۲۔ خطبۂ صدارت	رائی نور علی ایچ کرم علی چیئرمین طریقہ بورڈ برائے پاکستان	۹۰
۳۔ کلیدی تقریر	عزیز اللہ نجیب	۹۶
۴۔ حکیم پیر ناصر خسروؒ ایک علمی کائنات	علامہ نصیر الدین نصیر ہنزائی	۱۰۱

۵۔ اسماعیلی دعوت میں سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا مقام — الواعظ امیر حمزہ — ۱۳۴

۶۔ سفرنامہ سیدنا پیر ناصر خسرو ایک مطالعہ — شیخ محمد اقبال — ۱۴۳

۷۔ دیوانِ اشعار پر ایک نظر — عالیجاہ فدا علی ایثار ہنزوی — ۱۷۲

۸۔ سیدنا پیر ناصر خسرو کا نظریۂ عقل — جانِ عالم خاکی — ۲۰۰

۹۔ اسماعیلی دعوت میں پیر ناصر خسروؒ کا کردار — عزیز اللہ نجیب — ۲۱۹

۱۰۔ سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی نظر میں تصورِ امامت — الواعظ سید موسیٰ الہاشمی — ۲۴۱

۱۱۔ پیر ناصر خسروؒ کی اخلاقی تعلیمات پر ایک نظر — میر بالغون خان — ۲۵۲

۱۲۔ فارسی شاعری میں سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا مقام — حضور مکھی عبدالحمید عبدالخالق — ۲۶۴

۱۳۔ سیدنا پیر ناصر خسروؒ اور نظریۂ توحید — تیفون شاہ — ۲۸۳

۱۴۔ وجہ دین پر ایک نظر — حضور مکھی عبداللہ جان ہنزائی — ۳۰۰

پیش لفظ

میرے لئے یہ بے حد خوشی کا موقع بھی ہے اور اطمینان کا باعث بھی کہ اسماعیلی طریقہ بورڈ برائے پاکستان "تذکرہ سیدنا پیر ناصر خسروؒ" کے نام سے یہ شاندار کتاب پوری اسماعیلی جماعت کے لئے عام طور پر اور شمالی علاقہ جات اور چترال کی جماعتوں کے لئے خاص طور پر پیش کر رہا ہے۔ اسماعیلی طریقہ بورڈ برائے پاکستان کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ اس نے اس سے پہلے کتاب المناقب اور کلام پیر ناصر خسروؒ حصہ اول اور حصہ دوئم اُردو ترجمہ کے ساتھ شمالی علاقہ جات اور چترال کی جماعتوں میں پڑھنے کے لئے پیش کی ہیں جنھیں نہ صرف ان علاقوں کی جماعتوں نے بلکہ مولانا حاضر امامؑ نے بھی ۱۹۸۷ء میں اپنے دورۂ شمالی علاقہ جات و چترال کے موقع پر ان کی اشاعت پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور بعد میں طریقہ بورڈ کی عالمی کانفرنس کے موقع پر طریقہ بورڈ پاکستان کے اس اقدام کی نہایت تعریف فرمائی۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی اسماعیلی مذہب کے لئے خدمات اور تعلیمات کو مزید اُجاگر کرنے اور جماعت کو اُن سے روشناس کرانے کے لئے اسماعیلی طریقہ بورڈ نے اکتوبر ۱۹۸۹ء اور نومبر ۱۹۹۰ء میں بالترتیب چترال میں دو مقامات بونی اور گرم چشمہ اور شمالی علاقہ جات میں گلگت میں سیمینار منعقد کرائے۔ جن میں چترال، گلگت اور ہیڈ کوارٹر کے واعظین، اسکالرز اور

دیگر اسماعیلی دانشوروں نے سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی، اسماعیلی مذہب کے لئے ان کی خدمات، تعلیمات و نظریات اور تصانیف پر مبنی مقالہ جات پیش کئے جن کو وہاں کی جماعتوں اور خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ طبقے نے بہت پسند کیا۔

گلگت میں سیمینار کے انعقاد کے فوراً بعد اس کی رپورٹ مولانا حاضر امامؑ کے حضور پُرنور میں پیش کی گئی جس پر مولا نے اپنی خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے اسماعیلی طریقہ بورڈ کو تعلیقہ مبارک کی نوازش فرمائی جس میں اس سیمینار میں مقالہ جات پڑھنے والوں، منتظمینِ سیمینار اور شرکت کرنے والوں کو اپنی دُعا و برکات سے نوازا اور اس امید کا اظہار فرمایا کہ طریقہ بورڈ آئندہ بھی اس قسم کے سیمینار منعقد کرتا رہے گا۔

میں اس موقع پر ان سیمیناروں میں مقالہ جات پیش کرنے والے واعظین، اسکالرز، دانشوروں، شمالی علاقہ جات اور چترال کے ریجنل طریقہ بورڈوں کے چیئرمین و ممبران اور شرکت کرنے والوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ اُن کے تعاون اور شرکت سے ان سیمیناروں کا انعقاد ممکن ہوا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی طریقہ بورڈ کی ایسی سرگرمیوں میں تعاون کرتے رہیں گے۔

گلگت سیمینار کے بعد ہیڈ کوارٹر کے چار اسکالروں عالیجاہ شیخ محمد اقبال، عزیز اللہ نجیب،

مہر باکتف خان اور جان عالم خاکی پر مشتمل ایک پینل تشکیل دیا گیا۔ جس کو یہ ذمہّ داری سونپی گئی کہ وہ اُن سیمیناروں میں پڑھے جانے والے مقالہ جات کو قابلِ اشاعت بنائے۔ چنانچہ پینل کے ممبران کی کوششوں کے نتیجے میں یہ مفید اور ضخیم کتاب اس صورت میں آپ کے سامنے موجود ہے۔ امید ہے کہ جماعت اس گرانقدر علمی مواد سے بھرپور استفادہ کرے گی۔

نُور علی ایچ کرم علی
چیئرمین
شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ بورڈ برائے پاکستان

تعارف

پیرناصر خسروؒ کی تعلیمات نے تقریباً ایک ہزار سال تک زمانے کے امام اور وسطِ ایشیاء کی جماعتوں کے درمیان رابطے کا کردار ادا کیا ہے۔ شمالِ پاکستان، افغانستان، چین اور روس کی جماعتیں پیر موصوف سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ اور اپنی تمام مذہبی رسومات کو آپ کی تعلیمات پر مبنی قرار دیتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں پورے وسطِ ایشیاء کی جماعتوں کی مذہبی اور سماجی زندگی پر پیر کی تعلیمات کا بہت بڑا اثر رہا ہے۔ بلکہ ان جماعتوں کی مذہبی زندگی آپ ہی کی تعلیمات سے تشکیل پائی ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ پیر کی تعلیمات چند رسومات تک محدود نہیں ہیں بلکہ آپ نے اپنے بعد ایک اہم علمی ورثہ چھوڑا ہے۔ جس کی بناء پر آپ نہ صرف ایک اسماعیلی مبلغ بلکہ ایک عظیم علمی شخصیت کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

اگرچہ وسطِ ایشیاء کی جماعتیں پیر کی تعلیمات سے وابستہ رہی ہیں اور اُن پر پورے خلوص کے ساتھ عمل کرتی ہیں اور انہیں آپ سے بے حد محبت اور لگاؤ ہے۔ لیکن پھر بھی اس چیز کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے کہ پیر کی زندگی اور تعلیمات اور تصانیف کے متعلق زیادہ سے زیادہ ٹھوس علمی مواد جماعت تک پہنچایا جائے۔

یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ چترال اور شمالی علاقہ جات میں امامت کے اداروں نے کئی ترقیاتی پروگراموں کا آغاز کیا ہے

جن کی وجہ سے یہاں کے اسماعیلی پہلی دفعہ اپنی زندگیوں میں بہت بڑی تبدیلیوں سے گزر رہے ہیں۔ ان تبدیلیوں کے فوائد بلا مبالغہ بے شمار ہیں۔ اس کا ثبوت بہت تھوڑے عرصے میں معیارِ زندگی میں واضح بہتری ہے۔ لیکن اس تیز رفتاری کے ساتھ معاشی اور معاشرتی تبدیلی کسی حد تک فکرمندی کا باعث بھی ہے۔ کیونکہ اگر مادّی ترقی کے ساتھ ساتھ جماعت کی مذہبی سمجھ بُوجھ کو بڑھانے کی طرف توجہ نہ دی گئی تو پھر اس بات کا امکان ہے کہ جماعت کے لوگ ایک دن اپنے آپ کو مادّی فوائد کے قیدی ہوتے ہوئے پائیں گے۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت کے تعلیم یافتہ افراد میں بہتر مذہبی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لئے رسمی تبلیغ کے ساتھ دیگر اقدامات اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وہ مادّی دولت کو صحیح اور بامقصد طور پر استعمال کرنے کے قابل بنیں۔ اس ضمن میں ایک پیر یا داعی کی زندگی اور تصانیف، اس کا نظم و ضبط، اس کی قربانی اور اپنے مشن سے وفاداری، نامساعد حالات میں بھی اس کا استقلال و استقامت، کامیابی کے وقت اس کی عاجزی اور اس کی پرہیزگاری وغیرہ کو اُجاگر کیا جائے تو وہ نئی نسل کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال ہوگی۔ چونکہ پیر ناصر خسروؒ کی زندگی میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم نظر آتی ہیں اس لئے آپ کی زندگی سے جماعت میں علمی اور روحانی شعور کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ بہتر مذہبی شعور سے جماعت کے افراد بالخصوص نوجوان نسل میں امامت کے اداروں کے مذہبی، معاشرتی، علمی اور انسانی بہبود کے کاموں میں حصّہ لینے کی رغبت پیدا ہوگی اور ساتھ ساتھ جماعت میں ایک ایسی

روشن خیال قیادت جنم لے گی جو اکیسویں صدی کے مسائل کا مقابلہ کرنے اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت رکھتی ہو۔

اسماعیلی طریقہ بورڈ جماعت کی مذہبی سمجھ بوجھ کو فروغ دینے اور خاص طور پر سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی، تعلیمات و نظریات اور تصانیف اور ان علاقوں میں پائی جانے والی مختلف رسومات سے متعلق جماعت کے افراد کو زیادہ سے زیادہ آگاہ کرنے کے لئے عملی طور پر مختلف اقدامات کرتا رہا ہے۔ مثلاً پیر کے کلام پر مبنی کتابیں شائع کرنا، وعظ و نصیحت اور خاص طور پر پارک پروگراموں کا انعقاد وغیرہ جن کے ذریعے جماعت کا نوجوان طبقہ خاص طور پر مستفید ہوتا ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے اسماعیلی طریقہ بورڈ نے چترال اور شمالی علاقہ جات میں سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ جماعت کو سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی اور تصانیف سے واقف کیا جائے اور خاص طور پر جماعت کے تعلیم یافتہ نوجوان طبقے میں اسماعیلی ادب کے مطالعے کا شوق پیدا کیا جائے۔ مزید یہ کہ اسماعیلی طریقے میں پائی جانے والی روایات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر کے ان کی سمجھ بوجھ میں اضافہ کیا جائے۔

چنانچہ پہلا سیمینار ۱۹۸۹ء میں چترال میں منعقد کیا گیا جس کی دو۲ نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو اسماعیلی طریقہ بورڈ کے بونی یونٹ میں اور دوسری ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو انجگان ہوٹل گرم چشمہ میں منعقد ہوئی۔ اسماعیلی طریقہ بورڈ کے چیئرمین رائی نور علی ایچ کرم علی صاحب افتتاحی نشست کے

مہمان خصوصی تھے۔ اس میں چیئرمین صاحب کے ہمراہ طریقہ بورڈ کے ایگزیکیٹو بورڈ کے ممبران کے علاوہ لوئر اور اپر چترال میں امامت کے اداروں کے لیڈروں، دانشوروں اور جماعت کے تعلیم یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد نے بھی سیمینار میں شرکت کی۔ اور اسماعیلی طریقہ بورڈ کے اس اقدام کو بہت سراہا کہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ پر پہلی دفعہ سیمینار منعقد کر کے چترال اور شمالی علاقہ جات کی جماعتوں کے جذبات اور احساسات کی حقیقی معنوں میں ترجمانی کی گئی ہے۔

اس سیمینار کے مثبت نتائج کو مدّنظر رکھتے ہوئے طریقہ بورڈ نے ۸ اور ۹ نومبر ۱۹۹۰ء کو گلگت میں دوسرا سیمینار منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ اس دوروزہ سیمینار کی بھی دو۲ نشستیں ہوئیں۔ پہلے دن کی صدارت اسماعیلی طریقہ بورڈ کے چیئرمین رائی نور علی ایچ کرم علی صاحب نے فرمائی جبکہ دوسرے دن کی صدارت گلگت ریجنل کونسل کے صدر جناب مولا مدد نے کی۔ اس سیمینار میں ایگزیکیٹو بورڈ کے ممبران، گلگت، ہنزہ اور غذر کی جماعتوں کے لیڈران، مرکزی اور مقامی اداروں کے عہدیداران و ممبران، جماعتوں کے ممبران اور خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوان طبقے کی ایک کثیر تعداد شریک ہوئی اور طریقہ بورڈ کی ان علمی کوششوں کی تعریف کی۔

چترال اور گلگت میں منعقد کیے گئے سیمیناروں میں اسماعیلی طریقہ بورڈ کے مقامی اور ہیڈکوارٹر کے واعظین، اسکالرز اور دیگر اسماعیلی دانشوروں نے سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی، تعلیمات و نظریات اور تصانیف پر مبنی مقالہ جات پیش کئے جو بالترتیب اس طرح تھے۔

چترال :

۱۔ جناب میر باکُفں خان ۔ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی اور تصانیف۔
۲۔ عالیجاہ فدا علی ایثارؔ ہنزائی ۔ اہلبیت کے لئے پیر ناصر خسروؒ کی محبت۔
۳۔ جناب عبداللہ جان ہنزائی ۔ وسطی ایشیاء میں پیر ناصر خسروؒ کی دعوت۔
۴۔ جناب حضور مکھی عزیز اللہ نجیب ہنزائی ۔ وسطی ایشیاء میں رسم چراغ روشن پر ایک نظر۔
۵۔ جناب الواعظ سیّد موسیٰ ہاشمی ۔ وسطی ایشیاء کی اسماعیلی دعوت میں خلیفہ کا کردار۔

گلگت :

۱۔ جناب علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہنزائی ۔ حکیم ناصر خسروؒ ۔ ایک علمی کائنات۔
۲۔ جناب الواعظ امیر حمزہ ۔ اسماعیلی دعوت میں پیر ناصر خسروؒ کا مقام۔
۳۔ جناب عالیجاہ شیخ محمد اقبال ۔ سفرنامۂ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ ۔ ایک مطالعہ
۴۔ جناب عالیجاہ فدا علی ایثار ۔ دیوانِ اشعار پر ایک نظر۔
۵۔ جناب الواعظ جان عالم خاکی ۔ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کا نظریۂ عقل۔
۶۔ جناب عزیز اللہ نجیب ۔ اسماعیلی دعوت میں پیر ناصر خسروؒ کا کردار۔
۷۔ جناب سیّد موسیٰ ہاشمی ۔ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی نظر میں تصوّرِ امامت۔
۸۔ جناب میر باکُفں خان ۔ پیر ناصر خسروؒ کی اخلاقی تعلیمات پر ایک نظر۔
۹۔ جناب حضور مکھی عبدالحمید ۔ فارسی شاعری میں ناصر خسروؒ کا مقام۔
۱۰۔ جناب تیغون شاہ ۔ سیّدنا ناصر خسروؒ اور نظریۂ توحید۔
۱۱۔ جناب عبداللہ جان ہنزائی ۔ وجہِ دین پر ایک نظر۔

ان مقالہ جات کے علاوہ دونوں سیمیناروں میں جناب میر باکُفں خان صاحب اور جناب عزیز اللہ نجیب صاحب نے کلیدی تقاریر بھی پیش کیں اور رائی نور علی ایچ کریم علی صاحب چیئرمین طریقہ بورڈ نے افتتاحی تقاریر فرمائیں۔

ان مقالہ جات کے عنوانات سے یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی تعلیمات اور نظریات و تصانیف پر

جماعت کو آگاہی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی ایک بحرِ متلاطم اور ہمہ جہت ہے جس کا احاطہ کرنے کے لئے ایسے کئی سیمیناروں کے انعقاد کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں سیمینار اسی سلسلے کی کوشش تھی۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔

(ادارہ)

مقالہ جات چترال سیمینار

۲۱،۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۹ء

کلیدی تقریر

۱- بونی

● ——— میر بائُفُں خان

قابلِ عزّت مہمانِ خصوصی رائے نور علی ایچ کرم علی صاحب چیئرمین شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان، معزّز خواتین و حضرات!

مختلف علاقوں اور ملکوں میں بسنے والے اسماعیلی نہ صرف زبان، علاقے اور ثقافت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ان کی مذہبی روایات اور تجربات بھی مختلف رہے ہیں۔ اس تنوّع کو مولانا حاضر امام علیہ السّلام نے جماعت کی قوّت اور اسماعیلی روایات کی خوبصورتی قرار دیا ہے کیونکہ روایات کی ظاہری تنوّعات میں ایک عظیم وحدت موجود ہے۔ وِلائی ادب (DEVOTIONAL LITERATURE) ہی کو لیجئے جو اسماعیلی روایت کا ایک بنیادی حصّہ رہا ہے اس کو ہند و پاک کی جماعت گنان، ایران و بدخشان کی جماعت قصیدہ اور شام کی جماعت اناشید کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اور یہ ورثہ مختلف زبانوں مثلاً فارسی، عربی، گجراتی، سندھی، پنجابی اور سرائیکی وغیرہ میں موجود ہے۔ گویا اسماعیلی طریقہ علاقائی زبانوں تہذیب و تمدّن ولائی ادب وغیرہ کے لحاظ سے اگرچہ متنوّع نظر آتا ہے لیکن امام زمانؑ سے محبّت اور اسماعیلیوں کی آپس میں روحانی بھائی چارگی کی نسبت سے یہ ایک ہمہ گیر وحدت بھی ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے باغ کی ہے جس میں ہر رنگ و بو

کے پھول کھلے ہوئے ہوں۔ بظاہر اس باغ میں تفاوت ہے کیونکہ ہر پھول کا اپنا الگ رنگ اور خوشبو ہے۔ مگر اس تنوّع میں جو خوبصورتی اور دلکشی ہے وہ اس باغ میں نہیں ہوسکتی جس میں صرف ایک قسم کے پھول کھلے ہوں۔ مختلف پھول اپنے مخصوص رنگ اور مخصوص مہک سے اخوّت کے اس عظیم باغ کی خوبصورتی اور دلکشی میں اپنے اپنے انداز میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسماعیلی طریقہ کو خواہ ست پنتھ کہیں یا دعوت الحق دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔

تقریباً ایک ہزار سال سے چترال، شمالی علاقہ جات، بدخشان اور پورے وسط ایشیاء کی اسماعیلی جماعت پیر ناصر خسروؒ کی تعلیمات کے ذریعے امامت کی رسّی کو تھامے ہوئے ہے۔ اس لمبے عرصے میں وسط ایشیاء کی جماعت میں تبلیغ و تدریس کے مواد اور تمام رسومات جن کا تعلق زندگی اور موت سے ہے سب کے سب پیر موصوف کی تعلیمات پر مبنی رہی ہیں۔ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ نے جسمانی لحاظ سے ہمارے درمیان موجود نہ ہونے کے باوجود بھی اپنی ان تعلیمات کی وساطت سے ہمارے ہاتھ سے امام زمانؑ کے دامنِ مبارک کو چھُوٹنے نہ دیا۔ وسط ایشیاء کی جماعت اسے اپنے اوپر پیر کا سب سے بڑا احسان تصوّر کرتی ہے۔

ایک زمانہ ایسا تھا کہ فارسی کو نہ صرف چترال اور بدخشان میں بلکہ پورے برّصغیر میں سرکاری اور تعلیمی زبان کی حیثیت حاصل تھی اور ہر لکھا پڑھا انسان فارسی زبان میں موجود مذہبی مواد سے استفادہ کرسکتا تھا۔ یہاں چترال میں لوگوں کے مراسم ویسے بھی

زمانۂ قدیم سے بدخشاں کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اس لئے کم و بیش ہر شخص فارسی زبان سے واقف تھا۔ کیونکہ پیر ناصر خسروؒ کی تمام دستیاب کتابیں فارسی زبان میں لکھی گئی ہیں اس لئے ان کتب سے فائدہ حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ اب چونکہ صورت حال اس کے برعکس ہے۔ نہ پاکستان میں فارسی زبان کی وہ حیثیت باقی رہی ہے اور نہ یہاں کی جماعت کا بدخشاں کے ساتھ وہ رابطہ قائم رہا۔ اس طرح فارسی جاننے والے بہت کم لوگ باقی ہیں اگر ہیں بھی تو وہ انتہائی ضعیف العمر ہیں۔ نئی نسل فارسی زبان سے تقریباً پوری طرح ناآشنا ہونے کی بناء پر فارسی مواد سے اپنی مذہبی تشنگی کو بجھانے کے قابل نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اردو زبان میں مذہبی مواد کی کمی کو شدّت سے محسوس کیا جارہا ہے۔ یہ کہنے میں آپ میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ مواد کی اس کمی کو پورا کرنے کی ذمّہ داری طریقہ بورڈ پر عائد ہوتی ہے۔ جماعت کی اس بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کا ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے سیمینار منعقد کرکے جماعت کو اور بالخصوص نوجوان نسل کو مذہبی مواد فراہم کیا جائے۔

عالیجناب چیئرمین صاحب! ہم آپ کے نہایت ہی شکرگزار و ممنون ہیں کہ آپ نے نہ صرف اس سیمینار کی منظوری دی بلکہ اپنے ایگزیکیٹو بورڈ کے معزّز ممبران کے ہمراہ اس میں شرکت فرمارہے ہیں اور خود سیمینار کی ابتدائی نشست کی صدارت فرماکر آپ نے اس کی اہمیّت کو اجاگر کیا ہے۔

یہ سیمینار اپنی نوعیّت کے اعتبار سے یہاں کی جماعت کی نظر میں بڑی اہمیّت رکھتا ہے کیونکہ شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ

ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان نے پہلی دفعہ ایک اسماعیلی پیر کی زندگی اور آپ کی تعلیمات پر سیمینار منعقد کیا ہے۔ اس تاریخی قدم اٹھانے پر ہم آپ کو اور آپ کے بورڈ کے ممبران کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ سیمینار کا اہتمام یہاں کی مخصوص دشواریوں کے پیش نظر معمولی پیمانے پر کیا گیا ہے مگر ہمیں قوی امید ہے کہ یہ مستقبل میں اعلیٰ درجے کے سیمینار کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

آخر میں ہماری استدعا ہے کہ اس قسم کے سیمینار کو طریقہ بورڈ کی سالانہ منصوبہ بندی میں ایک اہم پروگرام کے طور پر شامل کیا جائے اور سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالوں کو جماعت کے لکھے پڑھے طبقے تک پہنچانے کا اہتمام بھی کیا جائے تاکہ جماعت کا نوجوان طبقہ پیروں اور داعیوں کی تعلیمات سے فیضیاب ہوسکے۔

۲۔ کلیدی تقریر گرم چشمہ

عزت مآب مہمانِ خصوصی صدر تحصیل کونسل و معزز حاضرین!

آج ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں وہ مولانا حاضر امامؑ کے الفاظ میں ایک پُر ہجوم جزیرہ (OVER CROWDED ISLAND) ہے۔ چونکہ دنیا کے مختلف حصّوں میں رہنے والے لوگوں کے تعلقات اور روابط میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ جدید سائنس نے یہ ممکن بنایا ہے کہ منٹوں میں معلومات دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ جاتی ہیں۔ مختلف خطّوں میں بسنے والے اسماعیلی جو پہلے اپنے مخصوص ثقافتی ماحول میں اسماعیلی طریقے پر عمل پیرا تھے اب وہ ایک دوسرے

کی زبان، ثقافت اور مذہبی رسومات سے واقف ہو رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے مختلف خطّوں سے تعلق رکھنے والے اسماعیلیوں کی مذہبی روایات بھی جغرافیائی ثقافتی حالات کے پیش نظر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس تفاوت کو مولانا حاضر امامؑ نے اسماعیلی روایت کی خوبصورتی اور قوّت قرار دیا ہے۔ اگرچہ ایران، افغانستان، پاک و ہند، روس اور شام کے اسماعیلی زبان، رنگ و نسل اور ثقافت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر روحانی بھائی چارگی کے مقابلے میں زبان یا رنگ و نسل کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسماعیلی طریقہ جتنا متنوّع نظر آتا ہے، امامِ زمانؑ کی موجودگی میں اس میں ایک عظیم وحدت بھی موجود ہے۔ کیونکہ ایک اسماعیلی چاہے اس کا تعلق روس سے ہو یا ایران سے۔ چین سے ہو یا افغانستان سے وہ امامِ زمانؑ کے مُرید ہونے کے ناطے ہر دوسرے اسماعیلی کا بھائی ہے۔

امامِ زمانؑ سے وسط ایشیاء کی جماعتوں کی محبّت اور فرمانبرداری پیر ناصر خسروؒ کی تعلیمات کی وجہ سے ہے اور یہاں کی جماعتوں کی مذہبی رسومات بھی پیر کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ یہاں کی جماعت کا تشخص آپ کی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ جماعت پیر کی تعلیمات سے ناواقف ہوتی چلی گئی اور صورت حال یہ ہے کہ آپ کی تعلیمات چند رسومات تک محدود ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں اور آپ کا عظیم علمی ورثہ کتابوں کے خاموش اوراق میں مدفون ہو کے رہ گیا ہے۔ موجودہ سیمینار ان اوراق کو دوبارہ کھولنے کی ایک کوشش ہے تاکہ موجودہ نسل پیر

کے علمی بحر سے سیراب ہو سکے۔

سیمینار کی پہلی نشست ۲۱ اکتوبر کو بونی میں رکھی گئی تھی۔ اور آج ہم یہاں انجگان (گرم چشمہ) میں سیمینار کی دوسری اور آخری نشست میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہاں اسماعیلی دعوت کی تاریخ میں آج کے دن کی بڑی اہمیت ہے۔ آج سے نو سو سینتیس (۹۳۷) سال قبل ۱۳ اکتوبر ۱۰۵۲ء کو پیر ناصر خسروؒ نے بحیثیت حجت خراسان و بدخشان اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا۔ اور ساتھ ہی آج کی نشست جس جگہ منعقد ہو رہی ہے یہاں کی روایت کے مطابق اس جگہ پیر مقیم رہے ہیں۔ یمگان میں پیر کے قیام سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔ آج ہماری خوش قسمتی ہے کہ یمگان سے بھی ہمارے دو بھائی آج کی نشست میں شرکت کر رہے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ یہ سیمینار جماعت میں علمی اور مذہبی بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

شکریہ

سیمینار کی پہلی نشست سے مہمانِ خصوصی رائی نور علی ایچ کرم علی چیئرمین شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان کا خطاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

جماعت کے معزز عملداران بھائیو اور بہنو یا علی مدد۔

پیر ناصر خسروؒ پر ہونے والے اس پہلے سیمینار میں شرکت کی دعوت دینے اور جماعت سے ایک مرتبہ پھر ملنے کا موقع فراہم کرنے پر ہم ریجنل بورڈز کے شکر گذار ہیں۔ آج کی اس عظیم مجلس میں جو مقالے پڑھے گئے ان سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ اس قسم کے معیاری مقالے لکھنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور ہمارے اسکالرز نے اپنے معمول کے کام کے علاوہ وقت نکال کر جو کوشش کی ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ میں اپنی جانب سے اور این۔ آر۔ سی۔ ڈی کے چیئرمین جناب اکبر علی شریف اور ایگزیکٹو بورڈ کے دیگر اراکین کی جانب سے سیمینار کے منتظمین اور مقالے پڑھنے والے اسکالرز کو مبارک باد دیتا ہوں۔ سیمینار کے انعقاد کے سلسلے میں جو تیاریاں ہوئی ہیں وہ قابلِ ستائش ہیں۔

۱۹۸۷ء میں جب چترال میں مولانا حاضر امامؑ کی تشریف آوری ہوئی تو پہلی دفعہ آپؑ کے حضور میں قصیدے پڑھے گئے۔ مولانا حاضر امامؑ ان سے بے حد خوش ہوئے۔ یہاں میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک اسماعیلی جو اپنے وقت

میں جماعت کی خدمت کرتا ہے اس کا صلہ امام زمانؑ کی رحمت سے مادی یا روحانی طور پر ملتا ہی ہے مگر ایک اسماعیلی کے مرنے کے بعد بھی جب امام الوقت اس کو یاد کرتے ہیں تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ پیر ناصر خسروؒ ایک ایسی شخصیت ہیں جن کو مولانا حاضر امامؑ نے نہ صرف یاد فرمایا بلکہ آپ کے قصائد کو پڑھنے پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔ اس سے پیر کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دو سال پہلے ہنزہ میں دیدار کے موقع پر قصیدہ سننے کے بعد مولانا حاضر امامؑ نے پوچھا کہ کیا قصائد کتابی صورت میں ہیں تو عرض کیا گیا کہ شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان نے کتاب المناقب اور کلامِ پیر ناصر خسروؒ کے نام سے دو کتابیں شائع کی ہیں۔ اس موقع پر حاضر امامؑ دوبارہ قصیدہ سننا چاہتے تھے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا۔ پچھلے سال جب دنیا بھر کے طریقہ بورڈز کے چیئرمین مولانا حاضر امامؑ کے حضور میں موجود تھے تو وہاں بھی امام عالیمقامؑ نے پیر ناصر خسروؒ کے قصائد کو شائع کرنے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کا شمار ہماری تاریخ میں اُن چند ہستیوں میں ہوتا ہے جو اپنی روح کی عاشق تھیں۔ پیر چاہتے تھے کہ آپ کے علم سے نہ صرف ان کی ذات کو بلکہ پوری جماعت کو فائدہ پہنچے۔ وہ چاہتے تھے کہ جو روشنی ان کو ملی تھی وہ روشنی امامؑ کے ہر مُرید کو میسّر ہو۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ پیر اپنے زمانے کے حکمران کے دربار میں وزیر بھی بن سکتے تھے یا بہت زیادہ دولت مند بھی ہو سکتے تھے لیکن امام الوقت

کے دیدار سے مشرف ہونے کے بعد چالیس سال کی عمر میں آپ کو یہ احساس ہوا کہ جماعت کی علمی خدمت سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے جماعت کی علمی خدمت کو اپنے لئے مقصدِ حیات بنایا۔

مجھے یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ آج کے اس سیمینار میں یہاں کے دانشور بڑی تعداد میں شرکت کر رہے ہیں۔ اس سے یہاں کی جماعت کی علم دوستی اور پیر کی تعلیمات کے ساتھ والہانہ محبّت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ آئندہ بھی اس قسم کے سیمینار منعقد ہوتے رہیں تاکہ جماعت کو زیادہ سے زیادہ مذہبی معلومات فراہم ہو سکیں۔ جہاں تک موجودہ سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالوں کا تعلق ہے ہم ان کو بھی انشاء اللہ جتنی جلدی ہو سکے گا جماعت تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ آخر میں ایک مرتبہ پھر میں آپ سب کو سیمینار کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ مولا ہم سب کو پیر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

شکریہ

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی زندگی اور تصانیف

―― میر باقی خان ――

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کا پورا نام ابو معین ناصر بن خسرو بن الحارث القبادیانی البلخی المروزی ہے۔ ابو معین آپ کی کنیت اور حجّت آپ کا لقب اور تخلّص ہے۔ آپ ۳۹۴ھ بمطابق ۱۰۰۴ء کو بلخ کے قریب ایک گاؤں قبادیان میں پیدا ہوئے۔ اس کی تصدیق خود پیر کے دیوان سے ہوتی ہے۔

بگذشت ز ہجرت پس سیصد نود و چار
بنہاد مرا مادر بر مرکز اغبر [1]

یعنی ہجرت کے ۳۹۴ سال گذرے تھے کہ میری ماںؒ نے مجھے جنم دیا۔ سیّدنا کو اپنے وطن سے بے حد محبت تھی۔ اپنے اشعار میں بلخ کو اپنا وطن، شہر، گھر اور قیام گاہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اس کو چون بہشتؑ یعنی جنّت نظیر قرار دیتے ہیں۔ بلخ کو چھوڑنے پر پیر کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجوہات تھیں ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

جہاں تک حجّت کے لقب کا تعلق ہے یہ محض ایک شاعرانہ تخلّص یا لقب نہیں ہے بلکہ یہ فاطمی خلافت کے دور میں اسماعیلی نظامِ دعوت میں ایک نہایت اہم عہدہ رہا ہے۔ اس عہدے پر فائز ہونے والی شخصیت کی ذمّہ داری ہوتی تھی کہ اپنے جزیرے یا دائرۂ اختیار میں دعوت کے امور کی نگرانی اور جماعت کی رہنمائی کرے۔ آٹھویں فاطمی خلیفہ اور اٹھارہویں امامؑ مولانا

مستنصر باللہ علیہ السّلام نے پیر کو حجّتِ خراسان کے عظیم عہدے پر مامور فرمایا تھا۔ سیّدنا کو اس لقب پر بڑا فخر ہے وہ اپنے آپ کو کبھی حجّت، کبھی حجّتِ خراسان، کبھی حجّتِ مستنصر، کبھی حجّتِ فرزندِ رسولؐ اور کبھی حجّتِ نائبِ پیغمبر کہتے ہیں۔ پیر کا تعلق ایک معزّز خاندان سے تھا۔ آپ اپنے آپ کو آزادگان یعنی اشراف ایرانیاں کا فرزند بتاتے ہیں اور اپنے اعلیٰ نسبی ہونے کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

ہم از روی فضل و ہم از روی نسبت
ز ہر عیب پاکیزہ چون تازہ شیرم [2]

یعنی فضل و کمال کے لحاظ سے بھی اور نسبت کے لحاظ سے بھی میں بے عیب ہوں اور میں صاف دودھ کی طرح ہوں۔

آپ کا تعلق ایک خاندانِ محتشمی سے ہونے کے باوجود بھی سیّدنا اپنے خاندان کو اپنے لئے باعثِ فخر نہیں سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

گر تو بتبار فخر داری
من مفخر گوہر تبارم [3]

یعنی اگر تم کو اپنے خاندان پر فخر ہے تو میں اپنے خاندان کا ایسا موتی ہوں جس پر خود میرے اپنے خاندان کو فخر حاصل ہے۔

سیّدنا کے خاندان سے متعلق زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں البتہ آپ کے بھائی ابوالفتح عبدالجلیل سلجوقی حکومت میں وزارت کے عہدے پر فائز ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کا تعلق سرکاری عہدہ داروں سے تھا۔ سوائے اس کے کہ آپ کے دوسرے بھائی

ابوسعید آپ کے تاریخی سفرِ مغرب میں آپ کے ہمراہ تھے آپ کے خاندان کے دیگر افراد کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

پیر ناصر خسروؒ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ہمارے پاس مواد بہت محدود ہے آپ خود بھی اپنی تصانیف میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ البتہ ہمیں اتنا معلوم ہے کہ آپ ایک خوش حال اور تعلیم یافتہ خاندان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت بھی معیاری ہوتی ہوگی۔ اسلامی روایت کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم مذہبی اسکول میں حاصل کی اور چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے حقائق و رموز کے بارے میں پڑھا۔ پیر اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

مقرم بمرگ و بحشر و حساب
کتابت ز بردارم اندر ضمیر ؎

یعنی (اے اللہ) میں موت اور روزِ قیامت کا قائل ہوں اور تیری کتاب یعنی قرآن مجید میرے ضمیر میں ازبر ہے۔

پروفیسر ایوانوف کی رائے میں پیر کی تعلیم و تربیت ناقص تھی۔ دینی علوم میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ اس کی تصانیف میں غیر شائستگی ہے اور آپ کی شاعری گانوں اور ہزل گوئی سے بڑھ کر کچھ نہیں اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے محض خوشہ چینی کی ہے۔

سیّدنا کی علمی مرتبت اور آپ کی تعلیم و تربیت کے بارے میں پروفیسر موصوف کا مشاہدہ تحقیق سے ہٹ کر جذبات پر مبنی نظر آتا ہے۔ کیمرج ہسٹری آف ایران میں

Nasir-i-Khusrau and Iranian Ismailism

کے مصنف ہنری کوربن مشاید

ایوانوف کے اس تبصرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "جہاں تک اس (ناصر خسروؒ) کی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں بعض اشارے اس کی اپنی تصانیف سے ملتے ہیں۔ تحقیق سے اس کی بے حد محبّت جس کی شہادت خود دیتا ہے پر شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ یہی جذبہ تھا جس نے سائنس اور مختلف مذاہب کے تمام پہلوؤں میں دلچسپی کو ابھارنے میں اس کی رہنمائی کی اور نہ غزنویوں کے ہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے اور امرا اور زعماء کے ساتھ اس کی ہم نشینی پر شک کرنے کا کوئی جواز بنتا ہے۔ بعض آراء کے برخلاف وہ اپنے خیالات پر اور فارسی زبان پر جس کو اس نے اپنے لئے اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا مکمل عبور رکھتے ہوئے نظر آتا ہے"۔ ؎

سیّدنا نے دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی علوم و فنون، السنہ، ادبیات وغیرہ کے حصول میں بھی سخت محنت کی اور عہدِ جوانی میں آپ نے اپنے زمانے کے مروّجہ عقلی اور نقلی علوم بالخصوص یونانی علوم، علم الحساب، علم الکلام اور فلسفہ و حکمت وغیرہ پر عبور حاصل کیا۔ پیر اپنے دیوان میں جا بجا اپنے علمی کمالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جہاں تک مذاہبِ عالم کا تعلق ہے آپ نے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب جیسے ہندو، مانی، صابئی، زرتشتی، یہودیت، عیسائیت وغیرہ کا گہرا مطالعہ کیا۔ آپ کو فارسی اور عربی کے علاوہ کئی اور زبانوں پر دسترس حاصل تھی مثلاً حالی لکھتا ہے کہ اس (ناصر خسروؒ) نے اپنے سفرنامے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عبرانی

زبان اور عبرانی رسم الخط سے بے خبر نہیں تھے کیونکہ آپ نے فلسطین کے حالات بیان کرتے ہوئے عبرانی رسم الخط میں لکھے ہوئے بعض کتبوں کے مضامین کی وضاحت کی ہے۔ مختصر یہ کہ پیر کو اپنے زمانے کے تمام مروجہ علوم پر عبور حاصل تھا۔ اس کا اندازہ آپ کے اس شعر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

نماند از ہیچ گون دانش کہ من زان
نکردم استفادت بیش و کمتر [۱]

یعنی "علم و دانش کی کوئی ایسی صورت نہ رہی جس سے میں نے کم و بیش استفادہ نہ کیا ہو۔"

اس شعر سے پیر کے بارے میں ایوانوف کے ان خیالات کی مزید تردید ہوتی ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

لکھنے اور شعر و شاعری کا شوق آپ کو ابتدائے جوانی سے ہی تھا۔ آپ چالیس۴۰ سال کی عمر سے پہلے ہی ترکستان، لاہور، ملتان، سندھ وغیرہ کا تحقیقی دورہ کر چکے تھے۔ اس دورے کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں کیونکہ پیر کے سفرِ مصر سے پہلے کا کوئی مکتوب دستیاب نہیں ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ اسماعیلی دعوت میں شامل ہونے کے بعد پیر نے اپنے پہلے کے تمام اشعار اور تصانیف کو ضائع کردیا ہو یا پھر حوادثِ زمانہ کا شکار ہوگئے۔ یہاں پہلی وجہ قوی نظر آتی ہے کیونکہ پیر اپنی چالیس۴۰ سال کی زندگی کو اندھیری رات سے تشبیہ دیتے ہیں اور ان چالیس سالوں کے دوران جو کچھ بھی تحریر میں لائے اس کو محفوظ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

پیر جس زمانے میں رہتے تھے وہ پُرآشوب تھا۔ آپ

کا آبائی وطن خراسان دو مخالف ترک قبیلے غزنویوں اور سلجوقیوں کے درمیان میدانِ جنگ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ آخر کار سلجوقیوں کی بالادستی قائم ہوئی۔ ساتھ ہی حنفی اور شافعی مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کے خلاف کارروائیوں میں مصروف تھے۔ بالآخر حنفی مذہب کا غلبہ ہوگیا۔ لیکن سب سے اہم بات یہ کہ خراسان فاطمی اور عباسی خلافتوں کے مذہبی پرچار کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب پیر کی عمر پینتیس۳۵ برس تھی۔ اگرچہ اسماعیلی کوئی واضح سیاسی قوت حاصل نہ کرسکے تاہم ان کی تبلیغ بڑی حد تک مؤثر رہی جو یقیناً عباسی خلفاء کے لئے باعثِ پریشانی تھی۔ اسماعیلی تبلیغ مؤثر ہونے کا ثبوت ہمیں ابن سینا کے اس قول سے بھی ملتا ہے کہ اس کا باپ اسماعیلی طریقہ اختیار کرچکا تھا اور اس کے گھر میں اسماعیلی داعیوں کی میٹنگیں باقاعدگی کے ساتھ منعقد ہوتی تھیں۔ عباسی خلفاء کے نزدیک اسماعیلی داعی ان کے سیاسی حریف فاطمی خلفاء کے سیاسی نمائندے تھے۔ چونکہ غزنوی اور سلجوقی حکومتیں دونوں عباسی خلافت کی طرفدار تھیں اس لئے اسماعیلیوں پر دونوں نے ظلم کیا اور ان کا قتلِ عام کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ پیر نے اپنے اشعار میں اُن کے خلاف جو سخت الفاظ استعمال کئے ہیں ان کو اس پسِ منظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سیّدنا کا عہدِ جوانی بادشاہوں اور امراء کے درباروں اور محفلوں میں گذرا۔ آپ کے اپنے قول کے مطابق آپ نے سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے مسعود کے درباروں کو

دیکھا۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ آپ وزارتِ مالیات میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اس سے پیر کی اعلیٰ ذہانت اور مکمل شخصیّت کی عکاسی ہوتی ہے۔ چونکہ آپ بحیثیت ایک مفکّر، دانشمند اور سائنسی ذہن کے مالک انسان اس سرکاری دبدبے اور مالی فارغ البالی کو اپنا مقصدِ حیات نہیں سمجھتے تھے۔ آپ حقیقت کے متلاشی تھے اور محض ظاہری یا دنیاوی علوم سے آپ کو ذہنی، عقلی اور روحانی تشفی نہیں ہوتی تھی اس وجدانی کشمکش میں پیر نے جوزجان میں اپنے قیام کے دوران ایک خواب دیکھا جس کی کیفیت آپ نے یوں بیان کی ہے۔ "میں نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ناصر! یہ شراب جو انسانی عقل کو نقصان پہنچاتی ہے کب تک پیتے جاؤ گے؟ اگر آپ ہوش میں آئے تو بہتر ہے" میں نے جواب دیا کہ "شراب کے سوا حکماء نے کوئی ایسی چیز ایجاد نہیں کی ہے جو غم غلط کرنے والی ہو" جواب دیا کہ "بے خودی اور بے ہوشی میں کہیں راحت ملتی ہے؟" فرمایا "جوئندہ یابندہ" یعنی جو ڈھونڈتا ہے وہ پالیتا ہے۔ اور قبلہ کی طرف اشارہ کرکے چپ ہوگیا۔ خواب سے بیداری کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں گذشتہ رات کے خواب سے جاگ چکا ہوں تو مجھے چالیس سالہ خواب سے بھی بیدار ہونا چاہیئے۔ غور و فکر کے بعد سمجھ میں آیا کہ جب تک میں پرانی عادتوں کو نہیں چھوڑوں گا کبھی روحانی مسرّت حاصل نہیں ہوگی"۔[۵]

بعض محققین کے نزدیک اس خواب کو پیر نے تقیہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ خواب آپ کا اسماعیلی

مذہب اختیار کرنے کی اصل وجہ نہیں تھی بلکہ پیر پہلے سے اسماعیلی طریقہ اختیار کر چکے تھے۔ اب آپ کو قاہرہ جانے کی دعوت یا حکم ملنے پر آپ نے خواب کو بطور جوازِ سفر پیش کیا۔ سیّدنا کی اچانک روانگی اور معمول کا راستہ بدل کر دوسرے راستے پر جانا وغیرہ دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بہرحال اس سے قطع نظر کہ پیر پہلے سے اسماعیلی تھے یا خواب کے نتیجے میں آپ نے اسماعیلی مسلک اختیار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ کی زندگی میں اہم روحانی تبدیلی کا لمحہ تھا۔ پیر کے اس شعر سے اس کی عکاسی ہوتی ہے۔

بیدار شو از خوابِ خوش ای خفتہ چہل سال
بنگر کہ ز یارانت نماند کس ایدر[۶]

یعنی "اے چالیس سال تک سوئے ہوئے انسان۔ اب اس میٹھی نیند سے بیدار ہوجاؤ اور دیکھو کہ تمہارے دوستوں میں سے اب کوئی نہیں رہا"۔

پیر اپنے اس سفر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔ "۳۹۴ھ کو میری ماں نے مجھے جنم دیا۔ میری مثال اس وقت ایک ایسے پودے کی سی تھی جو بے شعوری کی حالت میں نشو و نما پا رہا ہو اور جو سیاہ مٹی اور منقطر پانی سے پیدا ہوا ہو۔ اس کے بعد میں نباتاتی درجے سے حیوانی مرتبے تک پہنچا اور چند روز تک ایک بے پر پرندے کی طرح رہا۔ یہاں تک کہ میں چوتھی حالت میں داخل ہوا۔ پھر میرے خاکی وجود میں قوّتِ گویائی پیدا ہوئی اور مجھ میں انسانی آثار نمودار ہوئے۔ جب میں بیالیس برس کی عمر کو پہنچا تو میرے نفسِ سخنور نے خرد یعنی عقل کی

تلاش شروع کی اور جب میں نے اپنے آپ کو ہر شخص سے بہتر پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یقیناً کوئی ایسی ہستی ہونی چاہیئے جو تمام مخلوق سے بہتر ہو۔" [10]

عقل و دانش سے پیر کی بے پناہ محبّت اور آپ کا حسّاس ذہن آخر کار آپ کی زندگی میں ایک روحانی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئے جو ایک خواب کی صورت میں برپا ہوا۔ تلاشِ حق کے سلسلے میں جہاں پیر نے نقلی علوم سے استفادہ کیا وہاں آپ نے عقلی دلائل کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

یک روز بخواندم ز قرآن آیتِ بیعت
کایزد بقرآن گفت کہ بدست من از بر
آن قوم کہ در زیر شجر بیعت کردند
چون جعفر و مقداد و چون سلمان و چو بوذر
گفتم کہ کنون آن شجر و دست چگونہ است
آن دست کجا جویم و آن بیعت و محضر [11]

"ایک روز میں نے قرآنِ پاک کی آیتِ بیعت پڑھی اس میں اللہ فرماتا ہے کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ وہ جماعت جس نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی جو جعفرؓ، مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ جیسے لوگوں پر مشتمل تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہاں ہے وہ درخت اور کہاں ہے وہ مبارک ہاتھ؟ اس مقدس ہاتھ کو کہاں تلاش کروں اور اس بیعت اور محفل سے کس طرح مستفیض ہو جاؤں؟"

فی الجملہ جس خواب کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس کی اہمیت واضح ہے۔ اس خواب سے بیداری

پیر کی زندگی کو یکسر بدل دیتی ہے۔ یہیں سے آپ اپنی چالیس سالہ زندگی سے قطع تعلق کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ سیّدنا اپنے تمام احوال کا ذکر اپنے ایک لمبے قصیدے میں کرتے ہیں جس کو محققین قصیدۂ اعترافیہ کا نام دیتے ہیں۔ "جوینده یابنده" کے اشارے کے تحت پیر سفرِ مصر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس وقت آپ پر جو کیفیت طاری تھی اس کا اندازہ آپ کے اس قصیدے سے کیا جا سکتا ہے۔

برخاستم از جای و سفر پیش گرفتم
نز خانم یاد آمد و نز گلشن و منظر [12]

یعنی پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سفر پر روانہ ہوا۔ اس وقت نہ میرا گھر بار مجھے یاد آیا اور نہ باغ و منظر! سیّدنا ناصر خسروؒ کا سفرِ مغرب ۴۳۷ھ بمطابق ۱۰۴۵ء کو بلخ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء کو واپس بلخ پہنچ کر اپنے بھائی ابو الفتح عبد الجلیل کے ساتھ ملاقات کرنے پر ختم ہوتا ہے اس سفر کی کُل مدّت سات سال رہی۔ آپ جوزجان سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے کے لئے مرو جاتے ہیں وہاں سے نیشاپور، دامغان اور سمنان جاتے ہیں۔ پھر قزوین سے ہوتے ہوئے ۲۰ صفر ۴۳۸ھ/ ۲۶ اگست ۱۰۴۶ء کو تبریز پہنچ جاتے ہیں۔ تبریز سے وان، اخلاط، بطلیس، ارزن، میافارقین، آمد، حلب، معرۃ النعمان جاتے ہیں۔ معرۃ النعمان میں آپ کی ملاقات عرب کے مشہور فلسفی شاعر ابو العلا المعرّی سے ہوتی ہے۔ جس کے کردار اور کارناموں کو پیر تعریفی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ یہاں سے حماۃ، طرابلس، بیروت، صیدا پھر حیفا جاتے ہیں۔ شام میں کچھ وقت گزارتے

تلاش شروع کی اور جب میں نے اپنے آپ کو ہر شخص سے بہتر پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یقیناً کوئی ایسی ہستی ہونی چاہیئے جو تمام مخلوق سے بہتر ہو۔" [11]

عقل و دانش سے پیر کی بے پناہ محبت اور آپ کا حساس ذہن آخر کار آپ کی زندگی میں ایک روحانی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئے جو ایک خواب کی صورت میں برپا ہوا۔ تلاشِ حق کے سلسلے میں جہاں پیر نے نقلی علوم سے استفادہ کیا وہاں آپ نے عقلی دلائل کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

یک روز بخواندم ز قرآن آیتِ بیعت
کایزد بقرآن گفت کہ بدست من از بر
آن قوم کہ در زیرِ شجر بیعت کردند
چون جعفر و مقداد و چون سلمان و چو بوذر
گفتم کہ کنون آن شجر و دست چگونہ است
آن دست کجا جویم و آن بیعت و محضر [11]

"ایک روز میں نے قرآنِ پاک کی آیتِ بیعت پڑھی اس میں اللہ فرماتا ہے کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ وہ جماعت جس نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی جو جعفرؓ، مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ جیسے لوگوں پر مشتمل تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہاں ہے وہ درخت اور کہاں ہے وہ مبارک ہاتھ؟ اس مقدس ہاتھ کو کہاں تلاش کروں اور اس بیعت اور محفل سے کس طرح مستفیض ہو جاؤں؟"

فی الجملہ جس خواب کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس کی اہمیت واضح ہے۔ اس خواب سے بیداری

پیر کی زندگی کو یکسر بدل دیتی ہے۔ یہیں سے آپ اپنی چالیس سالہ زندگی سے قطع تعلق کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ سیدنا اپنے تمام احوال کا ذکر اپنے ایک لمبے قصیدے میں کرتے ہیں جس کو محققین قصیدۂ اعترافیہ کا نام دیتے ہیں۔ "جوئندہ یابندہ" کے اشارے کے تحت پیر سفرِ مصر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس وقت آپ پر جو کیفیت طاری تھی اس کا اندازہ آپ کے اس قصیدے سے کیا جا سکتا ہے۔

برخاستم از جای و سفر پیش گرفتم
نز خانم یاد آمد و نز گلشن و منظر [12]

یعنی پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سفر پر روانہ ہوا۔ اس وقت نہ میرا گھر بار مجھے یاد آیا اور نہ باغ و منظر! سیدنا ناصر خسروؒ کا سفرِ مغرب ۴۳۷ھ بمطابق ۱۰۴۵ء کو بلخ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء کو واپس بلخ پہنچ کر اپنے بھائی ابوالفتح عبدالجلیل کے ساتھ ملاقات کرنے پر ختم ہوتا ہے اس سفر کی کل مدت سات سال رہی۔ آپ جوزجان سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے کے لئے مرو جاتے ہیں وہاں سے نیشاپور، دامغان اور سمنان جاتے ہیں۔ پھر قزوین سے ہوتے ہوئے ۲۰ صفر ۴۳۸ھ/ ۲۶ اگست ۱۰۴۶ء کو تبریز پہنچ جاتے ہیں۔ تبریز سے وان، اخلاط، بطلیس، ارزن، میافارقین، آمد، حلب، معرۃ النعمان جاتے ہیں۔ معرۃ النعمان میں آپ کی ملاقات عرب کے مشہور فلسفی شاعر ابوالاعلا المعری سے ہوتی ہے۔ جس کے کردار اور کارناموں کو پیر تعریفی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ یہاں سے حماۃ، طرابلس، بیروت، صیدا پھر حیفا جاتے ہیں۔ شام میں کچھ وقت گزارتے

ہیں اور انبیاء کی زیارت کے علاوہ بیت المقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ ۱۰۴۷ء کو مکہ پہنچتے ہیں وہاں سے حج کرکے واپس بیت المقدس آتے ہیں۔ یہاں سے سمندری سفر کے لئے موسم کو ناخوشگوار دیکھ کر خشکی کے راستے مصر کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور آخر کار ۷، صفر ۴۳۹ھ / ۱۳ اگست ۱۰۴۷ء کو قاہرہ پہنچتے ہیں۔

پیر قاہرہ پہنچ کر فاطمی خلافت کی شاندار انتظامیہ، فوجی نظم و ضبط، لوگوں کی خوشحالی اور احساسِ تحفظ اور امن و امان کے ماحول سے بیحد متاثر ہوتے ہیں۔ قاہرہ کی مساجد، اس کے باغات، اس کی عمارتوں وغیرہ کے بارے میں جو کچھ معلومات آپ نے قلمبند کی ہیں وہ محققین کی نظر میں قابلِ تعریف ہیں۔ پیر لکھتے ہیں کہ فاطمی فوج میں انتہائی نظم و ضبط پایا جاتا تھا اور فوجیوں کو جس باقاعدگی کے ساتھ تنخواہیں دی جاتی تھیں اس سے ان میں بڑا اطمینان پایا جاتا تھا۔ عام شہریوں میں تحفظ کا احساس بہت زیادہ تھا۔ اس کی بہترین مثال یہ تھی کہ دوکاندار اپنی دوکانوں اور اسٹورز کو بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ اور رعایا کا ایک دوسرے پر بیحد اعتماد تھا۔ اس سلسلے میں پیر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "میں نے عام لوگوں کے پاس جو سرمایہ دیکھا جس کے بارے میں جو کچھ میں کہوں گا وہ فارس (ایران و افغانستان) کے لوگوں کے لئے قابلِ یقین نہیں ہوگا۔ وہاں (قاہرہ میں) لوگوں کے پاس جو سرمایہ ہے اس کا اندازہ لگانا میرے بس کی بات نہیں ہے جو خوشحالی وہاں تھی وہ کسی اور جگہ میں نے نہیں دیکھی۔" پیر

مزید لکھتے ہیں کہ "قاہرہ میں ایک دولت مند عیسائی رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شخص کی کشتیوں، دولت اور جائیداد کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ایک سال نیل کا پانی خشک ہونے سے فصلیں خراب ہوگئیں۔ خلیفہ کے وزیر نے اس شخص کے پاس پیغام بھیجا کہ سال اچھا نہیں ہوا۔ خلیفہ اپنی رعایا کے بارے میں فکرمند ہیں کتنا غلّہ پیسے کے لئے یا بطور قرض تم دے سکتے ہو۔ عیسائی نے جواب دیا" خلیفہ اور اس کے وزیر کی دعاؤں سے میرے پاس اتنا غلّہ موجود ہے جو قاہرہ میں بسنے والوں کے لئے چھ سال تک کافی ہو سکتا ہے۔" پیر کہتے ہیں کہ "جو بھی اس کا حساب لگا سکتا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ جس شخص کے پاس اتنا غلّہ موجود ہو وہ کتنا دولت مند ہو سکتا ہے اور یہ بھی سمجھ جائے گا کہ رعایا کو کتنا تحفظ حاصل ہے۔ اس خلیفہ کے عدل و انصاف کا کیا کہنا کہ جس کی وجہ سے ملک کے حالات اتنے اچھے ہوں اور اس میں بسنے والے اتنے خوشحال ہوں کہ نہ خلیفہ کسی سے کوئی زیادتی کرے یا اس پر دباؤ ڈالے اور نہ لوگوں میں سے کوئی کسی چیز کو اس سے چھپائے۔"

جہاں پیر نے قاہرہ کی مالی خوشحالی اور انتظامی استحکام کے بارے میں اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں وہاں آپ نے اس کے علمی اور روحانی ماحول کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں "ایک دن میں ایسے شہر کے دروازے پر پہنچا جس کے لئے اجرامِ فلکی غلام اور کائنات مسخر تھی وہ شہر ایسا تھا کہ جس کی ساری منزلیں محض فضل و دانش کی تھیں اور وہ ایک ایسا باغ تھا جس میں خالص عقل و دانش کے صنوبر اُگے ہوئے تھے۔ اس شہر میں

تلاش شروع کی اور جب میں نے اپنے آپ کو ہر شخص سے بہتر پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یقیناً کوئی ایسی ہستی ہونی چاہئیے جو تمام مخلوق سے بہتر ہو۔"[10]

عقل و دانش سے پیر کی بے پناہ محبت اور آپ کا حسّاس ذہن آخر کار آپ کی زندگی میں ایک روحانی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئے جو ایک خواب کی صورت میں برپا ہوا۔ تلاشِ حق کے سلسلے میں جہاں پیر نے نقلی علوم سے استفادہ کیا وہاں آپ نے عقلی دلائل کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

یک روز بخواندم ز قرآن آیتِ بیعت
کایزد بقرآن گفت کہ بدست من ازبر
آن قوم کہ در زیر شجر بیعت کردند
چون جعفر و مقداد و چون سلمان و چو بوذر
گفتم کہ کنون آن شجر و دست چگونہ است
آن دست کجا جویم و آن بیعت و محضر [11]

"ایک روز میں نے قرآنِ پاک کی آیتِ بیعت پڑھی اس میں اللہ فرماتا ہے کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ وہ جماعت جس نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی جو جعفرؓ، مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ جیسے لوگوں پر مشتمل تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہاں ہے وہ درخت اور کہاں ہے وہ مبارک ہاتھ؟ اس مقدس ہاتھ کو کہاں تلاش کروں اور اس بیعت اور محفل سے کس طرح مستفیض ہو جاؤں؟"

فی الجملہ جس خواب کا ذکر اوپر آچکا ہے اس کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس کی اہمیت واضح ہے۔ اس خواب سے بیداری

پیر کی زندگی کو یکسر بدل دیتی ہے۔ یہیں سے آپ اپنی چالیس سالہ زندگی سے قطع تعلق کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ سیّدنا اپنے تمام احوال کا ذکر اپنے ایک لمبے قصیدے میں کرتے ہیں جس کو محققین قصیدۂ اعترافیہ کا نام دیتے ہیں۔ "جوینده یابنده" کے اشارے کے تحت پیر سفرِ مصر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اس وقت آپ پر جو کیفیت طاری تھی اس کا اندازہ آپ کے اس قصیدے سے کیا جا سکتا ہے۔

برخاستم از جای و سفر پیش گرفتم
نز خانم یاد آمد و نز گلشن و منظر [12]

یعنی پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سفر پر روانہ ہوا۔ اس وقت نہ میرا گھر بار مجھے یاد آیا اور نہ باغ و منظر! سیّدنا ناصر خسروؒ کا سفرِ مغرب ۴۳۷ھ بمطابق ۱۰۴۵ء کو بلخ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء کو واپس بلخ پہنچ کر اپنے بھائی ابو الفتح عبد الجلیل کے ساتھ ملاقات کرنے پر ختم ہوتا ہے اس سفر کی کُل مدت سات سال رہی۔ آپ جوزجان سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے کے لئے مرو جاتے ہیں وہاں سے نیشاپور، دامغان اور سمنان جاتے ہیں۔ پھر قزوین سے ہوتے ہوئے ۲۰ رصفر ۴۳۸ھ/ ۲۶ راگست ۱۰۴۶ء کو تبریز پہنچ جاتے ہیں۔ تبریز سے وان، اخلاط، بطلیس، ارزن، میافارقین، آمد، حلب، معرۃ النعمان جاتے ہیں۔ معرۃ النعمان میں آپ کی ملاقات عرب کے مشہور فلسفی شاعر ابو الاعلا المعری سے ہوتی ہے۔ جس کے کردار اور کارناموں کو پیر تعریفی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ یہاں سے حماۃ، طرابلس، بیروت، صیدا پھر حیفا جاتے ہیں۔ شام میں کچھ وقت گزارتے

ہیں اور انبیاء کی زیارت کے علاوہ بیت المقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ ۱۰۴۷ء کو مکہ پہنچتے ہیں وہاں سے حج کر کے واپس بیت المقدس آتے ہیں - یہاں سے سمندری سفر کے لئے موسم کو ناخوشگوار دیکھ کر خشکی کے راستے مصر کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور آخر کار ۷، صفر ۴۳۹ھ/ ۱۳ اگست ۱۰۴۷ء کو قاہرہ پہنچتے ہیں۔

پیر قاہرہ پہنچ کر فاطمی خلافت کی شاندار انتظامیہ، فوجی نظم وضبط، لوگوں کی خوشحالی اور احساسِ تحفظ اور امن و امان کے ماحول سے بیحد متاثر ہوتے ہیں - قاہرہ کی مساجد، اس کے باغات، اس کی عمارتوں وغیرہ کے بارے میں جو کچھ معلومات آپ نے قلمبند کی ہیں وہ محققین کی نظر میں قابلِ تعریف ہیں۔ پیر لکھتے ہیں کہ فاطمی فوج میں انتہائی نظم وضبط پایا جاتا تھا اور فوجیوں کو جس باقاعدگی کے ساتھ تنخواہیں دی جاتی تھیں اس سے ان میں بڑا اطمینان پایا جاتا تھا۔ عام شہریوں میں تحفظ کا احساس بہت زیادہ تھا - اس کی بہترین مثال یہ تھی کہ دوکاندار اپنی دوکانوں اور اسٹورز کو بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے - خلیفہ اور رعایا کا ایک دوسرے پر بیحد اعتماد تھا - اس سلسلے میں پیر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں - فرماتے ہیں کہ "میں نے عام لوگوں کے پاس جو سرمایہ دیکھا جس کے بارے میں جو کچھ میں کہوں گا وہ فارس (ایران و افغانستان) کے لوگوں کے لئے قابلِ یقین نہیں ہوگا - وہاں (قاہرہ میں) لوگوں کے پاس جو سرمایہ ہے اس کا اندازہ لگانا میرے بس کی بات نہیں ہے جو خوشحالی وہاں تھی وہ کسی اور جگہ میں نے نہیں دیکھی۔" پیر

مزید لکھتے ہیں کہ "قاہرہ میں ایک دولت مند عیسائی رہتا تھا - کہتے ہیں کہ اس شخص کی کشتیوں، دولت اور جائیداد کا کوئی اندازہ نہیں تھا - ایک سال نیل کا پانی خشک ہونے سے فصلیں خراب ہوگئیں - خلیفہ کے وزیر نے اس شخص کے پاس پیغام بھیجا کہ سال اچھا نہیں ہوا - خلیفہ اپنی رعایا کے بارے میں فکرمند ہیں کتنا غلّہ پیسے کے لئے یا بطورِ قرض تم دے سکتے ہو - عیسائی نے جواب دیا "خلیفہ اور اس کے وزیر کی دعاؤں سے میرے پاس اتنا غلّہ موجود ہے جو قاہرہ میں بسنے والوں کے لئے چھ سال تک کافی ہو سکتا ہے۔" پیر کہتے ہیں کہ "جو بھی اس کا حساب لگا سکتا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ جس شخص کے پاس اتنا غلّہ موجود ہو وہ کتنا دولت مند ہو سکتا ہے اور یہ بھی سمجھ جائے گا کہ رعایا کو کتنا تحفظ حاصل ہے - اس خلیفہ کے عدل و انصاف کا کیا کہنا کہ جس کی وجہ سے ملک کے حالات اتنے اچھے ہوں اور اس میں بسنے والے اتنے خوشحال ہوں کہ نہ خلیفہ کسی سے کوئی زیادتی کرے یا اس پر دباؤ ڈالے اور نہ لوگوں میں سے کوئی کسی چیز کو اس سے چھپائے۔"

جہاں پیر نے قاہرہ کی مالی خوشحالی اور انتظامی استحکام کے بارے میں اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں وہاں آپ نے اس کے علمی اور روحانی ماحول کا بھی نقشہ کھینچا ہے - فرماتے ہیں " ایک دن میں ایسے شہر کے دروازے پر پہنچا جس کے لئے اجرامِ فلکی غلام اور کائنات مسخر تھی وہ شہر ایسا تھا کہ جس کی ساری منزلیں محض فضل و دانش کی تھیں اور وہ ایک ایسا باغ تھا جس میں خالص عقل و دانش کے صنوبر اُگے ہوئے تھے - اس شہر میں

حکماء ایسے لباس پہن سکتے ہیں جو نہ کسی مرد کا بُنا ہوا اور نہ کسی عورت کا کاتا ہوا ہے۔ جب میں اس شہر میں پہنچا تو عقل نے مجھ سے کہا یہیں سے اپنی حاجت طلب کرو اور اس منزل سے آگے مت بڑھو۔ پس میں اس شہر کے دربان کے پاس گیا۔ اپنے دل کا راز اس سے بیان کیا اس نے جواب دیا "غم نہ کھا یہ شہر ایک تاروں بھرا آسمان ہے بلکہ ایک ایسی بہشت ہے جس میں حسین و جمیل لوگ بستے ہیں" میں نے کہا میرا دل نہایت کمزور ہے۔ تو میری عمدہ (جسمانی) صحت اور سرخ و سفید رنگت کو نہ دیکھو۔ میں دلیل کے بغیر کوئی دوا نہیں پیوں گا وہ کہنے لگا۔ "غم نہ کر میں یہاں کا طبیب ہوں تو مجھ سے اپنی بیماری بیان کر۔" میں نے اس سے اوّل، آخر، علّت، معلول، جنس، صفت، صورت، قادر، تقدیر اور مقدّر کی وضاحت چاہی۔ جب اس مردِ دانا نے یہ سوالات مجھ سے سُنے تو اس نے دستِ قبول سینے پر رکھا اور کہا "ہاں میں دلیل و برہان ہی سے دوا دوں گا لیکن میں تمہارے لبوں پر مہرِ سکوت لگا دوں گا۔ پھر اس نے شربت مجھے پینے کو دیا اور میں نے دوا پی لی۔ اس نے میرے لبوں پر مہر لگا دی اور ایک تدریج کے ساتھ روزانہ میرا علاج کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے میرے خاکی جسم کو یاقوت کی طرح روشن کر دیا۔ اب یاقوت میں ہوں اور میرا سورج وہ شخص ہے جس کے نور سے دنیا کا ظلمت کدہ روشن ہے۔ مبارک ہے وہ شہر جس کا دربان ایسا ہو اور مبارک ہے وہ جہاز جس کا لنگر اتنا مضبوط ہو۔"[13]

یہاں پیر جس شہر کی بات کرتے ہیں وہ یقیناً علم کا شہر ہے۔

آپ نے جس بیماری کا ذکر کیا ہے وہ روحانی بیماری ہے۔ لبوں پر مہر وہ وعدہ ہے جو مذہب کے حقائق کی رازداری کے لئے لیا جاتا تھا اور تدریج علاج کا مطلب اسماعیلی دعوت کے وہ مدارج ہیں جن کی تربیت پیر کو تدریج دی گئی روحانی طبیب اور اس شہر کا دربان سے مراد بعض روایات کے مطابق سیّدنا المؤید فی الدّین شیرازی ہیں۔ جن کے ہاتھوں پیر کی تربیت ہوئی۔ بالآخر امام الزّمانؑ کے حضور تک پیر کی رسائی ہوئی پیر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دستم بکفِ دستِ نبی داد بہ بیعت
زیرِ شجرِ عالی پر سایہ و مثمر[14]

یعنی "اس (المؤید) نے میرے ہاتھ کو امام زمانؑ کے دستِ مبارک تک پہنچا کر جو بیعت کرائی تو گویا وہ پیغمبرؐ کا ہاتھ تھا اور یہ بیعت رضوان کی مانند تھی جو ایک سایہ دار اور میوہ دار درخت کے نیچے کی گئی تھی۔"

اس بیعت کے موقع پر امام الزّمانؑ کے دیدار سے مشرّف ہونے کے بعد پیر پر جو روحانی کیفیت طاری تھی اس کی عکاسی اس شعر سے ہوتی ہے:

بر جانِ من چو نورِ امام زمانؑ بتافت
لیل السرار بودم و شمس الضحیٰ شدم[15]

یعنی "جب میری جان پر امام زمانؑ کا نور طلوع ہوا تو میں جو اندھیری رات تھا روزِ روشن بن گیا۔"

اگرچہ پیر کو مروّجہ ظاہری علوم پر عبور حاصل تھا مگر یہ آپ کی روحانی بیماری اور عقلانی اضطراب کا مداوا ثابت

نہیں ہو سکا۔ آخر کار یہ تشفی آپ کو دعوتِ آلِ رسولؑ سے نصیب ہوئی۔ پیر فرماتے ہیں:

شفای جان ندیدم، ہیچ دانش
مگر از دعوتِ آلِ پیغمبرؐ [16]

یعنی "سوائے آلِ رسولؐ یعنی امام الزمانؑ کی دعوت کے میں نے کسی اور علم میں اس روحانی درد کا درماں نہیں دیکھا"۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جس دور میں پیر رہتے تھے اس وقت خراسان آپ کا آبائی وطن، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی لپیٹ میں تھا۔ اگرچہ غزنوی اور سلجوقی سیاسی طور پر ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر دونوں عبّاسی خلافت کے طرفدار تھے۔ اس لحاظ سے شیعوں اور بالخصوص اسماعیلیوں کا قتلِ عام کرنے میں ان کی پالیسی یکساں تھی۔ سلطان محمود غزنوی عبّاسی خلیفہ القادر کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ "عباسیوں کی وفاداری میں میں نے پوری دنیا میں قرمطیوں کی تلاش میں اپنی انگلی گھمائی۔ جہاں بھی وہ ملتے ہیں اور ان کی شناخت کی تصدیق ہو جاتی ہے ان کو فوراً تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے"۔ یہاں قرمطی سے مراد ان کی نظر میں اسماعیلی تھے۔ ایسے حالات میں پیر امام مستنصر باللہؑ کی طرف سے حجّتِ خراسان کی حیثیت سے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ۲۶ جمادی الاوّل ۴۴۴ھ/ ۲۳ اکتوبر ۱۰۵۲ء کو بلخ پہنچتے ہیں۔

پیر نے بلخ پہنچ کر دعوت کا کام پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھا۔ ایسے نامساعد حالات میں دعوت الحق کی تبلیغ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بہت تھوڑے وقت میں متعصّب

لوگ آپ کے لئے مشکلات پیدا کرنے لگے اور قرمطی، ملحد، رافضی جیسے نامناسب ناموں سے پکارنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ لوگ آپ کے گھر پہ حملہ آور ہوئے۔ آخر کار پیر کو اپنا گھر بار چھوڑ کر جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔ ایسے حالات میں بھی پیر نے اپنا مشن جاری رکھا اور آپ کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ پیر فرماتے ہیں:

تختۂ کشتی نوحم بخراسان در
لاجرم ہیچ خطر نیست ز طوفانم [17]

"میں خراسان میں نوح کی کشتی کے عرشے کی مثال ہوں الغرض مجھے طوفان کا کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

نیز کہتے ہیں:

ای سرمایۂ ہر نصرت مستنصر
من اسیر غلبۂ لشکرِ شیطانم [18]

"اے مستنصر (امام زمانؑ) تو ہر کامیابی کا سرمایہ ہے میں شیطان کی فوج کا قیدی بنا ہوا ہوں"۔

سیّدنا ناصر خسروؒ پر غزنویوں اور سلجوقیوں کی طرف سے جو ظلم کیا گیا اس کا اظہار پیر نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں کیا ہے۔ جب بلخ میں پیر کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تو آپ نے وہاں سے یمگان کی طرف ہجرت کی۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کا امیر علی ابنِ اسد اسماعیلی تھا۔ اس نے پیر کی آؤ بھگت کی اور آپ کی تمام تصنیفات یہاں مکمل ہوئیں۔ اگرچہ پیر کو اپنی جلاوطنی پر بہت دکھ تھا لیکن آپ کی نظر میں امامِ زمانؑ کی دوستی کے مقابلے میں وطن کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ پیر فرماتے ہیں:

نہیں ہو سکا۔ آخر کار یہ تشفی آپ کو دعوتِ آلِ رسولؐ سے نصیب ہوئی۔ پیر فرماتے ہیں:

شفای جان ندیدم، ہیچ دانش
مگر از دعوتِ آلِ پیغمبرؐ [16]

یعنی "سوائے آلِ رسولؐ یعنی امام الزمانؑ کی دعوت کے میں نے کسی اور علم میں اس روحانی درد کا درماں نہیں دیکھا۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جس دور میں پیر رہتے تھے اس وقت خراسان آپ کا آبائی وطن، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی لپیٹ میں تھا۔ اگرچہ غزنوی اور سلجوقی سیاسی طور پر ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر دونوں عبّاسی خلافت کے طرفدار تھے۔ اس لحاظ سے شیعوں اور بالخصوص اسماعیلیوں کا قتلِ عام کرنے میں ان کی پالیسی یکساں تھی۔ سلطان محمود غزنوی عبّاسی خلیفہ القادر کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ "عباسیوں کی وفاداری میں میں نے پوری دنیا میں قرمطیوں کی تلاش میں اپنی انگلی گھمائی۔ جہاں کہیں وہ ملتے ہیں اور ان کی شناخت کی تصدیق ہو جاتی ہے ان کو فوراً تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے۔" یہاں قرمطی سے مراد ان کی نظر میں اسماعیلی تھے۔ ایسے حالات میں پیر امام مستنصر باللہؑ کی طرف سے حجتِ خراسان کی حیثیت سے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ۲۶ جمادی الاوّل ۴۴۴ھ / ۲۳ اکتوبر ۱۰۵۲ء کو بلخ پہنچتے ہیں۔

پیر نے بلخ پہنچ کر دعوت کا کام پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھا۔ ایسے نامساعد حالات میں دعوت الحق کی تبلیغ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بہت تھوڑے وقت میں متعصب

لوگ آپ کے لئے مشکلات پیدا کرنے لگے اور قرمطی، ملحد، رافضی جیسے نامناسب ناموں سے پکارنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ لوگ آپ کے گھر پر حملہ آور ہوئے۔ آخر کار پیر کو اپنا گھربار چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔ ایسے حالات میں بھی پیر نے اپنا مشن جاری رکھا اور آپ کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ پیر فرماتے ہیں:

تختۂ کشتی نوحم بخراسان در
لاجرم ہیچ خطر نیست ز طوفانم [17]

"میں خراسان میں نوح کی کشتی کے عرشے کی مثال ہوں الغرض مجھے طوفان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

نیز کہتے ہیں:

ای سرمایۂ ہر نصرت مستنصر
من اسیرِ غلبۂ لشکرِ شیطانم [18]

"اے مستنصر (امامِ زمانؑ) تو ہر کامیابی کا سرمایہ ہے میں شیطان کی فوج کا قیدی بنا ہوا ہوں۔"

سیّدنا ناصر خسروؒ پر غزنویوں اور سلجوقیوں کی طرف سے جو ظلم کیا گیا اس کا اظہار پیر نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں کیا ہے۔ جب بلخ میں پیر کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تو آپ نے وہاں سے یمگان کی طرف ہجرت کی۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کا امیر علی ابنِ اسد اسماعیلی تھا۔ اس نے پیر کی آؤ بھگت کی اور آپ کی تمام تصنیفات یہاں مکمل ہوئیں۔ اگرچہ پیر کو اپنی جلاوطنی پر بہت دکھ تھا لیکن آپ کی نظر میں امامِ زمانؑ کی دوستی کے مقابلے میں وطن کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ پیر فرماتے ہیں:

دوستی عترت و خانۂ رسولؐ

کرد مرا یمگی و ماژندری [19]

یعنی "رسولؐ کے اہلبیت کی محبت نے مجھے یمگانی اور ماژندرانی بناد یا ہے"

یمگان میں سیّدنا کو امن و سکون کا ماحول ملا اور دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے پیر نے اس ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

ہر سال یکی کتاب دعوت

باطراف جہان ہمی فرستم [20]

یعنی "میں ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کر کے دنیا کے اطراف میں بھیجتا ہوں"

جب ہم بدخشان میں پیر ناصر خسروؒ کی آمد کا ذکر کرتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ چترال میں آپ کی دعوت کا بھی ایک مختصر جائزہ لیا جائے۔ چونکہ بعض مقامی روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ قیام یمگان کے دوران پیر موصوف کا گذر چترال سے بھی ہوا تھا اور قرائین سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ روایت عام ہے کہ حضرت پیر انجگان (لٹکوہ) میں گرم چشمہ کے مقام پر مقیم رہے ہیں۔ نیز آپ کی یاد میں یہاں ایک زیارت بھی ہے اور ہر سال پیر کے چلہ کشی کے حوالے سے ماہ جنوری کے آخری یا ماہ فروری کے پہلے ہفتے میں مقامی اسماعیلی پھتک کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں کیونکہ روایت کے مطابق پیر یہاں ایک غار میں چالیس دن تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرے خیال

میں اس روایت کے مطابق پیر کے یہاں آنے کو بعید از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یمگان ہندوکش پہاڑی سلسلے کا ایک درّہ ہونے کی وجہ سے چترال سے زیادہ دور نہیں ہے۔ دو تین دن کی مسافت طے کر کے پیر موصوف کا چترال آنا عین ممکن نظر آتا ہے۔

پیر کی زندگی کے آخری ایام کے حوالے سے ایک بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے سنہ ۱۰۶۱ء کے بعد اپنی پوری زندگی یمگان میں گذاری اور وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ مگر آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں ہیں البتہ جدید تحقیق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیر کی وفات غالباً سنہ ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء کو یمگان میں ہوئی۔ اور وہاں آپ کی زیارت بھی ہے لیکن اس میں کوئی تاریخ مکتوب نہیں ہے۔

سیّدنا کی جتنی تصانیف آج دستیاب ہیں سب کی سب آپ کے حجّتِ خراسان کے عظیم عہدے پر فائز ہونے کے بعد کی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ آغاز جوانی ہی سے لکھنے پڑھنے اور شعرو شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اس دوران یقیناً تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں۔ وہ تصانیف جن کے حوالے پیر کی دستیاب کتابوں میں موجود ہیں وہ بھی ساری دستیاب نہیں ہیں۔ بہر حال جو کتب اس وقت دستیاب ہیں ان میں روشنائی نامہ، ششش فصل، سفرنامہ، وجہ دین، گشائش و رہائش، خوان الاخوان، زاد المسافرین، جامع الحکمتین اور دیوانِ اشعار شامل ہیں۔ ان کتابوں میں پیر نے مختلف موضوعات

نہیں ہوسکا۔ آخرکار یہ تشفی آپ کو دعوتِ آلِ رسولؐ سے نصیب ہوئی۔ پیر فرماتے ہیں:

شفای جان ندیدم، ہیچ دانش
مگر از دعوتِ آلِ پیغمبر [۱۶]

یعنی "سوائے آلِ رسولؐ یعنی امام الزمانؑ کی دعوت کے میں نے کسی اور علم میں اس روحانی درد کا درماں نہیں دیکھا"۔

جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ جس دور میں پیر رہتے تھے اس وقت خراسان آپ کا آبائی وطن، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی لپیٹ میں تھا۔ اگرچہ غزنوی اور سلجوقی سیاسی طور پر ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر دونوں عبّاسی خلافت کے طرفدار تھے۔ اس لحاظ سے شیعوں اور بالخصوص اسماعیلیوں کا قتل عام کرتے ہیں ان کی پالیسی یکساں تھی۔ سلطان محمود غزنوی عبّاسی خلیفہ القادر کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ "عباسیوں کی وفاداری میں میں نے پوری دنیا میں قرمطیوں کی تلاش میں اپنی انگلی گھمائی۔ جہاں بھی وہ ملتے ہیں اور ان کی شناخت کی تصدیق ہوجاتی ہے ان کو فوراً تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے"۔ یہاں قرمطی سے مراد ان کی نظر میں اسماعیلی تھے۔ ایسے حالات میں پیر امام مستنصر باللہؑ کی طرف سے حجّتِ خراسان کی حیثیت سے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ۲۶ر جمادی الاوّل ۴۴۴ھ/ ۲۳ر اکتوبر ۱۰۵۲ء کو بلخ پہنچتے ہیں۔

پیر نے بلخ پہنچ کر دعوت کا کام پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھا۔ ایسے نامساعد حالات میں دعوت الحق کی تبلیغ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بہت تھوڑے وقت میں متعصّب

لوگ آپ کے لئے مشکلات پیدا کرنے لگے اور قرمطی، ملحد، رافضی جیسے نامناسب ناموں سے پکارنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ لوگ آپ کے گھر پر حملہ آور ہوئے۔ آخرکار پیر کو اپنا گھربار چھوڑ کر جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔ ایسے حالات میں بھی پیر نے اپنا مشن جاری رکھا اور آپ کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ پیر فرماتے ہیں:

تختۂ کشتی نوحم بخراسان در
لاجرم، ہیچ خطر نیست زطوفانم [۱۷]

"میں خراسان میں نوح کی کشتی کے عرشے کی مثال ہوں الغرض مجھے طوفان کا کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

نیز کہتے ہیں:

ای سرمایۂ ہر نصرت مستنصر
من اسیر غلبۂ لشکرِ شیطانم [۱۸]

"اے مستنصر (امام زمانؑ) تو ہر کامیابی کا سرمایہ ہے میں شیطان کی فوج کا قیدی بنا ہوا ہوں"۔

سیّد ناصر خسروؒ پر غزنویوں اور سلجوقیوں کی طرف سے جو ظلم کیا گیا اس کا اظہار پیر نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں کیا ہے۔ جب بلخ میں پیر کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہوگیا تو آپ نے وہاں سے یمگان کی طرف ہجرت کی۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کا امیر علی ابنِ اسد اسماعیلی تھا۔ اس نے پیر کی آؤ بھگت کی اور آپ کی تمام تصنیفات یہاں مکمل ہوئیں۔ اگرچہ پیر کو اپنی جلاوطنی پر بہت دکھ تھا لیکن آپ کی نظر میں امامِ زمانؑ کی دوستی کے مقابلے میں وطن کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ پیر فرماتے ہیں:

دوستی عترت و خانۂ رسولؐ

کرد مرا یمگی و ماژندری [19]

یعنی "رسولؐ کے اہلبیت کی محبت نے مجھے یمگانی اور ماژندرانی بناد یا ہے"

یمگان میں سیّدنا کو امن وسکون کا ماحول ملا اور دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے پیر نے اس ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

ہر سال یکی کتاب دعوت

باطراف جہاں ہمی فرستم [20]

یعنی " میں ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کرکے دنیا کے اطراف میں بھیجتا ہوں"

جب ہم بدخشان میں پیر ناصر خسروؒ کی آمد کا ذکر کرتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ چترال میں آپ کی دعوت کا بھی ایک مختصر جائزہ لیا جائے۔ چونکہ بعض مقامی روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ قیام یمگان کے دوران پیر موصوف کا گذر چترال سے بھی ہوا تھا اور قرائین سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ روایت عام ہے کہ حضرت پیر انجگان (لٹکوہ) میں گرم چشمہ کے مقام پر مقیم رہے ہیں۔ نیز آپ کی یاد میں یہاں ایک زیارت بھی ہے اور ہر سال پیر کے چلّہ کشی کے حوالے سے ماہ جنوری کے آخری یا ماہ فروری کے پہلے ہفتے میں مقامی اسماعیلی پھتک کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں کیونکہ روایت کے مطابق پیر یہاں ایک غار میں چالیس دن تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرے خیال

میں اس روایت کے مطابق پیر کے یہاں آنے کو بعید از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یمگان ہندوکش پہاڑی سلسلے کا ایک درّہ ہونے کی وجہ سے چترال سے زیادہ دور نہیں ہے۔ دو تین دن کی مسافت طے کرکے پیر موصوف کا چترال آنا عین ممکن نظر آتا ہے۔

پیر کی زندگی کے آخری ایام کے حوالے سے ایک بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے سنہ ۱۰۶۱ء کے بعد اپنی پوری زندگی یمگان میں گذاری اور وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ مگر آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں ہیں البتہ جدید تحقیق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیر کی وفات غالباً سنہ ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء کو یمگان میں ہوئی۔ اور وہاں آپ کی زیارت بھی ہے لیکن اس میں کوئی تاریخ مکتوب نہیں ہے۔

سیّدنا کی جتنی تصانیف آج دستیاب ہیں سب کی سب آپ کے حجّتِ خراسان کے عظیم عہدے پر فائز ہونے کے بعد کی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ آغاز جوانی ہی سے لکھنے پڑھنے اور شعر و شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اس دوران یقیناً تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں۔ وہ تصانیف جن کے حوالے پیر کی دستیاب کتابوں میں موجود ہیں وہ بھی ساری دستیاب نہیں ہیں۔ بہر حال جو کتب اس وقت دستیاب ہیں ان میں روشنائی نامہ، ششش فصل، سفرنامہ، وجہ دین، گشائش و رہائش، خوان الاخوان، زاد المسافرین، جامع الحکمتین اور دیوانِ اشعار شامل ہیں۔ ان کتابوں میں پیر نے مختلف موضوعات

پر قلم اٹھایا ہے ان سب پر بحث کرنا اس مقالے میں ممکن نہیں البتہ ان تمام کتب میں سے زاد المسافرین اور دیوان اشعار خصوصی اہمیّت کی حامل ہیں۔ زاد المسافرین کے بارے میں پیر خود فرماتے ہیں:

ز تصنیفات من زاد المسافر
کہ معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند
ثنا خوانند مرا خاکِ فلاطون [۲۱]

"میری تصنیفات میں سے کتاب زاد المسافرین عقلی علوم کے لئے اصل اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کتاب افلاطون کی قبر پر پڑھیں گے تو افلاطون کی بوسیدہ مٹی میری تعریف کرے گی۔"

سیّدنا کا دیوانِ اشعار اسماعیلی حقائق و تاویلات، امام شناسی، حبّ اہلِ بیت، اخلاقیات وغیرہ کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے بارے میں سیّد نصر اللہ تقوی نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ "اس میں آسمانی وحی کا مایہ ہے اور بلا مبالغہ ایرانی آثار میں عظیم ترین اثر اور اس کے دفترِ افتخار میں سرِ فہرست شمار ہوتا ہے۔"

پیر کی نایاب کتب میں سے چند یہ ہیں: دلیل المتحیّرین، المصباح، المفتاح، کتاب اختیار الامام و اختیار الایمان، عجائب الصنعہ، دیوانِ عربی، بستان العقول وغیرہ۔

پیر ایک عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں۔ غلام رضا آدانی لکھتے ہیں کہ "ناصر خسروؒ نہ صرف ایک اسماعیلی مشنری یا اسلامی

فلسفی کی حیثیت سے بولتے ہیں۔ بلکہ ایک ایسی شخصیت کہ جس کا پیغام ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے یکساں ہے۔"

ایڈورڈ۔ ای۔ جی۔ براؤن نے پیر کی شخصیت کا یوں جائزہ لیا ہے۔ "ناصر خسروؒ ان عظیم ترین اور بنیادی سمجھ والے لوگوں میں سے ایک ہیں۔ جنھوں نے اس دور میں یا درحقیقت کسی اور دور میں فارس میں جنم لیا ہو۔"

سیّد حُسین نصر یوں رقمطراز ہیں:

"دیوان کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ناصر خسروؒ بیک وقت ایک عظیم ماہرِ علمِ الٰہیات، فلسفی اور شاعر ہیں۔ اسلامی تاریخ اور حقیقتاً کسی اور تاریخ میں بہت کم شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے ایک وقت میں ان تمام شعبوں میں ایسا اعلیٰ مقام حاصل کیا ہو۔" فردوسی یونیورسٹی ایران کے وائس چانسلر کا خیال ہے کہ "ناصر خسروؒ ایک ایسا شخص ہے۔ جو ایرانی ادب، شاعری، سائنس اور فلسفہ میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ خالص فصاحت و بلاغت اور یقینِ محکم کے ساتھ شعر گوئی میں منفرد ہیں۔" جلال متینی کی رائے میں، "ناصر خسروؒ ایک ایسی شخصیت ہے جس کا شمار نہ صرف خراسان بلکہ پورے ایران کے منفرد اور بے مثال لوگوں میں ہوتا ہے۔" تہران یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے پیر کی شخصیت کا خاکہ اس طرح سے کھینچا ہے۔ "ناصر خسروؒ ایک عظیم شاعر، پُر نویس مصنّف، متفکّر فلسفی، عظیم سیّاح، بہادر اور ہنر مند مبلّغ ہیں۔ وہ ایران کے درخشاں چہروں میں سے ایک ہے۔" آذر آبادگان یونیورسٹی کے سربراہ کہتے ہیں کہ "فصیح و بلیغ حکیم ابو معین ناصر خسرو قبادیانی پانچویں

نہیں ہو سکا ۔ آخر کار یہ تشفی آپ کو دعوتِ آلِ رسولؐ سے نصیب ہوئی ۔ پیر فرماتے ہیں :

شفای جان ندیدم، ہیچ دانش
مگر از دعوتِ آلِ پیغمبرؐ [16]

یعنی "سوائے آلِ رسولؐ یعنی امام الزمانؑ کی دعوت کے میں نے کسی اور علم میں اس روحانی درد کا درماں نہیں دیکھا"۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جس دور میں پیر رہتے تھے اس وقت خراسان آپ کا آبائی وطن، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی لپیٹ میں تھا ۔ اگرچہ غزنوی اور سلجوقی سیاسی طور پر ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر دونوں عبّاسی خلافت کے طرفدار تھے ۔ اس لحاظ سے شیعوں اور بالخصوص اسماعیلیوں کا قتلِ عام کرنے میں ان کی پالیسی یکساں تھی ۔ سلطان محمود غزنوی عبّاسی خلیفہ القادر کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ "عباسیوں کی وفاداری میں میں نے پوری دنیا میں قرمطیوں کی تلاش میں اپنی انگلی گھمائی ۔ جہاں کہیں وہ ملتے ہیں اور ان کی شناخت کی تصدیق ہو جاتی ہے ان کو فوراً تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے"۔ یہاں قرمطی سے مراد ان کی نظر میں اسماعیلی تھے ۔ ایسے حالات میں پیر امام مستنصر باللہؑ کی طرف سے حجّتِ خراسان کی حیثیت سے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ۲۶ر جمادی الاول ۴۴۴ھ / ۲۳ر اکتوبر ۱۰۵۲ء کو بلخ پہنچتے ہیں ۔

پیر نے بلخ پہنچ کر دعوت کا کام پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھا ۔ ایسے نامساعد حالات میں دعوت الحق کی تبلیغ کوئی آسان کام نہیں تھا ۔ بہت تھوڑے وقت میں متعصّب

لوگ آپ کے لئے مشکلات پیدا کرنے لگے اور قرمطی، ملحد، رافضی جیسے نامناسب ناموں سے پکارنے لگے ۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ لوگ آپ کے گھر پر حملہ آور ہوئے ۔ آخر کار پیر کو اپنا گھربار چھوڑ کر جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی ۔ ایسے حالات میں بھی پیر نے اپنا مشن جاری رکھا اور آپ کے حوصلے پست نہیں ہوئے ۔ پیر فرماتے ہیں :

تختۂ کشتی نوحم بخراسان در
لاجرم ہیچ خطر نیست ز طوفانم [17]

" میں خراسان میں نوح کی کشتی کے عرشے کی مثال ہوں الغرض مجھے طوفان کا کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

نیز کہتے ہیں :

ای سرمایۂ ہر نصرت مستنصر
من اسیر غلبۂ لشکرِ شیطانم [18]

" اے مستنصر (امامِ زمانؑ) کو ہر کامیابی کا سرمایہ ہے میں شیطان کی فوج کا قیدی بنا ہوا ہوں"۔

سیّدنا ناصر خسروؒ پر غزنویوں اور سلجوقیوں کی طرف سے جو ظلم کیا گیا اس کا اظہار پیر نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں کیا ہے ۔ جب بلخ میں پیر کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تو آپ نے وہاں سے یمگان کی طرف ہجرت کی ۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کا امیر علی ابنِ اسد اسماعیلی تھا ۔ اس نے پیر کی آؤ بھگت کی اور آپ کی تمام تصنیفات یہاں مکمل ہوئیں ۔ اگرچہ پیر کو اپنی جلاوطنی پر بہت دکھ تھا لیکن آپ کی نظر میں امامِ زمانؑ کی دوستی کے مقابلے میں وطن کی کوئی حیثیت نہیں تھی ۔ پیر فرماتے ہیں :

دوستی عترت و خانۂ رسولؐ

کرد مرا یمگی و ماژندری [19]

یعنی "رسولؐ کے اہلبیت کی محبت نے مجھے یمگانی اور ماژندرانی بنادیا ہے"

یمگان میں سیّدنا کو امن و سکون کا ماحول ملا اور دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے پیر نے اس ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

ہر سال یکی کتاب دعوت

باطراف جہان ہمی فرستم [20]

یعنی "میں ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کرکے دنیا کے اطراف میں بھیجتا ہوں"

جب ہم بدخشان میں پیر ناصر خسروؒ کی آمد کا ذکر کرتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ چترال میں آپ کی دعوت کا بھی ایک مختصر جائزہ لیا جائے۔ چونکہ بعض مقامی روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ قیام یمگان کے دوران پیر موصوف کا گذر چترال سے بھی ہوا تھا اور قرائین سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ روایت عام ہے کہ حضرت پیر انجگان (لٹکوہ) میں گرم چشمہ کے مقام پر مقیم رہے ہیں۔ نیز آپ کی یاد میں یہاں ایک زیارت بھی ہے اور ہر سال پیر کے چلہ کشی کے حوالے سے ماہ جنوری کے آخری یا ماہ فروری کے پہلے ہفتے میں مقامی اسماعیلی پھتک کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں کیونکہ روایت کے مطابق پیر یہاں ایک غار میں چالیس دن تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرے خیال

میں اس روایت کے مطابق پیر کے یہاں آنے کو بعید از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یمگان ہندوکش پہاڑی سلسلے کا ایک درّہ ہونے کی وجہ سے چترال سے زیادہ دور نہیں ہے۔ دو تین دن کی مسافت طے کرکے پیر موصوف کا چترال آنا عین ممکن نظر آتا ہے۔

پیر کی زندگی کے آخری ایام کے حوالے سے ایک بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے سنہ ۱۰۶۱ء کے بعد اپنی پوری زندگی یمگان میں گذاری اور وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ مگر آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں ہیں البتہ جدید تحقیق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیر کی وفات غالباً سنہ ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء کو یمگان میں ہوئی۔ اور وہاں آپ کی زیارت بھی ہے لیکن اس میں کوئی تاریخ مکتوب نہیں ہے۔

سیّدنا کی جتنی تصانیف آج دستیاب ہیں سب کی سب آپ کے حجتِ خراسان کے عظیم عہدے پر فائز ہونے کے بعد کی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ آغاز جوانی ہی سے لکھنے پڑھنے اور شعر و شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اس دوران یقیناً تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں۔ وہ تصانیف جن کے حوالے پیر کی دستیاب کتابوں میں موجود ہیں وہ بھی ساری دستیاب نہیں ہیں۔ بہر حال جو کتب اس وقت دستیاب ہیں ان میں روشنائی نامہ، شش فصل، سفرنامہ، وجہ دین، گشائش و رہائش، خوان الاخوان، زاد المسافرین، جامع الحکمتین اور دیوانِ اشعار شامل ہیں۔ ان کتابوں میں پیر نے مختلف موضوعات

پر قلم اٹھایا ہے ان سب پر بحث کرنا اس مقالے میں ممکن نہیں البتہ ان تمام کتب میں سے زاد المسافرین اور دیوان اشعار خصوصی اہمیّت کی حامل ہیں۔ زاد المسافرین کے بارے میں پیر خود فرماتے ہیں:

ز تصنیفات من زاد المسافر
کہ معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند
ثنا خوانند مرا خاکِ فلاطون [۲۱]

" میری تصنیفات میں سے کتاب زاد المسافرین عقلی علوم کے لئے اصل اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کتاب افلاطون کی قبر پر پڑھیں گے تو افلاطون کی بوسیدہ مٹی میری تعریف کرے گی "۔

سیّدنا کا دیوانِ اشعار اسماعیلی حقائق و تاویلات، امام شناسی، حبّ اہلِ بیت، اخلاقیات وغیرہ کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے بارے میں سیّد نصر اللہ تقوی نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ " اس میں آسمانی وحی کا مایہ ہے اور بلا مبالغہ ایرانی آثار میں عظیم ترین اثر اور اس کے دفترِ افتخار میں سرِ فہرست شمار ہوتا ہے "۔

پیر کی نایاب کتب میں سے چند یہ ہیں: دلیل المتحیّرین، المصباح، المفتاح، کتاب اختیار الامام و اختیار الایمان، عجائب الصنعہ، دیوانِ عربی، بستان العقول وغیرہ۔

پیر ایک عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں۔ غلام رضا آدانی لکھتے ہیں کہ " ناصر خسروؒ نہ صرف ایک اسماعیلی مشنری یا اسلامی

فلسفی کی حیثیت سے بولتے ہیں۔ بلکہ ایک ایسی شخصیت کہ جس کا پیغام ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے یکساں ہے۔

ایڈورڈ۔ ای۔ جی۔ براؤن نے پیر کی شخصیت کا یوں جائزہ لیا ہے۔ " ناصر خسروؒ ان عظیم ترین اور بنیادی سمجھ والے لوگوں میں سے ایک ہیں۔ جنھوں نے اس دور میں یا درحقیقت کسی اور دور میں فارس میں جنم لیا ہو "۔

سیّد حُسین نصر یوں رقمطراز ہیں:

" دیوان کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ناصر خسروؒ بیک وقت ایک عظیم ماہرِ علم الٰہیات، فلسفی اور شاعر ہیں۔ اسلامی تاریخ اور حقیقتاً کسی اور تاریخ میں بہت کم شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے ایک وقت میں ان تمام شعبوں میں ایسا اعلیٰ مقام حاصل کیا ہو "۔ فردوسی یونیورسٹی ایران کے وائس چانسلر کا خیال ہے کہ " ناصر خسروؒ ایک ایسا شخص ہے۔ جو ایرانی ادب، شاعری، سائنس اور فلسفہ میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ خالص فصاحت و بلاغت اور یقینِ محکم کے ساتھ شعر گوئی میں منفرد ہیں "۔ جلال متینی کی رائے ہیں، " ناصر خسروؒ ایک ایسی شخصیت ہے جس کا شمار نہ صرف خراسان بلکہ پورے ایران کے منفرد اور بے مثال لوگوں میں ہوتا ہے "۔ تہران یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے پیر کی شخصیت کا خاکہ اس طرح سے کھینچا ہے۔ " ناصر خسروؒ ایک عظیم شاعر، پُر نویس مصنّف، متفکر فلسفی، عظیم سیّاح، بہادر اور ہنر مند مبلّغ ہیں۔ وہ ایران کے درخشاں چہروں میں سے ایک ہے "۔ آذر آبادگان یونیورسٹی کے سربراہ کہتے ہیں کہ " فصیح و بلیغ حکیم ابو معین ناصر خسرو قبادیانی پانچویں

صدی ہجری ایران کی ممتاز علمی اور ادبی شخصیات میں سے ایک ہیں" اور پہلوی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے الفاظ میں " حکیم ابو معین ناصر خسروؒ قبادیانی ایک ایسی شخصیت ہے۔ جس نے اپنی شاندار زبان، اعلیٰ کردار اور وزنی سخن سے فارسی زبان کو ایک مخصوص شان و شوکت بخشی ہے۔"

میرے خیال میں چند چیزیں ایسی ہیں جو پیر کی شخصیت کو منفرد بناتی ہیں۔ پہلی چیز جو پیر کی شخصیت میں نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ اپنے مقصد کا تعین کرتے ہیں تو اس میں ابہام نہیں ہوتا۔ آپ کی شخصیت کا دوسرا اہم ترین پہلو آپ کا مصمم ارادہ ہے۔ آپ اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں آنے والی تمام مشکلات کو بطور چیلنج لیتے ہیں اور اپنے مقصد سے کبھی نہیں ہٹتے ہیں۔ اور سیدنا کی شخصیت کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ انتہائی مجبوری کے وقت بھی کسی پر انحصار نہیں کرتے ہیں مثلاً اپنے سفر کے دوران جب آپ کے پاس سفر کے لئے خرچہ ختم ہوتا ہے تو آپ مختلف کاموں کو اپنے لئے ذریعۂ معاش بناتے ہیں۔ جب آپ بحر احمر کے ساحل بندر سودان کے ایک گاؤں عیذاب پہنچتے ہیں تو آپ چند ماہ خطیب شہر کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اور آپ ایک اچھے نقاش بھی تھے۔ اور بوقت ضرورت نقش و نگاری کو اپنے لئے ذریعۂ معاش بنایا۔ مختصر یہ کہ پیر ایک عالمی شخصیت کے مالک ہیں اس پر جتنی بھی سیاہی خرچ کی جائے کم ہے۔

حوالہ جات

۱-	دیوان	ص	۱۷۳
۲-	"	ص	۲۸۹
۳-	"	ص	۲۸۷
۴-	"	ص	۱۹۰
۵-	"	ص	(۵۳۲-۵۳۱)
۶-	"	ص	۱۸۵
۷-	سفرنامہ	ص	۱۱۰
۸-	"	ص	۲
۹-	دیوان	ص	۱۷۲
۱۰-	"	ص	۱۷۳
۱۱-	"	ص	۱۷۳
۱۲-	"	ص	۱۷۴
۱۳-	"	ص	۱۷۶-۱۷۴
۱۴-	"	ص	۱۷۶
۱۵-	"	ص	۲۷۳
۱۶-	"	ص	۱۸۵
۱۷-	"	ص	۲۸۳
۱۸-	"	ص	۲۸۳
۱۹-	"	ص	۴۱۳
۲۰-	"	ص	۲۹۸
۲۱-	"	ص	۳۳۰

نہیں ہو سکا۔ آخر کار یہ تشفی آپ کو دعوتِ آلِ رسولؐ سے نصیب ہوئی۔ پیر فرماتے ہیں:

شفای جان ندیدم، ہیچ دانش
مگر از دعوتِ آلِ پیغمبرؐ [16]

یعنی "سوائے آلِ رسولؐ یعنی امام الزمانؑ کی دعوت کے میں نے کسی اور علم میں اس روحانی درد کا درماں نہیں دیکھا"۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جس دور میں پیر رہتے تھے اس وقت خراسان آپ کا آبائی وطن، مذہبی اور سیاسی اختلافات کی لپیٹ میں تھا۔ اگرچہ غزنوی اور سلجوقی سیاسی طور پر ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر دونوں عبّاسی خلافت کے طرفدار تھے۔ اس لحاظ سے شیعوں اور بالخصوص اسماعیلیوں کا قتلِ عام کرنے میں ان کی پالیسی یکساں تھی۔ سلطان محمود غزنوی عبّاسی خلیفہ القادر کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ "عباسیوں کی وفاداری میں میں نے پوری دنیا میں قرمطیوں کی تلاش میں اپنی انگلی گھمائی۔ جہاں کہیں وہ ملتے ہیں اور ان کی شناخت کی تصدیق ہو جاتی ہے ان کو فوراً تختۂ دار پر لٹکایا جاتا ہے"۔ یہاں قرمطی سے مراد ان کی نظر میں اسماعیلی تھے۔ ایسے حالات میں پیر امام مستنصر باللہؑ کی طرف سے حجّتِ خراسان کی حیثیت سے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ۲۶ رجمادی الاوّل ۴۴۴ھ/ ۲۳ر اکتوبر ۱۰۵۲ء کو بلخ پہنچتے ہیں۔

پیر نے بلخ پہنچ کر دعوت کا کام پوری تندہی کے ساتھ جاری رکھا۔ ایسے نامساعد حالات میں دعوت الحق کی تبلیغ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بہت تھوڑے وقت میں متعصّب

لوگ آپ کے لئے مشکلات پیدا کرنے لگے اور قرمطی، ملحد، رافضی جیسے نامناسب ناموں سے پکارنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ لوگ آپ کے گھر پر حملہ آور ہوئے۔ آخر کار پیر کو اپنا گھر بار چھوڑ کر جلاوطنی کی زندگی گزارنی پڑی۔ ایسے حالات میں بھی پیر نے اپنا مشن جاری رکھا اور آپ کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ پیر فرماتے ہیں:

تختۂ کشتی نوحم بخراسان در
لاجرم، ہیچ خطر نیست ز طوفانم [17]

"میں خراسان میں نوح کی کشتی کے عرشے کی مثال ہوں الغرض مجھے طوفان کا کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

نیز کہتے ہیں:

ای سرمایۂ ہر نصرت مستنصر
من اسیر غلبۂ لشکرِ شیطانم [18]

"اے مستنصر (امامِ زمانؑ) کو ہر کامیابی کا سرمایہ ہے میں شیطان کی فوج کا قیدی بنا ہوا ہوں"۔

سیّدنا ناصر خسروؒ پر غزنویوں اور سلجوقیوں کی طرف سے جو ظلم کیا گیا اس کا اظہار پیر نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں کیا ہے۔ جب بلخ میں پیر کے لئے زندگی گزارنا دشوار ہو گیا تو آپ نے وہاں سے یمگان کی طرف ہجرت کی۔ کہتے ہیں کہ بدخشان کا امیر علی ابنِ اسد اسماعیلی تھا۔ اس نے پیر کی آؤ بھگت کی اور آپ کی تمام تصنیفات یہاں مکمل ہوئیں۔ اگرچہ پیر کو اپنی جلاوطنی پر بہت دکھ تھا لیکن آپ کی نظر میں امامِ زمانؑ کی دوستی کے مقابلے میں وطن کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ پیر فرماتے ہیں:

دوستی عترت و خانۂ رسولؐ

کرد مرا یمگی و ماژندری [19]

یعنی "رسولؐ کے اہلبیت کی محبت نے مجھے یمگانی اور ماژندرانی بناد یا ہے"

یمگان میں سیّدنا کو امن و سکون کا ماحول ملا اور دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے پیر نے اس ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

ہر سال یکی کتاب دعوت

باطراف جہان ہمی فرستم [20]

یعنی "میں ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کرکے دنیا کے اطراف میں بھیجتا ہوں"

جب ہم بدخشان میں پیر ناصر خسروؒ کی آمد کا ذکر کرتے ہیں تو مناسب ہوگا کہ چترال میں آپ کی دعوت کا بھی ایک مختصر جائزہ لیا جائے۔ چونکہ بعض مقامی روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ قیام یمگان کے دوران پیر موصوف کا گذر چترال سے بھی ہوا تھا اور قرائین سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ روایت عام ہے کہ حضرت پیر انجگان (لٹکوہ) میں گرم چشمہ کے مقام پر مقیم رہے ہیں۔ نیز آپ کی یاد میں یہاں ایک زیارت بھی ہے اور ہر سال پیر کے چلہ کشی کے حوالے سے ماہ جنوری کے آخری یا ماہ فروری کے پہلے ہفتے میں مقامی اسماعیلی پھتک کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں کیونکہ روایت کے مطابق پیر یہاں ایک غار میں چالیس دن تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرے خیال

میں اس روایت کے مطابق پیر کے یہاں آنے کو بعید از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یمگان ہندوکش پہاڑی سلسلے کا ایک درّہ ہونے کی وجہ سے چترال سے زیادہ دور نہیں ہے۔ دو تین دن کی مسافت طے کرکے پیر موصوف کا چترال آنا عین ممکن نظر آتا ہے۔

پیر کی زندگی کے آخری ایام کے حوالے سے ایک بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے سنہ ۱۰۶۱ء کے بعد اپنی پوری زندگی یمگان میں گذاری اور وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ مگر آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں ہیں البتہ جدید تحقیق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیر کی وفات غالباً سنہ ۴۸۱ھ/سنہ ۱۰۸۸ء کو یمگان میں ہوئی۔ اور وہاں آپ کی زیارت بھی ہے لیکن اس میں کوئی تاریخ مکتوب نہیں ہے۔

سیّدنا کی جتنی تصانیف آج دستیاب ہیں سب کی سب آپ کے حجّتِ خراسان کے عظیم عہدے پر فائز ہونے کے بعد کی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ آغاز جوانی ہی سے لکھنے پڑھنے اور شعر و شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اس دوران یقیناً تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں۔ وہ تصانیف جن کے حوالے پیر کی دستیاب کتابوں میں موجود ہیں وہ بھی ساری دستیاب نہیں ہیں۔ بہر حال جو کتب اس وقت دستیاب ہیں ان میں روشنائی نامہ، ششش فصل، سفرنامہ، وجہ دین، گشائش و رہائش، خوان الاخوان، زاد المسافرین، جامع الحکمتین اور دیوانِ اشعار شامل ہیں۔ ان کتابوں میں پیر نے مختلف موضوعات

پر قلم اٹھایا ہے ان سب پر بحث کرنا اس مقالے میں ممکن نہیں البتہ ان تمام کتب میں سے زاد المسافرین اور دیوان اشعار خصوصی اہمیّت کی حامل ہیں۔ زاد المسافرین کے بارے میں پیر خود فرماتے ہیں:

ز تصنیفات من زاد المسافر
کہ معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند
ثنا خوانند مرا خاکِ فلاطون [۲۱]

"میری تصنیفات میں سے کتاب زاد المسافرین عقلی علوم کے لئے اصل اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کتاب افلاطون کی قبر پر پڑھیں گے تو افلاطون کی بوسیدہ مٹی میری تعریف کرے گی۔"

سیّدنا کا دیوانِ اشعار اسماعیلی حقائق و تاویلات، امام شناسی، حبّ اہلِ بیت، اخلاقیات وغیرہ کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے بارے میں سیّد نصراللہ تقوی نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ "اس میں آسمانی وحی کا مایہ ہے اور بلا مبالغہ ایرانی آثار میں عظیم ترین اثر اور اس کے دفترِ افتخار میں سرِ فہرست شمار ہوتا ہے۔"

پیر کی نایاب کتب میں سے چند یہ ہیں: دلیل المتحیّرین، المصباح، المفتاح، کتاب اختیار الامام و اختیار الایمان، عجائب الصنعہ، دیوانِ عربی، بستان العقول وغیرہ۔

پیر ایک عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں۔ غلام رضا آدانی لکھتے ہیں کہ "ناصر خسروؒ نہ صرف ایک اسماعیلی مشنری یا اسلامی

فلسفی کی حیثیت سے بولتے ہیں۔ بلکہ ایک ایسی شخصیت کہ جس کا پیغام ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے یکساں ہے۔ ایڈورڈ۔ ای۔ جی۔ براؤن نے پیر کی شخصیت کا یوں جائزہ لیا ہے۔ "ناصر خسروؒ ان عظیم ترین اور بنیادی سمجھ والے لوگوں میں سے ایک ہیں۔ جنھوں نے اس دور میں یا درحقیقت کسی اور دور میں فارس میں جنم لیا ہو"۔

سیّد حُسین نصر یوں رقمطراز ہیں:

"دیوان کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ناصر خسروؒ بیک وقت ایک عظیم ماہرِ علمِ الٰہیات، فلسفی اور شاعر ہیں۔ اسلامی تاریخ اور حقیقتاً کسی اور تاریخ میں بہت کم شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے ایک وقت میں ان تمام شعبوں میں ایسا اعلیٰ مقام حاصل کیا ہو۔" فردوسی یونیورسٹی ایران کے وائس چانسلر کا خیال ہے کہ "ناصر خسروؒ ایک ایسا شخص ہے۔ جو ایرانی ادب، شاعری، سائنس اور فلسفہ میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ خالص فصاحت و بلاغت اور یقینِ محکم کے ساتھ شعر گوئی میں منفرد ہیں۔" جلال متینی کی رائے ہیں، "ناصر خسروؒ ایک ایسی شخصیت ہے جس کا شمار نہ صرف خراسان بلکہ پورے ایران کے منفرد اور بے مثال لوگوں میں ہوتا ہے۔" تہران یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے پیر کی شخصیت کا خاکہ اس طرح سے کھینچا ہے۔ "ناصر خسروؒ ایک عظیم شاعر، پُر نویس مصنّف، متفکر فلسفی، عظیم سیّاح، بہادر اور ہنر مند مبلّغ ہیں۔ وہ ایران کے درخشاں چہروں میں سے ایک ہے۔" آذر آبادگان یونیورسٹی کے سربراہ کہتے ہیں کہ "فصیح و بلیغ حکیم ابو معین ناصر خسرو قبادیانی پانچویں

صدی ہجری ایران کی ممتاز علمی اور ادبی شخصیات میں سے ایک ہیں" اور پہلوی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے الفاظ میں " حکیم ابو معین ناصر خسرو قبادیانی ایک ایسی شخصیت ہے۔ جس نے اپنی شاندار زبان، اعلیٰ کردار اور وزنی سخن سے فارسی زبان کو ایک مخصوص شان و شوکت بخشی ہے"۔

میرے خیال میں چند چیزیں ایسی ہیں جو پیر کی شخصیت کو منفرد بناتی ہیں۔ پہلی چیز جو پیر کی شخصیت میں نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ اپنے مقصد کا تعین کرتے ہیں تو اس میں ابہام نہیں ہوتا۔ آپ کی شخصیت کا دوسرا اہم ترین پہلو آپ کا مصمم ارادہ ہے۔ آپ اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں آنے والی تمام مشکلات کو بطور چیلنج لیتے ہیں اور اپنے مقصد سے کبھی نہیں ہٹتے ہیں۔ اور سیدنا کی شخصیت کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ انتہائی مجبوری کے وقت بھی کسی پر انحصار نہیں کرتے ہیں مثلاً اپنے سفر کے دوران جب آپ کے پاس سفر کے لئے خرچہ ختم ہوتا ہے تو آپ مختلف کاموں کو اپنے لئے ذریعۂ معاش بناتے ہیں۔ جب آپ بحر احمر کے ساحل بندر سودان کے ایک گاؤں عیذاب پہنچتے ہیں تو آپ چند ماہ خطیب شہر کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اور آپ ایک اچھے نقاش بھی تھے۔ اور بوقت ضرورت نقش و نگاری کو اپنے لئے ذریعۂ معاش بنایا۔ مختصر یہ کہ پیر ایک عالمی شخصیت کے مالک ہیں اس پر جتنی بھی سیاہی خرچ کی جائے کم ہے۔

حوالہ جات

۔۱	دیوان	ص	۱۷۳
۔۲	"	ص	۲۸۹
۔۳	"	ص	۲۸۷
۔۴	"	ص	۱۹۰
۔۵	"	ص	(۵۳۱-۵۳۲)
۔۶	"	ص	۱۸۵
۔۷	سفرنامہ	ص	۱۱۰
۔۸	"	ص	۲
۔۹	دیوان	ص	۱۷۲
۔۱۰	"	ص	۱۷۳
۔۱۱	"	ص	۱۷۳
۔۱۲	"	ص	۱۷۴
۔۱۳	"	ص	۱۷۴-۱۷۶
۔۱۴	"	ص	۱۷۶
۔۱۵	"	ص	۲۷۳
۔۱۶	"	ص	۱۸۵
۔۱۷	"	ص	۲۸۳
۔۱۸	"	ص	۲۸۳
۔۱۹	"	ص	۴۱۳
۔۲۰	"	ص	۲۹۸
۔۲۱	"	ص	۳۳۰

کتابیات

- ★ Browne, Edward G., A Literary History of Persia, Vol. II Cambridge University Press, 1964.
- ★ The Cambridge History of Iran Vol. 4, Edited by R.N. Frye, Cambridge University Press, 1975.
- ★ Forty Poems from the Divan, Edited by Seyyed Hossein Nasr, Imperial Iranian Academy of Philosophy, Tehran, 1977.
- ★ Ivanow, W., Problems in Nasir-i-Khusraw's Biography, The Ismaili Society, Bombay, 1956.
- ★ Ivanow, W., Ismaili Literature, Tehran University Press, 1963.
- ★ Wajh-i-Din by Nasir-i-Khusraw, Edited with Commentary and Introduction by G.R. Aavani, English preface by Seyyed Hossein Nasr.
- ★ Poonawala, Ismail K., Bibliography of Ismaili Literature, University of California, 1977.
- ★ Yad-Name-ye Nasir-i- Khusraw, Firdowsi University, Mashhad, 1976

- خواجہ محمد الطاف حسین حالی، مقدمہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو، مجلس ترقی ادب لاہور
- فقیر محمد ہنزائی، سیدنا حکیم ناصر خسرو علوی، ہز ہائی نس پرنس آغا خان شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان، کراچی ۱۹۷۴ء
- دیوان اشعار، حکیم ابو معین ناصر بن خسرو قبادیانی، تصحیح آقای حاجی سید نصراللہ تقوی، تہران۔
- آقای تقی زادہ، مقدمہ دیوان اشعار حکیم ابو معین حمید الدین ناصر بن خسرو قبادیانی، تصحیح آقای حاجی سید نصراللہ تقوی، تہران۔
- سفرنامہ حکیم ناصر خسرو قبادیانی مروزی با حواشی تعلیقات و فہارس اعلام تاریخی و جغرافیائی و لغات بہ کوشش دکتر محمد دبیر سیاقی۔ کتابفروشی زوّار۔

اہلبیتؑ کے لئے پیر ناصرِ خسروؒ کی محبّت

(تحریر: عالیجاہ فدا علی ایثار ہنزوی (فاضل فارسی)

سیّدنا پیر ناصرِ خسروؒ کی کتابِ زندگی کو دو ابواب پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا باب آپ کی مادّی زندگی کی شہرت کا باب ہے۔ جس میں آپ نے اپنی مادّی زندگی کو نقطۂ عروج تک پہنچایا۔ جس میں علم و دانش، فضل و کمال، مال و منال اور جاہ و جلال سب ہی شامل ہیں۔ جبکہ آپ کی کتابِ زندگی کا دوسرا باب، آپ کی روحانی اور دینی زندگی کے عروج و کمال کا باب ہے۔ جس میں توحید و نبوّت اور امامت کے عقیدے میں پختگی، اسلام کے آفاقی اصولوں سے آگاہی اور بالخصوص محبّت اہلبیت اور ان کی دعوت الحق سے وابستگی شامل ہیں۔ درحقیقت آپ نے اپنی زندگی کے اسی دوسرے باب ہی کو حاصلِ زندگی قرار دیا ہے۔

جس طرح آپ کی مادّی زندگی کی شہرت کا سبب آپ کا اکتسابی علم و دانش، فہم و فراست اور امور سیاست و ریاست میں مہارت تھی۔ اسی طرح آپ کی روحانی زندگی کے عروج و کمال کا باعث اہلبیتِ رسول کے لئے آپ کے دل میں موجزن ہونے والی مخلصانہ عقیدت و محبّت تھی، جس نے اگر ایک طرف سے آپ کی مادّی زندگی کی راہ میں مصائب و مزاحم کے پہاڑ حائل کر دیئے تو دوسری طرف سے آپ کو اُس شہرتِ دوام یا حیات سرمدی سے بھی ہمکنار کر دیا، جس کا کوئی آدمی تصوّر بھی نہیں

کر سکتا ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں آپ کی زندگی کے دونوں ابواب پر آپ کے کلام کے حوالے سے قلم اٹھایا گیا ہے تاکہ سامعین و قارئین محترم کے لئے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو کہ سیدنا پیر ناصر خسروؒ جیسے مردِ حق نے محبتِ اہلبیت کی راہ عقل و شعور کی روشنی میں اختیار کی تھی اور آپ اس امر سے بھی خوب آشنا تھے کہ محبتِ اہلبیت کو اپنانے کی صورت میں آپ کیا کچھ کھونے اور کیا کچھ پانے والے ہیں۔

یہ درست ہے کہ پیر ناصر خسروؒ کے لئے ان کی زندگی کے پہلے باب میں مادی آسائش و راحت کے تمام وسائل فراہم تھے۔ آپ خاندان" آزادگانؒ" کے چشم و چراغ تھے۔ جیساکہ خود فرماتے ہیں۔

من از نسل پاک آزادگانم : نہ گفتم کہ شاپور بن اردشیرم

"میں قوم" آزادگانؒ" کا فرزند ہوں۔ میں نے کبھی یہ نہیں کہا ہے کہ اردشیر کا بیٹا شاہ پور ہوں"

" آپ سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سُلطان مسعود کے دربار کے علاوہ سلجوقیوں کے دربار سے بھی منسلک تھے۔ اور سلطان ابو سلیمان جغری بیگ کے عہدِ سلطنت میں سیکرٹری مالیات کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اس اعتبار سے لوگوں کے دلوں میں آپ کا وقار اس قدر جاگزین تھا کہ احتراماً آپ کو نام سے نہیں، ادیب اور فاضل دبیر کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا" جس کی جانب آپ خود اپنے دیوان اشعار میں اشارہ کرتے ہیں۔

ہمان ناصرم من کہ خالی نبود : ز من مجلس میر و صدر و وزیر
بنامم نخواندی کس از بس شرف : ادیبم لقب بود و فاضل دبیر

"یعنی میں وہی ناصر ہوں کہ اُمراء و رؤساء کی محفل میری حاضری سے خالی نہیں رہتی تھی کوئی بھی مجھے صرف نام سے یاد نہیں کرتا تھا بلکہ انتہائی عزّت و احترام سے ادیب اور فاضل دبیر کے لقب سے یاد کرتا تھا"

پیر ناصر خسروؒ کو حکومتِ وقت کے ایوان میں یہ عزّت و احترام جہاں آپ کے خاندانی اثر و رسوخ کی بدولت حاصل رہا وہاں آپ کی ذاتی صلاحیتوں کا بھی عمل دخل رہا کیونکہ آپ اپنی جوانی کے ابتدائی سالوں تک تمام مروّجہ علوم میں یدِطولیٰ حاصل کر چکے تھے اور علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس پر آپ کو دستگاہ حاصل نہ رہا ہو۔ جیساکہ آپ خود ہی فرماتے ہیں۔

ہر لوعی کہ بشنیدم ز دانش : نشستم بر درِ او من مجاور
نماند از ہیچ گون دانش کہ من زاں : نہ کردم استفادت بیش و کمتر

" یعنی جس قسم کے علم کے بارے میں کبھی میں نے سنا تو جاکے میں اُس علم کے در کا مجاور بنا۔ مجھ سے کوئی ایسا علم (باقی) نہ رہا ہے جس سے میں نے کم و بیش فائدہ نہ اٹھایا ہو"

غرضیکہ آپ کسی ایک شعبۂ علم میں نہیں بلکہ تمام اصنافِ علوم میں سر برآوردۂ روزگار تھے۔ جس کا دعویٰ آپ نے خود فرمایا ہے۔

کسی کو با من اندر علم و حکمت ہمبری جوید
چنان باشد کہ گِلِ برآفتابِ روشن اندلید

" یعنی جو شخص علم و حکمت کے میدان میں میرے ساتھ برابری کا دعویٰ کرے اس کا یہ دعویٰ ایسا ہے جیساکہ کوئی روشن سورج کے منہ پر گارا مَل رہا ہو"

آپ کے تبحرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ اپنی عمر کے چوالیسویں

سال تک ایک متبحّر عالم، زبردست مناظر، مستند فقیہ، اعلیٰ مفکّر، عظیم فیلسوف، بلند پایہ طبیب، ماہر فلکیات، نامور شاعر اور فکر انگیز مصنّف تھے اور گرد و نواح کے تمام دیار و امصار میں آپ کی علمی شہرت کا ڈنکا بج چکا تھا لیکن تمام اصنافِ علوم پر اس قدر دستگاہ حاصل ہونے کے باوجود آپ اکتسابی علوم کے اس تبحّر پر قانع نہیں تھے۔ آپ کا دلِ دانا اور ذہنِ رسا بچپن ہی سے حقیقت کی راہ میں متجسّس تھا۔ آپ نے قرآن و حدیث اور کتابِ فطرت کے مشاہدے سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ زمانہ ایک ایسی کامل ترین ہستی کے وجودِ مسعود سے ہرگز خالی نہیں جو باری تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی طرف سے ہر قوم اور ہر فرد کو اس کی حقداری کے مطابق ہدایت کرے۔ یہ ایک تڑپ تھی جو سنِ شعور کے بعد آپ کو اس حقیقت کی تلاش و تجسّس کے لئے اُکساتی تھی، ایک دن ایسا بھی آیا کہ آپ کو ایک خواب کے ذریعے مغرب کی طرف سفر کا اشارۂ غیبی ملا"۔

اب اس خواب نے آپ کے جذبۂ تلاشِ حقیقت کے سمندِ تیز گام پر تازیانہ کا کام کیا اور ایک نئے عزم و ارادے کے ساتھ اس حقیقت کی جستجو میں عملاً قدم اٹھایا جس کے حصول کے لئے ایک عرصے سے بیقرار تھے۔ آپ کا یہ اقدام ایک سات سالہ طویل سفر پر منتج ہوا اور بالآخر مصر جا کر آپ اس حقیقت کو پانے میں کامیاب ہو گئے جیسا کہ خواب میں مغرب کی طرف اشارہ کر کے "جوئندہ یابندہ" کی نوید ملی تھی۔ آپ نے مصر کے فاطمی خلیفہ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السّلام کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے عملی طور پر اہلبیت کی محبّت کا قلادہ پہن لیا

جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔

داغِ مستنصر باللہ نہادستم : بر بر و سینہ بر پہنۂ پیشانی

"میں نے حضرت امام مستنصر باللہؑ (کی محبّت) کا داغ اپنے جسم، سینہ اور پیشانی کی فراخی پر لگایا ہے"۔

یہ پہلا دن تھا کہ آپ نے اہلبیتِ رسولؐ کی محبّت کی راہ میں جس کو قرآن مجید نے اجرِ رسالت قرار دیا ہے مادّی اور دنیاوی جاہ و حشم اور ظاہری مال و دولت کو ٹھکرا دیا اور ایک ایسا سودا کیا جس میں مادّی لحاظ سے خسارا ضرور تھا لیکن روحانی اور دینی اعتبار سے یہ بڑا سود مند اقدام تھا۔

بہ دنیا زیان و بدین سود گرد : اگر خوار گیری بتن سود زیان را

"اگر دنیاوی سود و زیان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھو گے تو دنیاوی لحاظ سے خسارا ہوگا مگر دینی اور روحانی اعتبار سے بڑا منافع بخش سودا ہوگا"۔

چنانچہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ قدس اللہ سرہٗ نے جب اپنے زمانے کے اہلبیتِ رسولؐ (امام الوقت) کے ہاتھ پر بیعت کی اور عملی طور پر اسماعیلی دعوت کو قبول کیا تو اپنے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی اور ایک زبردست روحانی انقلاب کی سی کیفیت محسوس کر لی اور سمجھ لیا کہ ایک عرصے سے وہ جس تلاشِ حقیقت کے روحانی عارضے میں مبتلا تھے اس کا مداوا ہو گیا جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔

شفائی جہان نہ دیدم ہیچ دانش : مگر از دعوتِ آلِ پیمبر

"یعنی میں نے اہلبیت رسول کی دعوت الحق کے سوا کسی بھی عالم میں امراضِ روحانیہ کی شفا نہیں دیکھی"۔ درحقیقت آپ کی وجودی دنیا میں یہ تبدیلی مادّی و فانی زندگی کے خسارے

کے مقابلے میں روحانی زندگی کے لئے حاصل ہونے والے منافع کی عملی صورت تھی جیساکہ آپ خود فرماتے ہیں۔

برجانِ من چو نورِ امامِ زمان بتافت : لیل السّرار بودم و شمس الضّحیٰ شدم

نامِ بزرگ امامِ زمان است ازین قبل : من از زمین چو زہرہ بدو بر سما شدم [10]

"جب میری جان پر امامِ زمان (کے فیضانِ باطن) کا نور چمکا تو نتیجتاً میں روشن سورج بن گیا جبکہ اس سے قبل میری حیثیت شبِ تاریک کی تھی۔ امامِ زمان ہی خدا کا اسمِ اعظم ہے میں اسی اسمِ اعظم کے ذریعے زہرہ (خاتون) کی طرح زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی پر پہنچا۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

تا نبودم من بحیدر متّصل : علمِ حق با من نمی جست اتّصال

چون بمن بر تافت نورِ علمِ او : روی دین را خالم اکنون خوب خال [11]

"یعنی جب تک میں حیدرِ کرار (امام الوقت) کی قربت کو پہنچا نہیں تھا تب تک مجھے علمِ حقیقت حاصل نہیں ہو رہا تھا، جب میری ذات پر امام الوقت کے تائیدی علم کا نور ضوفگن ہوا تو میں دینِ حق کے حسین چہرے کا خوشنما تِل بن گیا۔"

متذکرہ اشعار میں پیر موصوف اس روحانی انقلاب کا ذکر فرما رہے ہیں جو محبّت اہلِ بیت رسول کے نتیجے میں آپ کے اندر برپا ہوا تھا گویا اس روحانی انقلاب نے آپ کے لئے یہ راز فاش کر دیا کہ اکتسابی علم، روحانی علم کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے روشن دن کے مقابلے میں اندھیری رات، یہی وجہ تھی کہ تمام متداولہ علوم پر پوری دسترس حاصل ہونے کے باوجود آپ اپنی زندگی کے اس حصّے کو جس میں اسماعیلی

دعوت قبول نہیں کی تھی "لیل السّرار" یعنی شبِ تاریک سے تشبیہ دیتے ہیں جبکہ اسماعیلی دعوت قبول کرنے اور محبّت اہلبیت کا قلادہ پہننے کے بعد کی زندگی کو "شمس الضّحیٰ" یعنی تابندہ سورج سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

مر مرا آنہا دادند کہ سلمان را : نیستم من چو سلیمان کہ چو سلمانم [12]

"مجھے بھی (روحانی اور دینی اعتبار سے) وہ سب کچھ دیا گیا ہے جو حضرت سلمان فارسیؓ کو دیا گیا تھا اگرچہ میں حضرت سلیمانؑ کی طرح (صاحب جاہ و جلال) نہیں پھر بھی سلمان فارسیؓ کی مانند ضرور ہوں۔"

یہاں یہ پیر خود کو سلمانِ عارف کا ہم پایہ قرار دیتے ہیں جن کو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے "اِنّ سلمان مِنّا اھلبیت"[13] یعنی سلمان ہم اہلبیت (نبوّت) میں سے ہے" فرما کر اہلِ بیتِ نبوّت کا فرد قرار دیا تھا۔ یہ مرتبہ کسی مؤمن کا مل کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے وجود کو محبّت اہلبیت میں تحلیل کر دے۔ پیر ناصر خسروؒ کا وجود بھی ایسے ہی اہلبیتِ رسولؐ (امام الوقت) کی محبّت میں تحلیل ہو چکا تھا اور آپ کو امام برحق کی قربتِ خاص حاصل ہو چکی تھی جس کے نتیجے میں آپ کو امام الوقت نے وہ عہدۂ جلیلہ عطا فرمایا جس کو اسماعیلی دعوت کی اصطلاح میں حجّت جزیرہ کہا جاتا ہے جو امام کے بعد دوسرے درجے کا منصب ہے۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ جب امام الوقت حضرت مولانا مستنصر باللہ علیہ السّلام کی جانب سے سرزمین خراسان کے لئے

حجّتِ جزیرہ کے منصب پر فائز ہو کر خراسان واپس آئے تو آپ نے اہلبیت رسول کی جانب سے سپرد کئے جانے والے منصب دعوت کے تقاضوں کے مطابق پوری مستعدی اور انہماک کے ساتھ دعوت الحق کی اشاعت کا آغاز کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ جس سلجوقی دربار کی طرف سے آپ کو منصب وزارت حاصل ہوا تھا اس دربار سے آپ کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند ہوئی۔ سلجوقی عبّاسیوں کے نمائندے تھے اور عبّاسی فاطمیوں کے شدید ترین مخالف، وہ کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کے حدودِ مملکت میں فاطمیوں کی دعوت کی اشاعت ہو لہٰذا سلجوقی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آگئی تاکہ ان کی قلمرو میں فاطمی دعوت کا سدِّ باب ہو۔

چنانچہ سلجوقی دربار کے وظیفہ خوار علماء نے خراسان کے عوام کو آپ کے خلاف اُکسایا۔ آئے دن آپ کے خلاف ہنگامے ہونے لگے، مخالفین نے آپ کے گھر کو آگ لگادی اور آپ کی جائیدادوں کو ضبط کرلیا اور اپنے زادِ بوم یعنی سرزمین خراسان سے ہجرت کرنے پر آپ کو مجبور کیا بالآخر پیرانہ سالی [14] میں دیارِ غیر یعنی یمگان میں مہاجرانہ زندگی بسر کرنے لگے جس کا تذکرہ آپ نے جابجا اپنے دیوان میں فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

گرچہ مرا اصل خراسانی است : وز پس پیری و مہی وسری

دوستی عترت و خانۂ رسول : کرد مرا یمگی و مازندری [15]

"اگرچہ میں خراسانی النّسل ہوں لیکن پیرانہ سالی، بزرگی اور سرداری کے بعد اہلبیت رسول کی محبّت و دوستی نے مجھے یمگانی اور مازندری بنا دیا ہے۔"

آپ نے نہ صرف اپنی ذات کی حد تک اس بڑے خسارے کو محبّتِ اہلبیت کے عوض خندہ پیشانی سے قبول کیا بلکہ اپنے معتقدوں اور ارادتمندوں کو بھی آپ کی قائم کردہ اس سنّت پر عمل کرنے کی ترغیب و تشویق دلائی۔ [16]

اگر دوستی خاندان بایدت ہم : چو ناصر بدشمن بدہ خانمان را

"اگر تم بھی اہلبیتِ رسول کی محبّت و دوستی چاہتے ہو تو (اپنے پیر) ناصرِ خسرو کی طرح اپنے گھر بار اور اہل و عیال تک کو دشمن کے حوالے کر دو۔"

درحقیقت پیر موصوف اہلبیتِ رسول (امام الوقت) کی محبّت کی راہ میں اٹھائے جانے والے خسارے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار اور موجبِ سعادت سمجھتے ہیں۔ [17]

تو نیک بختی کز مہر خاندانِ رسول : غریب ورانده و بی نان و خانمان شده

"اے ناصرِ خسرو! تم بڑے نیک بخت ہو کہ اہلبیتِ رسول کی محبّت کی راہ میں غریب الوطن یعنی پردیسی، بھوکے اور گھر بار سے بھگائے ہوئے ہو۔"

پھر فرماتے ہیں کہ یہ مادّی خسارہ اپنی جگہ درست، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اہلبیتِ رسول کی محبّت کے ذریعے آفتاب عالمتاب کی طرح آفاقی شہرت بخشی ہے۔ [18]

اندر جہان بدوستی خاندان حق : چون آفتاب کرد چنین مشتہر مرا

"یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں اہلبیتِ رسول کی محبّت کے ذریعے سورج کی طرح مشہور کر دیا۔" پھر آگے جا کر مزید فرماتے ہیں۔

اگر از خانہ و از اہل جدا ماندم : جفت گشتستم با حکمت لقمانی

روی زی حضرت آلِ نبی آوردم : تا بدادند مرا نعمت دوجہانی

[19] نعمت عالم باقی چو مرا دادی : چه براندیشم ازین بی مزۂ فانی

"اگر میں (محبّت اہلبیت کی راہ میں) اپنے گھر بار اور اہل و عیال سے دور رہا ہوں تو کوئی بات نہیں اس کے نتیجے میں حکمتِ لقمانی سے بھی تو ہمکنار ہو چکا ہوں۔ جب سے میں نے محبّتِ اہلبیت کے راستے کا رخ کیا ہے تب سے مجھے دونوں جہاں کی نعمتیں عطا کی گئی ہیں۔ جب مجھے عالمِ جاودانی کی نعمت ہی عطا کی گئی ہو تو پھر میں اس بے مزہ اور فانی دنیا کی کسی نعمت کے بارے میں سوچوں ہی کیوں"۔

جیساکہ سطورِ بالا میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ پیر ناصرِ خسرو (ق س) نے مصر جا کر جب فاطمی امام مستنصر باللہ علیہ السّلام کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس کے نتیجے میں اپنے اندر ایک زبردست روحانی انقلاب محسوس کیا گویا یہ نورٌ علیٰ نور سے ظاہری و باطنی قربت کا نتیجہ تھا کہ آپ کا ظلمانی وجود سراپا نور بن گیا اور اپنا مقام اتنا اونچا پایا کہ آسمان بھی آپ کے زیرِ پا نظر آنے لگا جیساکہ خود فرماتے ہیں۔

[20] ز گوشہ منظر او بنگریدم : بزیر خویش دیدم چرخ گردان

"جب میں نے ایک گوشہ سے امام الوقت کی علمی بلندیوں کا نظارہ کیا تو میں نے خود کو اتنا بلند پایا کہ یہ متحرک آسمان اپنے زیرِ قدم دیکھا"۔

آپ نے خود ستائی یا شاعرانہ تعلّی کے طور پر یہ دعویٰ نہیں فرمایا ہے بلکہ سچ مچ نورِ ہدایت کی قربت اور اہلبیت کی محبّت نے آپ کی شخصی دنیا کی نفسانی کثافتوں اور کدورتوں کو تحلیل کردیا تھا اور آپ اپنی ذات میں خود بھی نور سے معمور ہو گئے تھے

اس لئے آپ کی زبان سے ادا ہونے والے ہر لفظ اور ہر جملے سے ہدایت، معنویت اور معرفتِ حق کا نور چھن چھن کر پھوٹتا ہے، جیساکہ خود فرماتے ہیں۔

افسرِ عالم امامِ روزگار : کز جلالش بر فلک ساید سرم
فرِّ او پر نور کرد اشعارِ من : گرت باید بنگر اینک دفترم
گر بہ حجّت پیشم آید آفتاب : بیگمان بینی کز و روشن ترم [21]

"دنیا جہان کے تاجور زمانے کے امام برحق کی شان و شوکت کی بدولت میرا سر فخر سے آسمان کو چھو رہا ہے، اُن کی سطوت و دبدبہ نے میرے اشعار میں نور بھر دیا ہے اگر تم میرے ان پُر نور اشعار کو دیکھنا چاہتے ہو تو یہ لو میرا دیوان سامنے ہے پڑھو اور روشنی حاصل کرو) اگر سورج بھی اپنی تابندگی کی دلیل لے کر میرے سامنے پیش ہو جائے تو تم یقیناً مجھے اپنی دلیل میں سورج سے زیادہ روشن پاؤ گے"۔

سیّدنا پیر ناصرِ خسرو (ق س) خود ہی اپنے کلام کی تابندگی اور دلائل کی درخشندگی کا راز بتاتے ہیں۔

[22] حجّتم روشن از آنست کہ من بر خلق : حجّتِ نائبِ پیغمبرِ سبحانم

"میرے دلائل اس لئے واضح اور روشن ہیں کہ خلائقِ عالم پر رسولِ خداؐ کے جانشین (امام الوقت) کا حجّت ہوں"۔

پیر اپنے اس مولا و آقا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس نے آپ کو حجّت جزیرہ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کر دیا ہے۔

کس میزانِ خرد نیست مرا ہم سنگ : چون گرانست بہ احسان تو میزانم
من بہ بستان بہشت اندرم از فضلت : حکمت تست در و میوہ و ریحانم [23]

"اے میرے مولا! عقل و دانش کے میزان میں کوئی بھی

فرد بشر میرا ہم وزن نہیں ہے کیونکہ میرا میزانِ زندگی تیرے احسانات کے ذریعے سے بہت ہی بھاری ہے۔ میں تیرے ہی فضل و احسان کے طفیل باغِ بہشت کے اندر مقیم ہوں اور تیری حکمتِ بالغہ اس باغِ بہشت میں میرے لئے میوے اور ناز بو کا حکم رکھتی ہے۔"

الغرض پیر ناصرِ خسرو قس نہ صرف خود اس علم و حکمت کی ابدی جنت کی لازوال نعمتوں سے متمتع ہوئے ہیں بلکہ صبح قیامت تک محبانِ اہلبیت کے لئے کبھی اپنی تصانیف کے دسترخوان پر باغِ جنت کے رنگارنگ میوے طبق در طبق چن رکھے ہیں۔ اور محبت اہلبیت کی شاہراہ پر سفر کرنے والوں کے لئے قدم قدم پر چراغہائے ہدایت روشن کئے ہوئے ہیں۔ یہ پیر ناصرِ خسرو قس کے روشن کئے ہوئے ان چراغوں کی روشنی ہے جس نے صدیوں پر محیط عرصے میں سرزمینِ بدخشان، چترال، گلگت، غذر، ہنزہ، چینی ترکستان اور روسی ترکستان یعنی مرکزی ایشیاء کے محبانِ اہلبیت یعنی امام شناس مومنوں کے دلوں کو رشکِ شمس و قمر بنا دیا ہے۔

آئیے ہم عزم کریں کہ پیر ناصرِ خسرو قس کے روشن کئے ہوئے محبتِ اہلبیت کے چراغ سے چراغ جلاتے رہیں۔ تاکہ ہماری نسلیں پھر اُن کی نسلیں پھر اُن کی نسلیں محبت اہلبیت کے اس روشن چراغ کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر جاری رکھ سکیں۔

حوالہ جات

۱	دیوان اشعار	ص ۲۸۹	مصحح تقوی
۲	خوان الاخوان	ص ب	”
۳	دیوان اشعار	ص ۱۹۰	” ”
۴	ایضاً	ص ۱۸۵	” ”
۵	ایضاً	ص ۹۳	” ”
۶	سفرنامہ	ص ۲	”
۷	دیوان اشعار	ص ۴۳۱	” ”
۸	ایضاً	ص ۶	” ”
۹	ایضاً	ص ۱۸۵	” ”
۱۰	ایضاً	ص ۲۷۳	” ”
۱۱	ایضاً	ص ۲۴۰	” ”
۱۲	ایضاً	ص ۲۸۲	” ”
۱۳	سفینۃ البحار ج ۱	ص ۶۴۷	
۱۴	تاریخ خلفاء فاطمی	ص ۳۳	
۱۵	دیوان اشعار	ص ۴۱۳	مصحح تقوی
۱۶	ایضاً	ص ۵	” ”
۱۷	ایضاً	ص ۳۹۲	” ”
۱۸	ایضاً	ص ۷	” ”
۱۹	ایضاً	ص ۴۳۱	” ”
۲۰	ایضاً	ص ۳۱۴	” ”
۲۱	ایضاً	ص ۲۹۱	” ”
۲۲	ایضاً	ص ۲۸۳	” ”
۲۳	ایضاً	ص ۲۸۴	” ”

وسطی ایشیاء میں رسمِ چراغ روشن پر ایک نظر

تحریر: عزیز اللہ نجیب

چراغ روشن کی رسم وسطی ایشیاء کے مختلف علاقوں مثلاً پاکستان کے شمالی علاقہ جات، چترال، افغانستان، چائنا ترکستان اور روس کی اسماعیلی جماعت کی مذہبی روایات میں سے ایک اہم روایت ہے۔ یہ روایت مذکورہ بالا جماعتوں میں سینکڑوں برسوں سے بڑی عقیدت کے ساتھ ادا ہوتی آئی ہے اور ان جماعتوں کی روحانی، فکری اور اجتماعی ترقی اور ہم آہنگی میں اس روایت کا بڑا گہرا عمل دخل رہا ہے۔

روایتاً اس رسم کو سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تاہم تاریخی اعتبار سے ابھی تک اس کا کوئی ٹھوس اور واضح ثبوت نہیں ملا ہے۔ اب تک دستیاب اسماعیلی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے، چونکہ پیر ناصر خسروؒ کی بہت سی کتابیں اب بھی نایاب ہیں اس لئے یہ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس روایت کا حکیم موصوف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا امور سے قطع نظر یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ فروعِ کافی میں ایک روایت موجود ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ "جب امام محمد باقر علیہ السلام کا انتقال ہوا تو

امام جعفر الصادق علیہ السلام نے اس گھر میں چراغ جلانے کا حکم دیا جس میں حضرت (یعنی امام محمد باقر علیہ السلام) رہا کرتے تھے۔" [۱] بظاہر فروعِ کافی کی یہ روایت ایک چھوٹا سا غیر اہم جملہ ہے مگر جب ہم رسمِ چراغ روشن کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو چند اہم نکتے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اولاً یہ کہ اس روایت کی رو سے متوفی کے گھر میں چراغ جلانا صرف اسماعیلی روایات میں نہیں بلکہ تمام شیعی روایات کی رو سے ثابت ہے۔

دوم یہ کہ مذکورہ کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب امام جعفر الصادقؑ کی رحلت ہوئی تو اس وقت بھی چراغ جلایا گیا تھا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد باقرؑ کی وفات پر آپ کے گھر میں چراغ روشن کرنا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسم اس وقت ایک مذہبی روایت کے طور پر ادا ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ امام جعفر الصادقؑ کی رحلت کے موقع پر یہ رسم دوبارہ دہرائی گئی۔ چنانچہ شیعی فقہ کی ایک مشہور کتاب میں اس روایت کا ذکر ہونا نہایت اہم اور قابلِ توجہ ہے۔

سوم یہ کہ اس روایت سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس رسم کا تعلق ابتدا میں من حیث المجموع تمام شیعوں سے رہا ہے جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ شیعوں کے دوسرے فرقوں میں اور مرکزی ایشیاء کے علاوہ دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے اسماعیلیوں میں بھی متروک ہو چکی ہے۔

چہارم یہ کہ مرکزی ایشیاء کے اسماعیلیوں میں چراغ روشن کی رسم جس شکل میں اس وقت موجود ہے وہ تغیّر و تبدّل کے

کئی مراحل سے گزری ہے۔ خود سینٹرل ایشیا کی اسماعیلی جماعت کے درمیان چراغ روشن سے متعلق جتنی بھی روایات پائی جاتی ہیں وہ سب یا تو زبانی ہیں یا خلیفوں کے پرانے بیاضوں میں منتشر اور غیر منظم طور پر پائی جاتی ہیں جن میں مخالفین کی بہت دست اندازیاں ہوئی ہیں۔ دوسری طرف ابھی تک اس روایت کی نوعیت پر کوئی تحقیق بھی نہیں ہوئی ہے اور کسی نے اس روایت سے متعلق امور کی چھان بین کی کوشش نہیں کی ہے تاہم حال ہی میں روس کے کچھ محققین نے اس رسم کی نوعیت پر قلم اٹھایا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک دانش مند برتلس ہے۔ اس موضوع پر اپنے ایک مقالے میں ان کا کہنا ہے کہ "اہلِ بدخشاں اسلام سے قبل زرتشتی مذہب کے پیرو تھے اس کے باوجود کہ چراغ روشن کی (تمام) تمثیلات کا سرچشمہ قرآن شریف ہے بالخصوص آیۂ نور، شبِ دعوت کی رسومات کی نوعیت، جو متوفی کی وفات کی تیسری رات منعقد ہوتی ہے، زرتشتی عقائد کی یاد دھانی کراتی ہے" ہے۲ مگر چراغ روشن سے متعلق برتلس کا مذکورہ بیان محض اس کے ذاتی قیاس پر مبنی ہے جس کا اس نے خود بھی اقرار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "این البتہ حدس بندہ است بیشتر نیست" ہے۳ یعنی یہ صرف بندہ کا اندازہ ہے اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ فاضل موصوف نے فروعِ کافی کی مذکورہ روایت کی طرف توجہ نہیں دی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ روایت ان کی نظر سے نہ گزری ہو اس لئے موصوف نے چراغ روشن کی جڑیں قبل از اسلام زرتشتی عقائد میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ جب ہم فروعِ کافی کی مذکورہ روایت پر غور کرتے ہیں تو یہ باور کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی جواز موجود ہوتا ہے کہ رسم چراغ روشن کی جڑیں پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل تک جاتی ہیں البتہ ابتدائی

ادوار میں یہ رسم اس شکل میں نہیں تھی جس میں اب ہے یہ بھی ممکن ہے کہ فاطمینِ مصر کے زمانے میں یہ رسم کسی نہ کسی شکل میں موجود ہو جو بعد میں حکیم ناصر خسروؒ یا آپ کے شاگردوں کے ذریعے افغانستان منتقل ہوئی ہو۔ چونکہ چراغ روشن بنیادی طور پر دعوت کی ایک مجلس ہے۔ جب ہم فاطمینِ مصر کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں کہ قاہرہ میں اسماعیلی داعی علومِ اہلبیت کی تشہیر اور تبلیغ و دعوت کی خاطر خاص مجالس منعقد کرتے تھے جو مجالسِ حکمت کے نام سے معروف ہوتی تھیں۔ بعض دفعہ ہر طبقہ کے لئے ایک الگ مجلس منعقد ہوتی تھی عورتوں کے لئے خاص مجالس کا اہتمام ہوتا تھا۔ یہ علمی مجالس امامؑ کے حکم سے عموماً داعی کے مکان میں منعقد ہوتی تھیں۔ اُن مجالس میں علومِ اہلِ بیت پر لیکچرز ہوتے تھے ہے۴ ممکن ہے چراغ روشن کی مجلس بھی ان مجالس کی کوئی قسم ہو۔ تاہم یہ امر بجائے خود محتاجِ تحقیق ہے۔

فی الحال مرکزی ایشیا کے اسماعیلیوں میں چراغ روشن کی رسم دو طرح سے ادا کی جاتی ہے اور اس کے دو اصطلاحی نام ہیں (۱) دعوتِ بقا (۲) دعوتِ فنا۔ ان دو اقسام کے علاوہ ہمارے بزرگوں کی روایات میں دعوتِ صفا اور دعوتِ رضا کا بھی ذکر ہے مگر عملاً ان کی کوئی جداگانہ شکل رائج نہیں۔ لہٰذا دعوت کی ان دونوں قسموں پر روشنی ڈالنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم سے متعلق ایک اہم چیز چراغ اور دوسری اہم مذہبی اصطلاح "دعوت" کی وضاحت کی جائے تاکہ اس رسم کی مذہبی اہمیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

چراغ کو عربی زبان میں مصباح کہا جاتا ہے یہ لفظ سراج کا ہم معنی ہے اور قرآن کریم کی آیۂ نور (۲۴:۳۵) میں اس کا تذکرہ خدا کے نور کی مثال کے طور پر ہوا ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ جہاں مصباح یعنی چراغ کو خدا کے نور کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے وہاں سراج کا لفظ حضور اکرم کی ذاتِ مقدس کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ قرآنِ کریم کا نورِ خداوندی اور

نورِ نبوّت دونوں کی مثال پیش کرنے کے لئے چراغ ہی کو منتخب کرنا اس بات کی نشاندہی ہے کہ نور کی مثال پیش کرنے کی جو خصوصیّت اور صلاحیّت چراغ میں ہے وہ نہ سورج میں ہے نہ چاند میں اور نہ ہی کسی دوسرے ستیاروں میں۔ چراغ نورِ خداوندی نورِ نبوّت اور نورِ امامت کے ارتباط کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ نیز یہ کہ خدا کے نور کے جس چراغ کا تذکرہ قرآنِ کریم میں ہوا ہے۔ اس کے ساتھ طاق، قندیل، چمکتا ہوا ستارہ، زیتون کا بابرکت درخت، تیل، مشرق و مغرب اور آگ کا ذکر ہے۔ یہ سب قرآنی امثال (SYMBOLS) ہیں اور ان کی حکمت پر شیعہ کتب، اور خاص طور پر اسماعیلی کتابوں میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے نورِ امامت کے تسلسل کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو چراغ کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک چراغ سے اور بھی کئی چراغ روشن کئے جاسکتے ہیں اور وہ تمام چراغ بحیثیت چراغ سابقہ چراغ کی تمام خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اسے آیۂ نور میں نُورٌ علیٰ نُورٍ یعنی نور بالائے نور کہا گیا ہے یہ دنیا میں نورِ خداوند کا نورِ نبوّت اور نورِ امامت کے دوام اور أئمہؑ کے یکے بعد دیگرے تا قیامِ قیامت روئے زمین پر موجود رہنے کی بہترین مثال ہے چنانچہ حضرت امام جعفر الصّادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ " نُورٌ علیٰ نُورٍ کا مطلب یہ ہے کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام ہوتا رہے گا" ۵؎ چنانچہ یہ کہنا مناسب ہے کہ قرآنی نقطۂ نگاہ سے اسماعیلی روایات میں چراغ کو اس قدر اہمیت دینے کی وجہ نہ قبل از اسلام کے زرتشتی عقائد ہیں اور نہ ہی یہ کوئی اور مقامی رسم ہے بلکہ یہ ایک مذہبی تمثیلی رسم ہے اور اس کی بنیاد قرآنِ

حکیم اور شیعی روایات پر رکھی گئی ہے اس کا اصل مقصد دعوت الحق اور تصورِ امامت کو روشن کرنا ہے۔ چنانچہ چراغ نامہ کی داخلی شہادتوں سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

جہاں تک لفظِ دعوت کا سوال ہے یہ خود ایک قرآنی اصطلاح ہے قرآن میں اس کا استعمال عام پکار اور استدعا کے معنوں میں ہوا ہے مگر اس کے اپنے اصطلاحی معنی بھی ہیں چنانچہ اس کے اس مخصوص معنی کے اعتبار سے اسماعیلی طریقہ میں دعوت الحق کے معنی دورِ رسالت میں رسولؐ کی دعوت اور دورِ امامت میں أئمۂ اطہار کی دعوت ہے اور اس دعوت کی نسبت سے رسولؐ کو قرآن مجید میں "داعیؐ" کہا گیا ہے لہٰذا جب ہم دعوتِ فنا یا دعوتِ بقا کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مقصد تبلیغ و دعوت کی وہ مجلس ہوا کرتی ہے جو خوشی کے اوقات میں شکر گزاری اور غمی کے اوقات میں ایصالِ ثواب کی خاطر منعقد ہوا کرتی ہے اس سے مُراد کھانے پینے کی کوئی ضیافت نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس رسم کی ادائیگی میں چراغ کو محض نور کی مثال کے طور پر لیا گیا ہے اور اس میں شامل تمام آیات اور اشعار وغیرہ کے انتخاب میں واضح طور پر امام شناسی کے تعلیمی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے مگر آہستہ آہستہ دعوت کا یہ حقیقی پہلو پسِ منظر میں چلا گیا ہے ورنہ اس کا اصل مقصد امام کی دعوت اور امام شناسی کی تعلیم ہے جیسا کہ ایک جگہ شاعر کہتا ہے کہ

ایں رشتۂ امامت ثبت است تا قیامت ۶؎
بہرِ نجاتِ اُمّت صلوات بر محمدؐ

(ترجمہ) : امامت کا یہ رشتہ قیامت تک اُمّت کی نجات کے
لئے قائم ہے۔ محمدؐ پر صلوات ہو۔ ایک اور جگہ شاعر کہتا ہے ؎

ہم چنین تا دم حاضر شدہ این نورِ قدیم
بلباسی بجہان جلوہ نما بسم اللہ عجب

(ترجمہ) : اسی طرح دمِ حاضر تک یہی نورِ قدیم ایک جداگانہ لباس میں دنیا میں جلوہ گر ہوتا رہا ہے۔ بسم اللہ

دعوتِ بقا کی مجلس ایک قسم کی مجلسِ شب بیداری ہے۔ اس مجلس کے ساتھ گزشتہ ادوار میں اس دعوت کے پس منظر میں ایک خاص فلسفہ کار فرما تھا وہ یہ کہ دعوت کرنے والا یہ خیال کرتا تھا کہ اب میں نے اپنے لئے چراغ روشن کیا ہے گویا میں مر گیا لہٰذا لازم ہے کہ اب مجھ سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہ ہو اور دعوت کی مجلس منعقد کرنے کے بعد وہ اپنی باقیماندہ زندگی کو بڑی احتیاط سے گذارنا ضروری سمجھتا تھا۔ گویا اس مجلس کے پیچھے "موتوا قبل ان تموتوا" کا فلسفہ کار فرما تھا۔ مگر بدقسمتی سے آج کل اس پہلو کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے اور دعوتِ بقا کی مجلس دعوتِ ضیافت کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

گزشتہ سطور میں اس امر کی طرف اشارہ ہوا کہ حکیم ناصر خسرو ق س کی موجودہ دستیاب کتب میں بظاہر کسی ایسی مجلس کا ذکر نہیں ملتا ہے مگر یہ یقینی امر ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ پر مشتمل کوئی نہ کوئی رسالہ ہر سال دنیا کے اطراف و جوانب بھیجا کرتے تھے تاکہ ان کے مرید اس سے استفادہ کریں چنانچہ آپ نے خود بھی دیوان میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

ہر سال یکی کتاب دعوت باطرافِ جہاں ہمی فرستم
تا آنکہ خصم من بداند در دین نہ ضعیف و زار و سستم ۸

یعنی میں ہر سال دعوت پر مشتمل ایک کتاب دنیا کے اطراف میں بھیجتا ہوں تاکہ میرے مخالف کو معلوم ہو کہ دین میں کمزور و ناتواں اور سست نہیں ہوں۔

نیز اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ دستیاب کتب کے علاوہ آپ کی اور بھی کئی تصانیف ہیں جو یا تو دستبرد حوادث کی نذر ہو چکی ہیں یا دنیا میں کہیں نہ کہیں قلمی نسخوں کی شکل میں موجود ہیں چنانچہ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس رسم کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق ہے، مغفرت اور خوشحالی کی ایسی مجالس کا آپ کے زمانے میں منعقد ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے چونکہ دعوتِ دین کی خاطر وعظ و نصیحت کی مجالس کا انعقاد اسماعیلی طریقہ کی اہم روایات میں سے ہے خود چراغ نامہ میں بعض ایسی داخلی شہادتیں بھی ملتی ہیں جن سے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے زمانے میں یا آپ کے قریب تر زمانے میں کسی نہ کسی شکل میں دعوت کی ایک مجلس منعقد ہوتی تھی مثلاً ایک جگہ شاعر کہتا ہے: ؎

یک شب بدم در دعوتش بستم کمر در خدمتش
چشم گشود از رحمتش در دعوتِ ناصر بیا ۹

یعنی ایک رات میں آپ کی مجلسِ دعوت میں حاضر تھا اور آپ کی خدمت میں میں کمر بستہ ہوا آپ کی رحمت نے میری آنکھیں کھولیں یعنی میں حقیقت بین بن گیا اس لئے تو بھی ناصر خسرو کی دعوت میں شامل ہو جا۔

چنانچہ یہ شعر اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر نے بذاتِ خود اس قسم کی ایک مجلس میں شمولیت کی تھی جس کے نتیجے میں جو فیوض و برکات اسے ملے ہیں وہ ان کا ذکر کرتا ہے اور دوسرے شعر میں وہ کہتا ہے کہ ناصر خسرو کی دعوت میں شامل ہونے کا جواز یہ ہے کہ وہ امام مستنصر باللہ علیہ السلام کا حجّت ہے وہ اس کی رحمت ہے اور اس کی نصرت ہے۔ البتہ یہ کہنا مشکل ہے کہ پیر کے زمانے میں چراغ روشن کی مجلس کی شکل و صورت بالکل وہی تھی جو آج ہے۔ موجودہ چراغ نامہ میں شامل بعض اشعار اور کچھ صوفی شعراء کے کلام کی موجودگی سے کبھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار سے گذرنے کے بعد چراغ روشن کی رسم میں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں۔ مختصر یہ کہ اس امر سے قطع نظر کہ مجلس میں کیا پڑھا جاتا تھا۔ حکیم موصوف کے زمانے میں دینی مجالس کا انعقاد اسماعیلی روایات کے عین مطابق ہے یہ الگ بات ہے کہ وقت اور حالات کے ساتھ اس مجلس کی ظاہری شکل و صورت میں کچھ مبالغہ آمیزی ہوئی ہے۔

گذشتہ سطور میں اس طرف اشارہ ہوا کہ فی زمانناً اس رسم کے ساتھ بعض غیر ضروری باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً متوفی کے گھر کے برتن کو تین دن تک استعمال نہ کرنا یا میاں بیوی کا ایک دوسرے کے چراغ روشن کے طعام کو نہ کھانا۔ اب زمانے کے گذرنے کے ساتھ لوگوں کی معاشی خوشحالی، اور آمد و رفت کی سہولتوں میں اضافہ ہونے کی وجہ سے ایک اور سنگین مسئلہ سامنے آیا ہے مثلاً یہ کہ شمالی علاقہ جات میں پرانے زمانے سے یہ رسم چلی آئی ہے کہ جب کوئی فوت ہوتا ہے تو

ہمسایہ اور خویش و اقارب تین دن تک گھر والوں کے لئے روٹی لے جاتے ہیں۔ بلاشبہ اس کا جواز خود اسماعیلی فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ دعائم الاسلام میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے متوفی کے گھر کھانا لے جانے کا حکم دیا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ متوفی کے اہلِ خاندان غم کی وجہ سے خود کھانا پکا نہیں سکتے اس لئے ان کے لئے کھانا لے جایا جائے روایت کچھ یوں ہے کہ "جب جعفر بن ابی طالب کی خبرِ وفات پہنچی تو آنحضرت صلعم نے اپنے اہلِ بیت سے فرمایا کہ کھانا پکا کر اور حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کے پاس لے جاؤ جب تک وہ جعفرؓ کے غم میں مبتلا رہیں اور ان کے ساتھ تم بھی کھانا کھاؤ کیونکہ ان پر ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنا کھانا خود نہیں پکا سکتے" [10] یہ روایت بالکل واضح ہے کہ متوفی کے گھر کھانا لے جانے کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ غم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنا کھانا خود نہیں پکا سکتے۔ مگر اب متوفی کے گھر کھانا لے جانے میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات زائد کھانا سڑ کر ضائع ہو جاتا ہے۔ متوفی کے گھر صرف اتنا کھانا لے جانا چاہیئے جو اس گھر میں موجود افراد کے لئے کافی ہو اور گذشتہ ادوار میں ایسا ہی ہوتا تھا مگر آج کل یہ رسم اسراف تک پہنچی ہے جس سے باز آنا لازمی ہے۔

ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ چراغ روشن کی مجلس دراصل تبلیغ و دعوت کی مجلس ہے یہ کوئی ضیافت یا خیرات کی مجلس نہیں ہے مگر مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس کا

اصل مقصد پس منظر میں چلا گیا ہے جہاں تک موجودہ زمانے کے حوالے سے اس رسم کا سوال ہے مولانا حاضر امامؑ نے میر آف ہنزہ کے نام اپنے تعلیقہ مبارک مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ذریعے اس روایت کو برقرار رکھا ہے اور یہ روایت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک امامِ زمانہ اس کے برعکس کوئی فرمان جاری نہ کریں۔

حوالہ جات (وکتابیات)

۱۔ کلینی فروعِ کافی، ج ۱، کتاب الجنائز، باب ۹۲
۲۔ مقالہ از برتلس یادنامۂ ناصر خسرو ص ۱۰۶
۳۔ " " " " ص ۱۰۹
۴۔ ڈاکٹر زاہد علی تاریخ فاطمینِ مصر ص ۵۰۲
۵۔ سید امداد حسین (مفسر) تفسیر المتقین زیرِ تفسیر آیۂ نور
۶۔ حاجی قدرت اللہ بیگ (مرتب) دعوتِ ناصری ص ۲۷
۷۔ " " " " " " ص ۲۳
۸۔ ناصر خسرو دیوانِ اشعار ص ۲۹۹
۹۔ حاجی قدرت اللہ بیگ دعوتِ ناصری ص ۲۵
۱۰۔ قاضی نعمان دعائم الاسلام، ج اوّل (اردو ترجمہ) ص ۳۵۷

وسطی ایشیا میں پیر ناصرِ خسروؒ کی دعوت

(عبداللہ جان ہنزائی)

اس مقالے میں ہم سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی اُن کوششوں کا ایک جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے جن کے نتیجے میں اسماعیلی دعوت نہ صرف سرزمینِ خراسان و بدخشان میں پھیلی بلکہ اس کی صدائے بازگشت سرزمینِ شمال بشمول چترال سرِقول اور یارقند میں گونجی۔ آپ نے علم و حکمت کے وہ موتی اس سنگلاخ اور بے آباد زمین میں بکھیرے کہ اُن کی چمک دمک اور روشنی آج بھی آنکھوں کو چندھیا رہی ہے۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی شخصیت قرنِ پنجم کے صفِ اوّل کے مسلم شعراء، حکماء اور فلاسفہ میں عظیم تر نظر آتی ہے۔ سیدنا موصوف کا پورا نام حمید الدین ابو معین ناصر بن خسرو بن حارث ہے اور اسماعیلی دعوت میں آپ کا مقام "حجت" ہے جو اسماعیلی دعوت کا ایک بہت ہی اونچا مقام ہے۔

آپ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السلام اوّل کے دور میں جزیرہ خراسان و بدخشاں میں دعوت کے کام پر مامور ہوئے تھے اس لئے آپ "حجت جزیرۂ خراسان و بدخشان" کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں سرزمینِ بدخشان، ہنزہ، چترال، غذر، چینی اور روسی ترکستان وغیرہ میں آپ صرف حضرت پیرؒ کے مختصر نام سے معروف ہیں۔

حجت جزیرۂ خراسان و بدخشان کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے

کی بنا پر پیر اپنے آپ کو مختلف القابات "حجت"، "حجتِ خراسان"، "حجتِ مستنصری"، "حجتِ فرزندِ رسولؐ"، "مختارِ امامِ زمانؑ"، "مختارِ امامِ عصرؑ"، "مستعینِ محمدؐ" اور "برگزیدۂ علی مرتضےٰؑ" وغیرہ سے موسوم کرتے ہیں۔ [1]

جس زمانے میں سیدنا حکیم ناصر خسرو قؒ حجتِ خراسان کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو کر وطن مالوف واپس لوٹے تو اُنہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس لئے کہ غزنویوں سے لے کر سلجوقیوں تک سب کے سب لوگ بنو عباس کے ہواخواہ تھے اور فاطمی ائمہ علیہم السلام سے اُن کی دشمنی تھی چونکہ یہ لوگ حضرت پیر کی علمی صلاحیتوں سے مرعوب تھے اور اُن سے علمی مناظرہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے آپ کے خلاف غلط پروپیگنڈے شروع کئے۔ آپ کے خلاف کفر و الحاد کے فتوے صادر کئے اور عوام کو آپ کے خلاف اُکسایا۔ حتی کہ آپ پر حملے کروائے اور گھر بار تک کو جلا ڈالا۔ چنانچہ ان حالات نے آپ کو نقلِ مکانی پر مجبور کر دیا۔ اس دوران آپ مازندران اور پھر نیشاپور چلے گئے۔ لیکن یہاں پر بھی انہیں آرام و سکون سے دعوت پھیلانے کا موقع میسّر نہ آیا۔ اس لئے آپ یہاں سے بدخشان کی طرف چلے گئے اور بالآخر درۂ یمگان میں اقامت گزین ہوئے۔ آپ کو یہاں پر فراغت کے ساتھ دعوت پھیلانے کا موقع ملا۔ آپ کی علمی سرگرمیاں نہ صرف حدودِ بدخشان تک محدود رہیں بلکہ آپ کی انتھک کوششوں سے بدخشان کے نواحی علاقوں مثلاً خوقند، قراتکین، سریقول، واخان، یاسین، جلال آباد، کمار، بخارا، کہنہ، تکاب،

درۂ منجان، درۂ زیباک، ششغنان اور چترال میں اسماعیلی دعوت پھیلی۔ [2]

درۂ یمگان میں حضرت پیر کی زندگی کیسی گزری اس بارے میں معروف روسی مستشرق آئی۔ ای۔ برتلس اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ

"دلائل بسیاری داریم کہ زندگانی ناصر خسرو در یمگان بسختی و دشواری می گذشتہ قسمت اعظم قصایدی در یمگان سُرودہ در شکایت از تبعید و فقر و پیری و تنہائی است وی در بعضی ابیات یمگان را زندان خویش نامدہ است[3]۔

ترجمہ:- درۂ یمگان میں ناصر خسرو کی زندگی کیسے گذری اس بارے میں ہمارے پاس بہت سے دلائل موجود ہیں کہ کس طرح ان کی زندگی سختی و مشکلات میں گذری ہے۔ درۂ یمگان میں انہوں نے جو زیادہ تر قصائد لکھے ہیں ان میں اپنی بے کسی، ضعیفی و تنہائی کے بارے میں شکایات کی ہیں۔ اُنہوں نے بعض ابیات میں یمگان کو زندان قرار دیا ہے۔

لیکن پروفیسر برتلس نے حضرت پیر کے فقر و افلاس اور تنگ دستی کو جس معنی میں لیا ہے میری نظر میں وہ دُرست نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ پیرِ موصوف نے وطن اور اپنے اہل و عیال سے دوری نیز بڑھاپا اور مخالفین کے ظلم و ستم کی شکایت ضرور کی ہے لیکن اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ آپ وہاں پر عملی طور پر معاشی مشکلات سے دوچار تھے۔ دیوانِ اشعار میں بعض ایسی شہادتیں بھی ملتی ہیں جن سے موصوف کے اس مفروضے کی تردید

ہوتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

شکر آن خدائے را کہ بہ یمگان زفضل او
برجان و مال شیعت فرمانروا شدم

یعنی خدائے بزرگ و برتر کے حضور شکر گزار ہوں کہ جس کے فضل و کرم سے میں یمگان کے شیعانِ اہل بیت کی جان و مال پر حکمران بنا ہوں۔

علاوہ ازیں حضرت پیر نے اس درۂ یمگان کو علم کی کان بھی قرار دیا ہے اور جہاں اُسے زندان کہا ہے وہاں یہ اُن کے لئے سکون کا باغ بھی ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ دیوان میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

کانِ علم و سخن و حکمت یمگان است
تا من اے مرد خردمند بہ یمگانم

یعنی اے دانا! جب سے میں یمگان میں مقیم ہوں میری وجہ سے یمگان علم و حکمت اور سخنوری کی کان بن چکا ہے۔

گرچہ زندانِ سلیمان نبی بودہ است
نیست زندان بل باغیست مرا یمگان

اگرچہ یمگان کا درہ سلیمان پیغمبر کا زندان ہے لیکن حقیقت میں میرے لئے یمگان زندان نہیں بلکہ (قرار و سکون کا) ایک باغ ہے۔

الغرض اس لحاظ سے درۂ یمگان سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ کے لئے مرکزِ دعوت و تبلیغ رہا اور یہیں سے ہر چہار جانب دعوتِ حق پر کتابیں لکھ کر ارسال فرماتے رہے۔ اس طرزِ دعوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیر نامدار فرماتے ہیں

ہر سال یکی کتاب دعوت : باطرافِ جہاں ہمی فرستم

یعنی ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کر کے دنیا کے اطراف میں بھیجتا رہا ہوں۔

جہاں تک "حجتِ خراسان" کے عہدۂ دعوت پر فائز ہو کر وسطی ایشیا کے مختلف علاقوں میں سفر اختیار کر کے علمی سرگرمیوں کے پھیلانے کا تعلق ہے اس بارے میں تاریخی احوال مفصلاً دستیاب نہیں ہو سکے البتہ بعض مستشرقین کی آراء کے مطابق حضرت پیر کا گزر چترال کے علاوہ غذر، گلگت و ہنزہ سے بھی ہوا ہے۔ چنانچہ اسماعیلی لٹریچر کے مصنّف ایک روسی محقق پروفیسر ایوانوف کا خیال ہے کہ پیر ناصر خسروؒ کا گزر پاکستان کے شمالی علاقہ جات حتّیٰ کہ بلتستان تک ہوا ہے۔ مگر آثار و قرائن اس بات کی تصدیق نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ قیاس بعید از امکان نظر آتا ہے البتہ چترال کے بارے میں بعض روایات کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت پیر ایک دفعہ انجگان (لٹکوہ) کے مقام گرم چشمہ تک آئے تھے جہاں پر انہوں نے تھوڑا عرصہ قیام بھی کیا تھا۔ اور بعد میں اس نسبت سے وہاں کے لوگوں نے ان کی عقیدت میں ایک زیارت بھی بنائی جو آج بھی موجود ہے۔ جہاں پر سالانہ ان کی چلّہ کشی کے حوالے سے ایک تہوار بھی منایا جاتا ہے۔

درۂ یمگان میں قیام کے دوران حضرت پیر نے جو علمی و ادبی خدمات سرانجام دی ہیں ان کا ان کی گرانبہا تصانیف ہی سے پتہ چلتا ہے ان کی ان علمی خدمات کے نتیجے میں آج ان کے مزار پر نہ صرف اسماعیلی آکر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں بلکہ ان کے ارادتمندوں میں ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ہیں۔

چنانچہ حضرت پیر کی علمی خدمات اور ان کے ارادتمندوں کا ذکر کرتے ہوئے جناب عبدالوہاب محمود طرزی اپنی کتاب "ناصر خسروؒ بلخی حکیم و شاعر قرن پنجم ہجری" صفحہ ۱۴۵ پر لکھتے ہیں۔

"اگرچہ مزار پر حاضری دینے والوں کی زیادہ تعداد بدخشان کے اسماعیلیوں کی ہے لیکن ارادتمندوں میں ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں۔ یہ بات بھولنے کی نہیں ہے کہ ناصر خسروؒ ساڑھے نو سو سال قبل "حجتِ خراسانؒ" کی حیثیت سے اور مذہب باطنیہ کے پیشوا (داعی یا حجتؒ) کی حیثیت سے درۂ یمگان میں پناہ گزین ہوئے۔ اور تقریباً ۳۰ سال یعنی ان کی وفات تک یہاں عمر گزاری۔ اس دوران ایک طرف تو وہ علمی و ادبی کتب کی تدوین میں اور دوسری طرف مذہبی تدریس میں مصروف رہے بلاشبہ ان کے مُرید نہ صرف درۂ یمگان کے حواشی میں بستے ہیں بلکہ پامیر و بدخشان کے دور دراز علاقوں میں بھی بستے ہیں"

غرضیکہ حضرت پیر ناصر خسروؒ نے درۂ یمگان میں رہ کر اسماعیلی دعوت کو جس مؤثر انداز سے وسطی ایشیاء کے ان پہاڑی علاقوں میں پھیلایا ہے اس کے نتیجے میں آج بھی ان علاقوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسماعیلی بستے ہیں۔ اور آپ کی تعلیمات کے زیر اثر ہیں اس لحاظ سے حضرت پیر کے **حلقۂ** ارادت میں نہ صرف بدخشان و خراسان شامل ہیں بلکہ ایران و بالائے جیحون، یارقند، سریقول، گلگت، ہنزہ اور چترال تک ان کا دائرۂ درس پھیلا ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان علاقوں کے اسماعیلی مختلف ثقافتوں، مختلف بولیوں اور مختلف نسلی گروہوں میں بٹے ہونے کے باوجود آج بھی ایک ہی مذہبی رسم و رواج کے وارث ہیں اور حضرت پیرؒ کے مرید ہونے

کے ناطے ایک ہی اندازِ فکر و عقیدہ رکھتے ہیں اس بارے میں دورِ جدید کے ایک اسماعیلی اسکالر جناب عظیم نانجی لکھتے ہیں:

"ناصر خسروؒ جو بلاشبہ فاطمی دور کے ایک مشہور و معروف داعی تھے، کے افکار و تصانیف کی صدائے بازگشت الموت کے دور کے بعد کی تصانیف میں مسلسل طور پر سنائی دیتی ہے۔ اور ابھی تک ایران اور ماوراالنہر کے اردگرد کے علاقوں میں نزاری اسماعیلیوں پر ان کا بہت بڑا اثر ہے" [۵]

چونکہ حضرت پیرؒ کو اسماعیلی دعوت کے جاری رکھنے اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی تعلیمات کو عام کرنے کی خواہش تھی اس لئے آپ نے شاگردوں کا ایک بااثر طبقہ پیدا کیا۔ اس سلسلے میں خوش قسمتی سے حضرت پیرؒ کو بدخشان ہی میں ایک ایسے ہی خاندان کا سہارا ملا جو مقامی لحاظ سے بااثر تھا، اور یہ خاندان علی بن اسد کا تھا جن کے بارے میں حضرت پیرؒ جامع الحکمتین کے مقدمے میں فرماتے ہیں:-

"امیر بدخشان کہ معروف است بعین الدولہ ابوالمعالی علی بن الاسد الحارث، ایدہ اللہ بنصرہٖ کہ بیدار دل و ہشیار مغز و روشن خاطر و نیز فکرت و دور بین و باریک اندیش و صائب رائے و قوی حفظ و پاک ذہن و پسندیدہ خولیست" [۶]

ترجمہ: "امیر بدخشان جو عین الدولہ ابوالمعالی علی بن الاسد الحارث کے نام سے مشہور و معروف ہے، اللہ اس کی مدد کرے، ایک بیدار دل، ہوشیار دماغ والے، پاک ذہن اور پسندیدہ عادات کے مالک ہیں"۔ مذکورہ مقدمے کے حوالے سے امیرِ بدخشان کے بارے میں محققین نے لکھا ہے کہ وہ اسماعیلی مذہب

ہوتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

شکر آن خدائے را کہ بہ یمگان ز فضل او
بر جان و مال شیعت فرمانروا شدم

یعنی خدائے بزرگ و برتر کے حضور شکر گزار ہوں کہ جس کے فضل و کرم سے میں یمگان کے شیعانِ اہل بیت کی جان و مال پر حکمران بنا ہوں۔

علاوہ ازیں حضرت پیر نے اس درۂ یمگان کو علم کی کان بھی قرار دیا ہے اور جہاں اُسے زندان کہا ہے وہاں یہ اُن کے لئے سکون کا باغ بھی ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ دیوان میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

کانِ علم و سخن و حکمت یمگان است
تا من اے مرد خردمند بہ یمگانم

یعنی اے دانا! جب سے میں یمگان میں مقیم ہوں میری وجہ سے یمگان علم و حکمت اور سخنوری کی کان بن چکا ہے۔

گرچہ زندانِ سلیمان نبی بودہ است
نیست زندان بل باغیست مرا یمگان

اگرچہ یمگان کا درہ سلیمان پیغمبر کا زندان ہے لیکن حقیقت میں میرے لئے یمگان زندان نہیں بلکہ (قرار و سکون کا) ایک باغ ہے۔

الغرض اس لحاظ سے درۂ یمگان سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ کے لئے مرکزِ دعوت و تبلیغ رہا اور یہیں سے ہر چہار جانب دعوتِ حق پر کتابیں لکھ کر ارسال فرماتے رہے۔ اس طرزِ دعوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیر نامدار فرماتے ہیں

ہر سال یکی کتاب دعوت : باطرافِ جہان ہمی فرستم

یعنی ہر سال دعوت پر ایک کتاب تصنیف کر کے دنیا کے اطراف میں بھیجتا رہا ہوں۔

جہاں تک "حجتِ خراسان" کے عہدۂ دعوت پر فائز ہو کر وسطی ایشیا کے مختلف علاقوں میں سفر اختیار کر کے علمی سرگرمیوں کے پھیلانے کا تعلق ہے اس بارے میں تاریخی احوال مفصلاً دستیاب نہیں ہو سکے البتہ بعض مستشرقین کی آراء کے مطابق حضرت پیر کا گزر چترال کے علاوہ غذر، گلگت و ہنزہ سے بھی ہوا ہے۔ چنانچہ اسماعیلی لٹریچر کے مصنّف ایک روسی محقق پروفیسر ایوانوف کا خیال ہے کہ پیر ناصر خسروؒ کا گزر پاکستان کے شمالی علاقہ جات حتیٰ کہ بلتستان تک ہوا ہے۔ مگر آثار و قرائن اس بات کی تصدیق نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ قیاس بعید از امکان نظر آتا ہے البتہ چترال کے بارے میں بعض روایات کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت پیر ایک دفعہ انجگان (لٹکوہ) کے مقام گرم چشمہ تک آئے تھے جہاں پر انہوں نے تھوڑا عرصہ قیام بھی کیا تھا۔ اور بعد میں اس نسبت سے وہاں کے لوگوں نے ان کی عقیدت میں ایک زیارت بھی بنائی جو آج بھی موجود ہے۔ جہاں پر سالانہ ان کی چلہ کشی کے حوالے سے ایک تہوار بھی منایا جاتا ہے۔

درۂ یمگان میں قیام کے دوران حضرت پیر نے جو علمی و ادبی خدمات سر انجام دی ہیں ان کا ان کی گرانبہا تصانیف ہی سے پتہ چلتا ہے ان کی ان علمی خدمات کے نتیجے میں آج ان کے مزار پر نہ صرف اسماعیلی آ کر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں بلکہ ان کے ارادتمندوں میں ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ہیں۔

چنانچہ حضرت پیر کی علمی خدمات اور ان کے ارادتمندوں کا ذکر کرتے ہوئے جناب عبدالوہاب محمود طرزی اپنی کتاب "ناصر خسروؒ بلخی حکیم و شاعر قرن پنجم ہجری" ص ۱۴۵ پر لکھتے ہیں۔

"اگرچہ مزار پر حاضری دینے والوں کی زیادہ تعداد بدخشان کے اسماعیلیوں کی ہے لیکن ارادتمندوں میں ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں۔ یہ بات بھولنے کی نہیں ہے کہ ناصر خسروؒ ساڑھے نو سو سال قبل "حجتِ خراسانؒ" کی حیثیت سے اور مذہب باطنیہ کے پیشوا (داعی یا حجتؒ) کی حیثیت سے درۂ یمگان میں پناہ گزین ہوئے۔ اور تقریباً ۳۰ سال یعنی ان کی وفات تک یہاں عمر گزاری۔ اس دوران ایک طرف تو وہ علمی و ادبی کتب کی تدوین میں اور دوسری طرف مذہبی تدریس میں مصروف رہے بلاشبہ ان کے مُرید نہ صرف درۂ یمگان کے حواشی میں بستے ہیں بلکہ پامیر و بدخشان کے دور دراز علاقوں میں بھی بستے ہیں"

غرضیکہ حضرت پیر ناصر خسروؒ نے درۂ یمگان میں رہ کر اسماعیلی دعوت کو جس مؤثر انداز سے وسطی ایشیاء کے ان پہاڑی علاقوں میں پھیلایا ہے اس کے نتیجے میں آج بھی ان علاقوں میں لاکھوں کی تعداد میں اسماعیلی بستے ہیں۔ اور آپ کی تعلیمات کے زیر اثر ہیں اس لحاظ سے حضرت پیر کے حلقۂ ارادت میں نہ صرف بدخشان و خراسان شامل ہیں بلکہ ایران و بالائے جیحون، یارقند، سریقول، گلگت، ہنزہ اور چترال تک ان کا دائرۂ درس پھیلا ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان علاقوں کے اسماعیلی مختلف ثقافتوں، مختلف بولیوں اور مختلف نسلی گروہوں میں بٹے ہونے کے باوجود آج بھی ایک ہی مذہبی رسم و رواج کے وارث ہیں اور حضرت پیرؒ کے مرید ہونے

کے ناطے ایک ہی اندازِ فکر و عقیدہ رکھتے ہیں اس بارے میں دورِ جدید کے ایک اسماعیلی اسکالر جناب عظیم نانجی لکھتے ہیں:

"ناصر خسروؒ جو بلاشبہ فاطمی دور کے ایک مشہور و معروف داعی تھے، کے افکار و تصانیف کی صدائے بازگشت الموت کے دور کے بعد کی تصانیف میں مسلسل طور پر سنائی دیتی ہے۔ اور ابھی تک ایران اور ماوراءالنہر کے اردگرد کے علاقوں میں نزاری اسماعیلیوں پر ان کا بہت بڑا اثر ہے"

چونکہ حضرت پیرؒ کو اسماعیلی دعوت کے جاری رکھنے اور ائمہ اہلبیت علیہم السّلام کی تعلیمات کو عام کرنے کی خواہش تھی اس لئے آپ نے شاگردوں کا ایک با اثر طبقہ پیدا کیا۔ اس سلسلے میں خوش قسمتی سے حضرت پیرؒ کو بدخشان ہی میں ایک ایسے ہی خاندان کا سہارا ملا جو مقامی لحاظ سے با اثر تھا، اور یہ خاندان علی بن اسد کا تھا جن کے بارے میں حضرت پیرؒ جامع الحکمتین کے مقدمے میں فرماتے ہیں:-

"امیر بدخشان کہ معروف است بعین الدولہ ابوالمعالی علی بن الاسد الحارث، ایدہ اللہ بنصرہٖ کہ بیدار دل و ہشیار مغز و روشن خاطر و تیز فکرت و دوربین و باریک اندیش و صائب رائے و نیکو حفظ و پاک ذہن و پسندیدہ خویست"

ترجمہ: "امیر بدخشان جو عین الدولہ ابوالمعالی علی بن الاسد الحارث کے نام سے مشہور و معروف ہے، اللہ اس کی مدد کرے، وہ بیدار دل، ہوشیار دماغ والے، پاک ذہن اور پسندیدہ عادات کے مالک ہیں" مذکورہ مقدمے کے حوالے سے امیرِ بدخشان کے بارے میں محققین نے لکھا ہے کہ وہ اسماعیلی مذہب

کا پیروکار تھا اور محمود غزنوی کے عہد میں اپنے اسلاف کے علاقۂ بدخشان کا حکمران تھا۔

جہاں تک آپ کی دعوت کی اشاعت کا تعلق ہے اس سلسلے میں بعض محققین کے ہاں آپ کے شاگردوں کے نام ملتے ہیں مثلاً عمر یمگی اور سیّد سہراب ولی۔ عمر یمگی کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ماذون اکبر یعنی معلّم کے درجے پر تھا۔ سیّد سہراب ولی کے بارے میں پروفیسر برتلس بتاتے ہیں کہ سیّد سہراب ولی کا والد شروع میں یزد سے بدخشان آیا تھا اور سیّد سہراب ولی حضرت پیرؒ کے حلقۂ دعوت میں شامل ہوا اور ان کی صحبت میں رہ کر اسماعیلی مذہب قبول کیا۔ یہی رائے پروفیسر ایوانوف کی بھی ہے۔

حضرت پیرؒ نے اسماعیلی دعوت کو جہاں اپنی تصنیفات کے ذریعے پھیلایا وہاں آپ نے اپنے شاگردوں کا ایک مخصوص طبقہ بھی پیدا کیا جس نے سیاسی، معاشرتی اور جغرافیائی مشکلات کے باوجود اس مشن کو پُرزور اور مؤثر انداز میں برقرار رکھا۔

ان مشکلات کے بارے میں پروفیسر ایوانوف لکھتے ہیں:

"تاریخ کا یہ دور جو فارس اور فارس کی نزاری جماعت کے لئے بے چینی کا دور تھا جس میں حملہ آوروں کی یکے بعد دیگرے خود مختار حکومتیں قائم ہوئی تھیں جن میں سلجوق، منگول یا تیموریوں کے مختلف ادوار میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوئیں خود مختار سرداروں کی الگ الگ حکومتیں وجود میں آئیں اُن کے درمیان لڑائی جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ایسے

دوران کسی علمی کام کا سرانجام دینا ممکن نہیں تھا اور بدخشان اور یہاں کے بلند ترین پہاڑوں پر واقع ہونے کی وجہ سے الگ تھلگ علاقہ تھا اور ترقی کے تمام راستے مسدود تھے ایسے میں ناصر خسروؒ کی تعلیم و دعوت کی ترویج ہوئی جبکہ یہ کامیابی فارس کے صوبہ جات میں نہ ہو سکی تھی۔ صرف یہ بات مشہور تھی کہ ناصر خسروؒ نے مقامی لوگوں کو اسماعیلی مذہب میں تبدیل کر دیا اور یہ بھی یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک مکتبۂ فکر چھوڑا ہے جس نے بعد میں ان کے طرزِ تعلیم کو جاری رکھا۔"

جیسا کہ اس بات کا ذکر ہوا کہ بدخشان اور وسطی ایشیاء کے اسماعیلی علاقوں میں بھی بعض ایسے مقامی خاندان گزرے ہیں کہ جن کے ہاتھوں میں مذہبی قیادت رہی۔ نیز تاریخی حوالے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سرزمینِ بدخشان میں حضرت پیرؒ کی دعوت سے پہلے اسماعیلی دعوت کی داغ بیل پڑی تھی۔ اس بارے میں نیو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل "اسماعیلیہ" میں مذکور ہے کہ:

"بالائے آموں (ماوراالنہر) کے اسماعیلیوں میں نزاری دعوت سقوط الموت سے قبل کی ہے۔ اگرچہ صحیح تاریخ و احوال کا علم نہیں۔ شغنان کی مقامی روایات کے مطابق داعی سیّد شاہ ملنگ اور شاہ خاموش کو جنھیں امامؑ (امامؑ کا نام نہیں دیا گیا) نے یہاں بھیجا تھا انہی سے پیروں اور امیروں کی بنیاد پڑی جو شغنان پر حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح پیروں کے مقامی خاندانوں نے دعوت جاری رکھی ہے۔ یہاں پر نزاری جماعت کے افراد بھی ہیں۔ جو آغا خان کو اپنا امامؑ

تسلیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ غزنہ، چترال، گلگت و ہنزہ میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں پر مولائیؔ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہ لوگ کاشغر و یارقند کے علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں" ؎

وسطی ایشیاء کے ان مختلف علاقوں میں مقامی خاندانوں کی قیادت کے بارے میں حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"وسط ایشیاء میں اسماعیلیوں کی قیادت بعض خاندانوں میں موروثی طور پر چلی آرہی ہے اور یہ سلسلہ صدیوں سے نسلاً بعد نسل جاری ہے۔ افغانستان، روس اور چینی ترکستان میں میرے پیروؤں کی کیفیت امر یہی ہے بعض خاندان اسلام لانے کے بعد سے امامؑ کے نمائندے کی حیثیت سے انتظام کرتے چلے آئے ہیں۔ مقامی قیادت ایک نسل سے دوسری نسل تک قریبی رشتے کی بنیاد پر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ بعض اوقات موروثی سردار اور بعض اوقات دنیوی حاکم۔ جیسے کہ ریاست ہنزہ کے حاکم کی مثال ہے جو ایک اسماعیلی ہے، مذہبی اخوت کا ناظم ہوتا ہے۔"

درج بالا حوالہ جات اور امامؑ کے بیان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیر موصوف نے جس دعوت کی داغ بیل ڈالی تھی اُسے فروغ دینے میں ان مقامی خاندانوں کا ہاتھ رہا ہے۔ جنھوں نے نہایت مشکل حالات میں اس دعوت الحق کو جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی انتھک کاوشوں کی بدولت اسی دعوت فکر سے تعلق رکھنے والے افراد آج کثیر تعداد میں حدود

بدخشاں کے علاوہ وسطی ایشیاء کے مختلف علاقہ جات میں پائے جاتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو کہ بعض جگہوں میں علاقائی سیاسی قیادت بھی اسماعیلیوں کی رہی ہے اور جہاں سیاسی قیادت اسماعیلیوں کی نہیں رہی وہاں کی مذہبی قیادت اُن موروثی مکھیوں اور معلمین کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ جن کا تعلق سادات خاندان سے تھا اور جنھیں امامؑ کی طرف سے معلمان یا موروثی مکھی، کا خطاب بھی ملا کرتا تھا۔ مثلاً بدخشان و چترال میں اور غذر میں سادات خاندان اور ادھر ماضی قریب میں مہتر کی قیادت رہی ہے۔ ان موروثی مکھیوں و معلموں کے نام امامؑ کی طرف سے تعلیقہ جات آتے تھے۔ البتہ مقامی طور پر ان منصب کو پیر ہی کہا گیا ہے۔

بدخشان کے ان موروثی مکھیوں نے پیر ناصر خسروؒ کی دعوت کو جاری رکھنے میں اپنے جان و مال کی بازی لگائی ہے چنانچہ آج بھی اس خطّے کے لوگ ان بزرگانِ دین کے چھوڑے ہوئے اس مذہبی ورثے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ بحوالہ تاریخ خلفائی فاطمی ص۲۸، دیوان اشعار مقدمہ ص

۲۔ Tribes of The Hindoo Koosh, p. 190.

۳۔ ناصر خسرو و اسماعیلیان ص۱۸۵

۴۔ دیوانِ اشعار ص۳۷۸

۵۔ The Nizari Ismaili Tradition in the Indo Pak Sub-Continent, p. 28.

۶- بحوالہ مقدمہ جامع الحکمتین ص۵

۷- Forward of Si. Wu Shish Sahifa, p. 13.

۸- "Ismailia", E.I. Vol. 4 (New edition) p. 202.

۹- The Memoirs of Aga Khan pp. 183-184.

کتابیات

۱- سیف آزاد، ڈاکٹر عبدالرحمٰن — تاریخ خلفائے فاطمی
از نشریات ادارہ مجلہ ایران باستان
تہران ۱۳۳۲ھ

۲- برتلس، آئی، ای — ناصر خسرو و اسماعیلیان
ترجمہ: سی آرین پور۔ انتشارات فرہنگ ایران

۳- سہراب ولی، سید — سی و ششش صحیفہ
بہ تصحیح ہوشنگ بھائی در مطبع کیہان
تہران ۱۹۶۱ء

۴- خسرو، حکیم ناصر — جامع الحکمتین
بہ تصحیح و مقدمہ فارسی و فرانسوی پرفیسر
ہنری کوربن و دکتر محمد معین
تہران، ایران

۵- طرزی، عبدالوہاب — ناصر خسرو بلخی حکیم و شاعر قرن پنجم ہجری
افغانستان

۶- محمد زادہ، قربان — تاریخ بدخشان
اکادمی علوم جمہوریہ شوروی سوسیالیتی
تاجکستان، ماسکو ۱۹۸۳ء

۷- اسلامی انسائیکلوپیڈیا — "بدخشان"
شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی

۸- ہنزائی، فقیر محمد — اسماعیلی مشاہیر ۳ "سیدنا حکیم ناصر خسرو ق س"
دی شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن
برائے پاکستان
کراچی۔ ۱۹۷۴ء

۹- Aga Khan III, Sultan Mohammad Shah,
MEMOIRS OF THE AGA KHAN
Cassel & Co. Ltd. London, 1954.

۱۰- Browne, , E.G.
A LITERARY HISTORY OF PERSIA
"Nasir-i-Khusraw".

۱۱- Biddulph, John.
TRIBES OF THE HINDOO KOOSH.
Indus Publication, Karachi, 1977.

۱۲- Ivanow, W.
NASIR-I-KHUSRAW AND ISMAILSIM.
Ismaili Society Series, Bombay.

۱۳- E.I. (New edition) Vol. 4.
"Ismailia".

وسطی ایشیاء کی اسماعیلی دعوت میں خلیفہ کا کردار

(سید موسیٰ الہاشمی)

ارشادِ ربانی ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۱۶/۱۲۵)۔

" یعنی تو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی وعظ کے ساتھ بُلا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ربّ العالمین نے "وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ (۳۳/۴۶) یعنی اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اِذن سے بُلانے والا" کا خطاب دیا ہے چنانچہ اس اصول کے تحت اَئمّہ علیہم السلام نے ہر زمانے میں اسماعیلی دعوت کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

اگرچہ اسماعیلی نظامِ دعوت کو بعض مخالفین نے مخالفانہ و متعصبانہ رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ایسے مخالفین کی آراء کی تردید اسماعیلی داعیوں کی اُن کتابوں سے ہوتی ہے جو اسماعیلی دعوت میں نہایت ہی ثقہ اور مستند مانی جاتی ہیں۔ یہی وہ نظام ہے جو بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور انقلاباتِ زمانہ کے مختلف مراحل سے گزر کر ہر زمانے میں اپنی حقیقی روح کے ساتھ ایک نئے رنگ و روپ میں بدستور جاری رہا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وسطی ایشیاء میں اسماعیلی مذہب کی نشر و اشاعت اور استحکام کا سہرا سیدنا ناصر خسروؒ ہی کے سر

[illegible] یہ ان ہی کی تعلیمات کا ثمرہ ہے کہ آج ان علاقوں میں جو اسماعیلی مسلمان آباد ہیں وہ جغرافیائی حدود، سیاسی، لسانی اور ثقافتی امتیازات کے باوجود اپنی مذہبی وابستگی اور تشخص کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ پیر موصوف کی یہی وہ تعلیمات ہیں جن سے نہ صرف انسانی اذہان یکسر بدل گئے ہیں بلکہ اس خطے کی تہذیب و تمدن اور ثقافت میں بھی انہی تعلیمات کا رنگ جھلکتا ہے۔

ایران، افغانستان، چترال، چینی ترکستان، روسی ترکستان اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں اسماعیلی مذہب کا فروغ، اور اسکی نشر و اشاعت فاطمی دور کے نظامِ دعوت کا ایک ثمرہ ہے، اس وقت کے نظامِ دعوت کی اصطلاح میں دنیا کے مختلف خطوں کو مختلف جزیروں سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے خراسان اور بدخشان بھی دعوت کا ایک جزیرہ شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ اس جزیرے میں سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا بحیثیتِ حجت مقرر کیا جانا تاریخ اور خود آپ کی تصانیف سے واضح ہے۔ جب ہم اسماعیلی نظامِ دعوت کو اس وقت کی تصانیف میں دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کا نظامِ دعوت قانونِ فطرت سے مکمل ہم آہنگ تھا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (۳/۱۹۰)۔ یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں صاحبانِ عقل کے لئے البتہ نشانیاں ہیں۔

اس نظامِ دعوت پر روشنی ڈالتے ہوئے سیدنا پیر ناصر خسروؒ اپنی ایک تصنیف "شش فصل" کے باب پنجم میں فرماتے ہیں۔

"نفسِ انسانی جو اس جسم سے وابستہ ہے (اس جسم) کو زمین سے جُدا نہیں کیا جاسکتا ہے جو جسمِ انسانی کی غایت ہے اِسی طرح زمین کو پانی سے الگ نہیں کیا جا سکتا جو زمین کی حد ہے یا اس (پانی) کی تری سے یہ (زمین) پیدا کی گئی ہے اور اسی طرح پانی کی حد ہوا ہے اور ہوا کی آگ ہے جس سے یہ ماخوذ ہے۔ یہی حال نظامِ دعوت کا بھی ہے جس میں مستجیب سے امام تک تمام حدود باہم وابستہ ہیں۔ چنانچہ فاطمی خلافت کے دور میں اسماعیلی نظامِ دعوت کے مطابق دین میں مستجیب امامِ حق سے جو کہ آسمان کے درجے پر ہیں حدود کے ذریعے وابستہ ہے اور نظام سے باہر کچھ بھی نہیں۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ نے اپنی تصنیف "وجہِ دینؒ" میں جو کہ ارکانِ شریعت کی تاویل پر مبنی ہے اس نظام کی وضاحت کی ہے کہ امام شناسی اور معرفت کے لئے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور ہدایت کا سلسلہ حالات و واقعات کے تقاضے کے مطابق کس طرح بدلتا رہا ہے اور کس انداز سے نئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا رہا ہے۔

ماضی قریب تک چترال بشمول شمالی علاقہ جات اسماعیلی دعوت میں حدود بدخشان کا حصّہ شمار ہوتے تھے جس کا ثبوت ہمیں ان فرامین سے بھی ملتا ہے جو اس خطّے کی جماعت کے نام بھیجے جاتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ باور کرنا درست نظر آتا ہے کہ ایک طویل عرصہ تک یمگان میں اپنی سکونت کے دوران حضرت پیر ناصر خسروؒ بنفسِ نفیس چترال بھی تشریف لا چکے ہوں۔ چونکہ چترال اور یمگان کے درمیان ایسی جغرافیائی حدیں حائل

عوامل جو اس بات کو ناممکن بنا دیں۔

اس خطے میں حضرت پیر موصوف نے دعوت کا جو نظام قائم کیا تھا اس کے کئی پہلو ہیں ان میں سے ایک پہلو اسماعیلی دعوت میں خلیفہ کا کردار بھی ہے۔ خلیفہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی پیچھے آنے اور جانشین کے ہوتے ہیں۔ اور عام اسلامی اصطلاح میں یہ لفظ رسولؐ کی نیابت کے لئے بھی مستعمل رہا ہے لیکن وسطی ایشیاء کی اسماعیلی اصطلاح میں یہ لفظ ماذونِ اصغر کے معنی میں مستعمل ہوتا رہا ہے جو معلّم کی غیر موجودگی میں یا اس کے اذن سے جماعت کی مذہبی تعلیم و تربیت اور رسومات کی ادائیگی میں اس کی نیابت کرتا رہا ہے۔

خلیفہ کی اس اصطلاحی تعریف کے تحت حدودِ بدخشان سے علاوہ چترال، گلگت، چینی ترکستان اور روسی ترکستان تک کے سارے علاقے آتے ہیں اور اس بات کی تصدیق حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے "وہمگی آن مخلصان از سخن و صلاح معلّم و خلیفۂ خود بدر نباشند" یعنی اور تمام مخلصوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے معلّم اور خلیفہ کے قول و صلاح کے دائرے سے باہر نہ رہیں۔ (جمادی الاوّل ۱۳۳۴ھ)

اسماعیلی دعوت کی کتب اور وسطی ایشیاء کے مذہبی رسم و رواج سے پتہ چلتا ہے کہ ماذونِ اصغر یا خلیفہ کا تقرر ماذونِ اکبر یا معلّم کرتا تھا۔ خلیفہ کے پاس اگرچہ علم زیادہ نہ بھی ہو مگر یہ لازمی شرط تھی کہ وہ باعمل، صاحبِ اعتقاد، مخلص اور صدق و صفا کا حامل ہو تاکہ مؤمنین دل و جان سے اس کی بات قبول کریں اور تمام معاملات میں اس کی تابعداری کریں۔ اس لئے یہ لازم تھا

کہ مذہب کے جن مسائل کا اسے علم نہ ہو ان کے لئے اپنے معلم سے رجوع کرے اور یہ نہ کہے میں نہیں جانتا ہوں بلکہ یہ کہے کہ میں اپنے معلم سے معلوم کرکے آپ تک پہنچاؤں گا - خلیفہ کی ذمہ داری میں مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی ہوتی تھی -

۱- معلم کی اجازت سے اپنے حلقے کی جماعت کی مذہبی تعلیم و تربیت کرنا -
۲- شادی کے موقع پر نکاح خوانی اور نیک شگونی کے لئے دعائے خیر کرنا -
۳- بچوں کی پیدائش پر کلمہ سنانا، عقیقہ اور نام رکھنے کی رسم ادا کرنا -
۴- بچوں کے ختنے کے موقع پر دُعا کرنا -
۵- جماعت کی اجتماعی اور انفرادی نذر و نیاز کے موقع پر دُعائے خیر کرنا -
۶- طبّی سہولیات کی عدم موجودگی میں جماعت کے لئے دَم، دُعا اور تعویذ وغیرہ کا فریضہ انجام دینا -
۷- حالتِ نزع میں مریض کو کلمہ تلقین کرنا اور سورۂ یاسین کی تلاوت کرنا -
۸- موت کی صورت میں تجہیز و تکفین کی رسومات کی ادائگی کا فریضہ انجام دینا -
۹- موت کے تیسرے دن متوفی کے ایصالِ ثواب کے لئے چراغ روشن کی رسم ادا کرنا -
۱۰- ساتویں تک متوفی کے گھر میں فاتحہ اور قرآن خوانی کرنا -
۱۱- جماعت خانوں کے لئے مُکھی کامڑیا کے تقرر سے قبل

جماعت کا مال واجبات جمع کرنا بھی شامل تھا -

۱۲- مجلسِ دعوتِ لقاء کے دوران انجام دی جانے والی رسومات، دُعاؤں اور چراغ روشن کی ادائگی بھی خلیفہ ہی کے ذمے ہوتی تھی -
۱۳- سماجی نوعیت کی تقریبات میں جماعت کی نیک شگونی کے لئے دعائے خیر کی انجام دہی بھی خلیفے کے ذمّے ہوتی تھی -

خلیفہ سے متعلق مذکورہ بالا فرائض کے تناظر میں جب غور کیا جاتا ہے تو اس علاقے میں اسماعیلی نظامِ دعوت کا ایک ایسا مربوط اور منظم سلسلہ ہمارے سامنے آتا ہے - جس کا مقصد دعوت کی روح کو برقرار رکھ کر زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کا مقابلہ کرنا ہے تاکہ ہر دور میں جماعت کے اندر ایک نیا ولولہ اور جذبہ اُبھرے - جب ہم اس نظامِ دعوت پر غور کرتے ہیں تو اپنے ان داعیوں کی فکر و نظر اور تدبّر کو خراجِ تحسین اور سلامِ عقیدت پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں جنھوں نے مختلف نامساعد حالات میں بھی امام کی تائید سے ایک ایسی حکمت عملی وضع کر لی جس نے اسماعیلی مذہب کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ آئندہ نسلوں کے لئے روشن مثالیں قائم کیں -

یہ بات درست ہے کہ ادوارِ ماضیہ میں خلیفہ اپنی مذہبی ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنے حلقے کی جماعت میں مثالی شخصیت کا حامل ہوتا تھا اور جماعت کی مذہبی وحدت و یگانگت کے لئے ایک فوری ذریعہ شمار ہوتا تھا -

ماضی قریب تک خلیفہ اپنے منصب کے اعتبار سے اس خطّے کی جماعت میں ایک با اختیار ادارے کی حیثیت رکھتا تھا -

جس کو یہ حیثیت اپنے متعلقہ معلم سے حاصل ہوتی تھی لیکن جوں جوں اس خطے کی جماعت کا امام الوقت سے رابطہ بڑھتا گیا اور حالات سازگار ہوتے رہے تو امام الوقت نے یہاں کی جماعت کو بھی دستور العمل عنایت فرمایا اور مختلف ادارے معرضِ وجود میں آئے لہٰذا اسی دستور کے تحت وہ بہت سارے اختیارات جو ایک فردِ واحد کے پاس ہوتے تھے امام الوقت نے ان مختلف اداروں کو تفویض فرمادیئے اور اب خلیفہ کے پاس جو عملی خدمات باقی رہ گئی ہیں وہ اموات کے موقع پر تجہیز و تکفین، چراغ روشن، ماتم زدہ گھر میں قرآن خوانی و فاتحہ خوانی اور شادی کے موقع پر نکاح خوانی وغیرہ کی صورت میں باقی ہیں۔

مقالہ جات گلگت سیمینار

۸، ۹ر نومبر ۱۹۹۰ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خطبۂ استقبالیہ

قابلِ احترام مہمانِ خصوصی جناب رائی نور علی کرم علی
پریزیڈنٹ شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ
برائے پاکستان

معزز خواتین و حضرات!

سب سے پہلے میں سیّدنا پیر ناصر خسروؒ پر منعقد ہونے والے اس سیمینار میں آپ سب کو شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے گلگت، ہنزہ، گوپس/ یاسین اور پونیال/ اشکومن کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

معزز خواتین و حضرات! آپ میں سے اکثر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہمارے طریقے کی چودہ سو سالہ تاریخ میں بہت سی ایسی نامور اور بزرگ ہستیاں گزری ہیں، جو امامِ زمانہؑ کے ساتھ اُن کی وفاداری، امامؑ اور جماعت کی بے لوث خدمت اور دعوت الحق کی خاطر اُنکی عظیم ایثار و قربانیوں کی وجہ سے ہماری تاریخ کے روشن ستارے شمار ہوتے ہیں اور اُن کے بلند کردار، اخلاق اور عزم و حوصلہ کی مثالیں ہمارے لئے سنگِ میل اور مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ قؔ س کا شمار بھی ہماری دعوت اور تاریخ کے اُن نامور اور روشن ستاروں میں ہوتا ہے جن کا نام دنیائے علم و ادب میں عام طور پر اور اسماعیلی دعوت کی تاریخ میں خاص طور پر سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

سامعینِ کرام! آج سے ایک ہزار سال قبل پیرِ نامدار ہمارے اٹھارہویں امام حضرت مستنصر باللہ علیہ السلام کی طرف سے اسماعیلی دعوت کے عظیم رُتبے یعنی درجۂ حجّتی پر فائز ہو کر قاہرہ سے خراسان و بدخشان کی طرف واپس لوٹے، وہ مطلق العنان بادشاہوں اور سلاطین کا دور تھا۔ چنانچہ اُن انتہائی نامساعد حالات کے باوجود اس حکیمِ نامور نے بے شمار قربانیاں دے کر اس خطّۂ زمین پر اسماعیلی دعوت کی شمع روشن کی اور سب سے اہم اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف ذاتی طور پر تبلیغ و دعوت کا فریضہ انجام دیا بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور بے پایاں علم و فضل کی بدولت بہت سے شاگردوں اور داعیوں کا جال بچھانے کے ساتھ ساتھ بہت سی گرانمایہ کتابیں بھی تصنیف کیں۔ جس کا ایک نہایت مثبت اور دُوررس نتیجہ یہ نکلا ہے کہ گزشتہ ایک ہزار برس سے تمام وسطی ایشیاء میں، جس میں چاین، روس، افغانستان، چترال اور شمالی علاقہ جات شامل ہیں بہت سے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی انقلابات اور تبدیلیوں کے باوجود اسماعیلی دعوت برابر پروان چڑھتی رہی ہے۔ اسماعیلی دعوت کا یہ ناقابلِ تسخیر استحکام اور استواری کی بنیاد یقیناً پیر ناصر خسروؔ ق س کی وہ تعلیمات ہیں جن کی اساس روحِ اسلام سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ اس علاقے کی سماجی اور عمرانی نفسیات کے بھی عین مطابق ہے یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں کی جماعتوں کو پیر ناصر خسروؔ ق س اور آپ سے منسوب روایات کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے اور تاریخ کے اس طویل سفر میں نہایت کامیابی کے ساتھ اپنے مقدس عقیدے کا تحفّظ کیا ہے اور امامِ زمانؑ کے دامن کو نہایت استواری کے

[illegible] قائم رکھا ہے۔ یہاں کی جماعتوں کی نظر میں یہ کام حکیم ناصر خسروؔ اور آپ کے شاگردوں کا ایک ایسا احسان ہے جس کا حق کبھی ادا نہیں ہو سکے گا اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج ایک ہزار سال گزرنے کے بعد امامِ زمانہؑ نے آپ کے کلام اور تعلیمات کی حوصلہ افزائی کی ہے اور آپ کے کلام کو شائع کرنے پر پاکستان طریقہ بورڈ کو مبارک باد دی ہے۔

محترم مہمانِ خصوصی! امامِ زمین و زمانؑ کے فضل و کرم سے آج پوری دنیا میں اسماعیلی جماعت کا معیارِ تعلیم بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ امام الوقتؑ کی نظرِ کرم کی بدولت شمالی علاقہ جات میں بھی دن بدن لکھے پڑھے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ حالت اس امر کا متقاضی ہے کہ آج کے اسماعیلی نوجوانوں اور اہلِ علم کو اپنے مذہب اور اپنی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے کے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر مواقع فراہم کئے جائیں۔ اگر حالات کا جائزہ اس تناظر میں لیا جائے تو اس سیمینار کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے چونکہ اس محفل میں پڑھے جانیوالے مقالوں سے محترم سامعین کو نہ صرف ہماری تاریخ کی ایک نامور ہستی کی فداکاریوں اور کارناموں سے واقفیت ہوگی بلکہ بہت سی علمی باتیں بھی سامنے آئیں گی اور شاید یہی کام اس سے بھی زیادہ وسیع پیمانے پر علمی سرگرمیوں کے لئے میدان ہموار کرے گا چونکہ وقت اور حالات کا بھی یہی تقاضا ہے۔

یہاں میں شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ کے چیئرمین صاحب رائے نور علی سے یہ گزارش کروں گا

کہ سیدنا حکیم ناصر خسرو ق س کی کتابیں چونکہ فارسی زبان میں ہیں،
وقت اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ان گرانمایہ کتب کو اُردو
زبان میں منتقل کر کے جماعت کے تعلیم یافتہ افراد کے لئے دستیاب
بنانے کا ایک منصوبہ بنایا جائے اس سے نہ صرف ہمارے نوجوانوں
کے لئے مذہبی مواد تیار ہوگا بلکہ انہیں امام شناسی اور دین فہمی
میں بھی مدد ملے گی۔ نیز اس سیمینار میں پڑھے جانے والے
مقالوں کو بھی کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

آخر میں ایک بار پھر شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس
ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان کے چیئرمین صاحب کا شکریہ
ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس سیمینار کی منظوری دے کر یہ
مستحسن قدم اٹھانا ہمارے لئے ممکن بنایا اور آپ سب کو بھی
خوش آمدید کہنے کے ساتھ ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ
نے اس علمی محفل میں شرکت کی۔

گلبانخان
چیئرمین
شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ و ریلیجس ایجوکیشن علاقائی بورڈ
گلگت
۸ر نومبر ۱۹۹۰ء

خطبۂ صدارت

والی لورڈ علی ایچ کرم علی۔ چیئرمین اسماعیلی طریقہ بورڈ برائے پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز خواتین و حضرات یا علیؑ مدد! سب سے پہلے میں
آج کی اس تقریب منعقد کرنے والوں کو اپنی جانب سے اور
اسماعیلی طریقہ بورڈ برائے پاکستان کی ایگزیکیٹو کمیٹی کی
جانب سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ہم آج کے انتظامات
کو دیکھ کر یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ لوگوں نے اس سیمینار
کو منعقد کرنے کے لئے کتنی محنت، زحمت اور تکلیف اٹھائی
ہوگی۔ اس پروگرام کو کامیاب کرنے کے لئے اور اس کی
رونق کو دوبالا کرنے کے لئے جو مہمان، جماعت کے لیڈران
اور شمالی علاقہ جات کی دیگر جماعتوں کے لیڈران اور طریقہ بورڈ
کے عہدیداران و ممبران اور چترال کے ریجنل بورڈ کے چیئرمین
اور کونسلوں کے صدر صاحبان اور یہاں کی جماعتوں کے
مکھی کامڑیا صاحبان اور ممبران تشریف لائے ہیں۔ اُن کو بھی
خوش آمدید کہتے ہیں۔

خواتین و حضرات!

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ آج کی تقریب اور پروگرام
منعقد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا حکیم ناصر خسروؒ کی زندگی کے
مختلف پہلوؤں اور منصبِ امامت اور اسماعیلی طریقے کے
سلسلے میں انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن سے جماعت کو

آگاہ کیا جائے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس قسم کا ایک اور سیمینار طریقہ بورڈ کی جانب سے گزشتہ سال چترال کے دو مقامات بونی اور گرم چشمہ میں منعقد کیا جا چکا ہے۔ جن میں پہلے واعظین اور اسکالرز صاحبان نے سیّدنا ناصر خسروؒ کی زندگی، تعلیمات اور خدمات کو نہایت ہی مفصّل اور شاندار طریقے سے اپنے مقالوں میں پیش کیا تھا جن کو ہماری چترال کی جماعت اور لیڈران نے نہایت ہی سراہا تھا۔ اُس کے لئے واعظین اور اسکالرز نے نہایت ہی محنت سے مقالہ جات تیار کئے جن کو بعد میں ایک رسالے کی صورت میں ترتیب دیا گیا تھا اور اُن کا انگریزی ترجمہ بھی کیا گیا تھا اور اُن کی کاپیاں دنیا کی مختلف لائبریریوں، انسٹی ٹیوٹ آف اسماعیلی اسٹڈیز لندن اور انگلینڈ میں بھی بھجوائی گئی تھیں اور مولانا حاضر امامؑ کے حضور میں بھی اس کی رپورٹ بھیجی گئی تھی۔

اس سلسلے کا یہ دوسرا سیمینار ہے جو آج گلگت میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ یہ آج اور کل دو دن جاری رہے گا جس میں طریقہ بورڈ کے واعظین اور اسکالرز صاحبان اور دیگر قابلِ احترام اسکالرز اپنے اپنے مقالہ جات پیش کریں گے۔ اس کے لئے انہوں نے سخت محنت سے مواد تیار کیا ہے جو آپ کے سامنے پڑھا جائے گا۔ امید ہے کہ اس سے نہ صرف ہماری شمالی علاقہ جات کی جماعت مستفیض ہوگی۔ بلکہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی اس علاقے کے لئے دعوت، خدمات اور اسماعیلی طریقے کی تعلیمات کے متعلق اپنے علم میں اضافہ کرے گی جو اس سیمینار کا بنیادی مقصد ہے۔ یہ سیمینار کراچی میں بھی منعقد کیا جا سکتا تھا لیکن چونکہ یہ علاقہ جات

جہاں حکیم ناصر خسروؒ کی دعوت کے مرکز تھے۔ اس لئے ان علاقوں کی جماعتوں کے علم میں خاص طور پر اضافہ کرنا مقصود تھا اس لئے یہ پروگرام پہلے چترال میں اور آج گلگت میں منعقد کئے گئے ہیں۔

معزز خواتین و حضرات!

جیسا کہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور ہماری تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ہمارے ماضی کے داعیوں نے مذہب کے اور امامؑ کے مشن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کتنی تکالیف اٹھائی ہیں۔ ہزاروں میلوں کا سفر سالوں تک طے کرکے دُور دراز علاقوں میں دینِ حق کی دعوت پہنچائی۔ اس زمانے میں سفر کی سہولتیں میسّر نہیں تھیں جو آج ہمیں حاصل ہیں۔ اُس وقت نہ موٹر کاریں تھیں، نہ ریل اور نہ ہوائی جہاز تھے بلکہ انہوں نے یہ سفر پیدل طے کئے، دشوار گذار پہاڑی اور میدانی علاقوں سے گزرے، دریاؤں کو عبور کیا۔ اس کے لئے وہ کئی سالوں تک اپنے گھر بار اور بال بچوں سے دُور رہتے، بھوکے، پیاسے اور ننگے پاؤں سفر کرتے رہتے۔ لیکن اُن کے دلوں میں امامؑ کی محبت تھی اور عشق کا جذبہ موجود تھا۔ اُن کا ایمان پہاڑ کی طرح مضبوط تھا وہ مشکلات کی پرواہ کئے بغیر ایک ہی لگن اور دُھن میں آگے بڑھتے گئے۔ ہماری تاریخ ایسے کئی ستاروں سے جگمگا رہی ہے۔ مثلاً سیّدنا ابو عبداللہ الشیعیؒ، سیّدنا المؤید فی الدین شیرازیؒ، سیّدنا حمیدالدین کرمانیؒ، سیّدنا حسن بن صباحؒ، پیر ست گرنورؒ، پیر شمسؒ، پیر صدرالدینؒ وغیرہ اُن میں ایک قابلِ احترام نام سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ کا بھی ہے جنھوں

نے پہلے تو اپنا گھر بار چھوڑ کر مصر کی طرف سفر کیا اور وہاں پر اسماعیلی باطنی تعلیمات سے اپنے ایمان کو جلا بخشی۔ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السّلام کے دیدارِ مبارک سے فیضیاب ہوئے۔ اور حجتِ خراسان و بدخشان کے عظیم عہدے پر فائز ہونے کے بعد واپس ہوئے۔ اس لئے آپ حجّتِ جزیرۂ خراسان و بدخشان کے نام سے مشہور ہیں۔ جب آپ نے واپس آکر اس علاقے میں اسماعیلی دعوت کو پھیلانے کا کام شروع کیا تو آپ کے راستے میں بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ اور اُس وقت کے حکمرانوں نے آپ کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ وہ علمی میدان میں سیّدنا ناصر خسروؒ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے اسماعیلی طریقے کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا اور وہاں کے عوام کو بھی آپ کے خلاف اُکسایا۔ اس لئے آپ کو اپنا مرکز وہاں سے تبدیل کرنا پڑا اور آپ یمگان کی طرف چلے گئے۔ اور آپ نے وہاں قیام فرمایا اور یہاں سے ہی اپنی دعوت کے کام کو منظم کیا اور آپ کی انتھک کوششوں کی بدولت بدخشان کے اردگرد کے علاقوں میں مثلاً واخان، سریقول، یارقند، بخارا، شغنان اور چترال میں اسماعیلی دعوت پھیلی۔ ان مشکلات کے باوجود آپ یہاں سے ہر سال ایک کتاب لکھ کر دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرف بھیجتے رہے جس میں امامؑ کی محبت، عشق، اہلِ بیت کے گھرانے سے لگاؤ اور اسماعیلی طریقے کی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔ یہ پیر ناصر خسروؒ کی قائم کی ہوئی دعوت کا نتیجہ ہے کہ آج شمالی علاقہ جات، چترال، افغانستان اور بدخشان میں اسماعیلی دعوت کی روشنی جگمگا رہی ہے۔ یہاں پر ایک بات

یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان داعیوں نے اپنے اپنے زمانے میں علاقے کی نوعیت، کلچر اور حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسماعیلی دعوت کی اشاعت کی اور اُن علاقوں کا جو ثقافتی پس منظر تھا اس کو سامنے رکھ کر امامؑ اور اسماعیلی طریقے کی اشاعت کی اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا اور آج اگر ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف علاقوں میں بسنے والی اسماعیلی جماعت کی رسومات میں کچھ فرق پایا جاتا ہے تو ہمارے لئے کسی کمزوری کا باعث نہیں ہے بلکہ ہماری مضبوطی کا راز ہے۔

جیسا کہ مولانا حاضر امامؑ نے فرمایا کہ

"ہمارے طریقے کی گوناگونی (DIVERSITY) ہماری مضبوطی کا باعث ہے۔"

ان امتیازات کے باوجود جو ہمارے بعض داعیوں اور پیروں کی تعلیمات میں نظر آتے ہیں ان کا بنیادی نقطۂ نظر ایک ہی تھا اور وہ امام علیہ السّلام کی شناخت اور اطاعت تھا۔ اس کو انہوں نے نہایت ہی شاندار طریقے سے لوگوں تک پہنچایا اور پھیلایا اور ان سیمیناروں کا مقصد بھی یہی ہے کہ اُن داعیوں کی تعلیم اور علم سے جماعت کو مستفیض کیا جائے اور ان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ سیمینار شمالی علاقہ جات کی جماعت کے لئے دینی تعلیم کے سلسلے میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگا۔

آخر میں میں اپنی جانب سے اس سیمینار کا شاندار انتظام کرنے کے لئے ریجنل طریقہ بورڈ گلگت کے چیئرمین صاحب، سیکریٹری صاحب، دیگر ممبران اور ان تمام لوگوں کا جنھوں نے

بالواسطہ یا بلاواسطہ حصّہ لیا ہے۔ ہمارے واعظین اور اسکالرز جنھوں نے نہایت ہی محنت اور لگن سے مقالہ جات تیار کئے ہیں، اُن تمام کی خدمات کی ہم قدر کرتے ہیں اور اُن کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ سب کو مبارکباد اور بہت بہت شکریہ اور یا علی مدد!

کلیدی تقریر

عزیز اللہ نجیب

نام نیک رفتگان ضائع مکن
تا بماند نام نیکت در جہاں

اسماعیلی دعوت کی تاریخ حوادثات زمانہ کے نشیب و فراز سے پُر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت غنی اور باشکوہ بھی ہے۔ یہاں صرف شمشیر و سنان کے معرکے ہی نہیں بلکہ کلک و قلم کے شہ پارے بھی ہیں۔ یہ عزم و ایثار اور قربانی کے ساتھ علم و عقل اور فکر کی بھی داستان ہے۔ یہ ائمۂ اہلبیت کے غلاموں میں سے صرف ابو عبداللہ الشیعی، غازی جوہر اور حسن صباح کی جوانمردی کی ہی روئیداد نہیں بلکہ جعفر ابن منصور الیمن، ابو یعقوب السجستانی، ابو حاتم الرازی، حمید الدین الکرمانی، المؤید فی الدین شیرازی، حکیم ناصر خسرو، پیر شمس اور پیر صدر دین جیسے مایۂ ناز مبلغوں اور داعیوں کی سرگزشت بھی ہے جنھوں نے امام الوقت کے امر سے دعوت الحق کی تاریخ پر علم و عمل اور ایثار و قربانی کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ہمیں اپنی تاریخ کی ان جلیل القدر ہستیوں کے کارناموں پر فخر ہے، جنھوں نے اپنے اپنے دور میں امامِ زمان کے امر و فرمان کے مطابق اقدامات کیں۔ شہر بسائے اور قلعے تعمیر کئے۔ مگر ہم عقیدت کا سلام بھیجتے ہیں اپنے اُن اسلاف پر بھی جنھوں نے مہدیہ، قاہرہ اور الموت کے در و دیوار کو با معنی بنانے کے لئے علم و

حکمت کے قلعے تعمیر کئے اور عقل و فکر کے شہر بسائے۔ فلسفہ و
کلام کی سنگلاخوں کو فکر کے پنجوں سے کھود کر سرزمین دعوت کو
خداوندی کے آبِ حکمت سے سیراب کیا اور دعوتِ ہادیہ پر
چلنے والے سالکینِ دین کے لئے دائمی زادِ راہ کا اہتمام کیا۔

معزز سامعین! سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کا شمار بھی ان ہی نامور ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جب آپ راہِ حق کی تلاش میں قاہرہ گئے تھے تو آپ کی آنکھیں محض قاہرہ کی دیواروں اور بازاروں سے خیرہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ وہاں کچھ ایسی چیزیں بھی تھیں جن میں قاہرہ کا حقیقی حسن پوشیدہ تھا۔ اس سے میرا مطلب علم و حکمت کے وہ سرچشمے ہیں جو امام زمانہ کے زیرِ سایہ تربیت پانے والے نامور داعیوں کے افکار سے پھوٹ رہے تھے جیسا کہ پیر نامدار خود اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

روزی برسیدم بدر شہر کان را　　اجرام فلک بندہ بد افلاک مسخر

(ترجمہ): ایک دن میں ایک ایسے شہر کے دروازے پر پہنچا جس کے لئے آسمان کے ستارے بھی غلام تھے اور افلاک بھی مسخر تھے

شہری کہ درو نیست جز از فضل منازل | باغی کہ درو نیست جز از عقل صنوبر

(ترجمہ): ایک ایسا شہر جس کی منزلیں علم و فضل کی تھیں۔ اور ایک ایسا باغ جس میں عقل کے صنوبر اُگے ہوئے تھے۔

ان اشعار میں سیّدنا نے قاہرہ میں رہنے والے اسماعیلی علماء اور مبلّغینِ دعوت کے علم و فضل کا ذکر کیا ہے جو ہماری مذہبی تاریخ کے ایک زرّین دور میں ہو گزرے ہیں۔ البتہ آج مہدیہ، قاہرہ اور الموت سے اسماعیلی جماعت کا کوئی عملی رشتہ نہیں رہا ہے۔ ہماری آج کی نسلوں کے ذہن

میں اس ظاہری طمطراق کا تصوّر صرف ماضی کی ایک خوشگوار یاد کی حد تک باقی ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ جن مقاصد کے حصول کی خاطر ہمارے فاتحین نے شہر اور قلعے بسائے تھے ہمارے مایہ ناز داعیوں کے گرانبہا علمی آثار کی بدولت وہ مقاصد ہمیں ایک حد تک حاصل ہوتے ہیں یہ علمی آثار وہ شہر اور قلعے ہیں جو کسی بھی چنگیز اور ہلاکو کی دسترس سے باہر ہیں۔

سامعین کرام: اس دنیا میں بے شمار انسان جنم لیتے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن کو سپردِ خاک کرنے کے بعد ان کے اپنے خویش و اقارب بھی بھول جاتے ہیں۔ بعض لوگ دنوں اور ہفتوں تک یاد کئے جاتے ہیں اور بعض مہینوں اور سالوں تک۔ مگر بعض ایسے افراد ہوتے ہیں جن کا نام بقول خواجہ حافظ جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہوتا ہے۔ اُن کی عظیم شخصیت اور عظیم کردار اُن کے بقاء و دوام کا باعث بنتا ہے۔ سیّدنا حکیم ناصر خسرو کا شمار بھی ایسے افراد میں ہوتا ہے۔ آپ کا علم و فضل، زہد و تقویٰ اور سب سے بڑھ کر اسماعیلی دعوت سے آپ کی وابستگی اور امامِ زمانہ کی اطاعت و محبّت نے آپ کے نام کو دوام بخشا ہے۔ گو کہ کئی دوسرے نامور اور عظیم افراد کی طرح اپنی زندگی میں آپ بھی ظلم زمانہ کے شکار رہے۔ مگر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد آج دنیائے علم و فضل کو اس گوہرِ بے بہا کی قدر و قیمت کا احساس ہونے لگا ہے۔ مشرق و مغرب کی بہت سی یونیورسٹیوں میں آپ کی کتب پر تحقیق ہو رہی ہے اور حد یہ ہے کہ اگر ناصر خسرو کے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی ورق مل جائے تو علم و فضل کے

قدردان اسے زر و جواہر میں تولنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ کے علم و فضل کا پہلو ہے مگر آپ کی عظمت کا دوسرا پہلو اسماعیلی دعوت کے ساتھ آپ کی وابستگی ہے۔ اس دعوت کی خاطر آپ نے مال و دولت اور عزت و منصب کو خیرباد کہا، غربت اور مسافرت کی زندگی اختیار کی۔ اہل و عیال، خویش و اقارب اور دار و دیار کی کوئی پرواہ نہ کی۔ یہ ناصر خسرو کی عظیم قربانی تھی جس کی بدولت آج سینٹرل ایشیا میں لاکھوں انسان امامِ زمانہ کی دامن گیری سے مشترف ہوئے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ ایک ہزار سال تک لاکھوں انسان امامِ زمانہ کے ساتھ کسی رسمی رابطے کے بغیر محض آپ کے نام اور آپ کی تعلیمات کا سہارا لے کر صراطِ مستقیم پر قائم رہے ہیں۔

سامعینِ کرام! مختصر عرض یہ ہے کہ آج کی اس مجلس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ اس علمی محفل کے ذریعے ہم اپنے اس محسن کا ذکرِ خیر کریں جس نے بہت سے مصائب کا مقابلہ کر کے اس خطۂ زمین پر دعوت الحق کا پرچار کیا اور پھر آپ کے بعد آپ کے شاگردوں، داعیوں اور پیروں کی مساعیِ جمیلہ کی بدولت وسطی ایشیا میں اسماعیلی دعوت کی شمع روشن رہی۔ چنانچہ آج کی یہ مجلس آپ کی شخصیت اور آپ کے گرانمایہ آثار و افکار اور تعلیمات کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے اور اسماعیلی دعوت کی اس عظیم شخصیت کی زندگی اور گرانمایہ افکار کی طرف اسماعیلی نوجوانوں اور اہلِ علم کو متوجہ کرنے کی ایک ابتدائی سعی ہے تاکہ ہماری نوجوان نسل کو یہ معلوم ہو کہ ماضی میں ہمارے

واضہوں نے کس طرح امام اور جماعت کی خدمت کی ہے، اور کتنی عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اس قسم کا ایک سیمینار گزشتہ سال ۹۰ء میں منعقد ہوا تھا جس کے نہ صرف وہاں کے اہلِ علم کے ذہنوں پہ مثبت اور خوشگوار اثرات مرتب ہوئے بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی اس کوشش کو سراہا گیا۔ امید ہے کہ اس علمی محفل سے بھی اہلِ علم و فضل بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور مستقبل میں اس عظیم داعی کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

آخر میں ہم شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ کے چیرمین رائے نور علی کرم علی کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے بڑی مسرت سے اس سیمینار کے انعقاد کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اپنے رفقائے کار کے ساتھ بنفسِ نفیس سیمینار میں شرکت فرما کر یہاں کی جماعت کی توقعات اور خواہشات کا احترام کیا۔ تمام مقالہ نگاروں کے بھی شکر گزار ہیں جنھوں نے طریقہ بورڈ کی دعوت پر فکر انگیز مقالے لکھے ہیں جو اس سیمینار میں پڑھے جائیں گے۔ اور آپ سب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اس علمی محفل میں شرکت کی۔

محترم سامعین! یہ موقع ہمیں ایک ہزار سال بعد ملا ہے اور شاعر نے شاید ایسی مناسبتوں کے بارے میں کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بہرحال بہت شکریہ۔

۸ر نومبر ۱۹۹۰ء

حکیم پیر ناصرِ خسرو قؔ س ایک علمی کائنات

(از قلم علامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جہانِ ظاہر عالمِ کبیر ہے، اور انسان عالمِ صغیر، جیسا کہ پیر ناصرِ خسرو نے "روشنائی نامہ" میں ارشاد فرمایا:

مرایں را عالمِ صغراش گفتند
مرآں را عالمِ کُبراش گفتند

(ترجمہ) اس یعنی انسان کو عالمِ صغیر کا نام دیا گیا ہے اور بیرونی جہان عالمِ کبیر یا عالمِ اکبر کہلاتا ہے، دیکھئے قاموس القرآنؔ صفحہ ۴۴۳ پر حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام کے حوالے سے لفظِ عالم اور عالمین کی تفسیر، تشریح، اور حقیقت۔

لیکن کیا اس معنیٰ میں عوام و خواص بلا فرق و امتیاز سب ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ امر واقعی یوں ہے کہ انسان اگرچہ بحدِ قوت ایک عالم ہے، تاہم یہ کاملین ہی کی مرتبت عُلیا ہے کہ صرف وہی حضرات اپنے آپ کو فعلاً ایک روحانی اور علمی کائنات پاتے ہیں، اور بس، اور یقیناً یہی وصف بدرجۂ کمال حکیم ناصرِ خسرو کا ہے۔

آپ کا ایک عرفانی خزانہ "روشنائی نامہ":

اِس مثنوی کا آغاز اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے ہوتا ہے، اس سلسلے میں پیر صاحب فرماتے ہیں:

ہزاران سال اگر گویند و پویند
در آخر رُخ بخونِ دیدہ شویند

(ترجمہ): اگر وہ ہزاروں سال اسی طرح قیل و قال کرتے چلے جائیں، پھر بھی آخر کار وہ (ناکام ہو کر) خون کے آنسوؤں سے اپنا چہرہ دھو لیں گے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

چنیں گفتند رو بشناس خود را
طریقِ کفر و دین و نیک و بد را

(ترجمہ): انہوں (یعنی پیغمبر اور امام علی علیہما السّلام) نے ارشاد فرمایا کہ جا تو اپنے آپ کو پہچان لیا کر، تاکہ تو خود شناسی کے ذریعے کفر و ایمان اور نیک و بد کی شناخت کر سکے۔ موصوف کا اشارہ "اعرفکم بنفسہ اعرفکم بربّہ" اور "من عرف نفسہ فقد عرف ربّہ" کی طرف ہے۔ یہاں اول الذکر سے متعلق پہلا ارشاد آنحضرت صلعم کا ہے، اور دوسرا ارشاد مولا علیؑ کا، آپ اس کی حکمت پر خوب غور کریں: یعنی جو شخص تم میں سب سے زیادہ خود شناس ہو، وہی تم میں سب سے زیادہ خدا شناس ہے۔ جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے یقیناً اپنے ربّ کو پہچان لیا۔

اب یہ پوچھنا ضروری ہوا کہ حکیم ناصرِ خسرو کے نزدیک انسان کی خودی، یا انا، یا حقیقت کیا ہے؟ یا یوں سوال ہونا چاہیئے کہ آیا نفس سے کونسی روح مُراد ہے؟ کونسی روح؟ روحِ نباتی؟ روحِ حیوانی؟ روحِ انسانی؟ یا روحِ قدسی؟ آیا اسی کتاب میں کہیں سے اس اہم ترین سوال کا تسلّی بخش جواب مل سکتا ہے؟ کیوں نہیں، وہ جواب باصواب حسبِ ذیل ہے:-

۱- توئی جانِ سخن گوئی حقیقی
که باروح القدس دائم رفیقی

۲- به چشم سر جمالت دیدنی نیست
کسی کو دید رُوئیت چشم معنیست

۳- زجای واز جهت باشی منزّه
ببین تا کیستی انصافِ خود ده

۴- نگر تادر گمان این جا نیفتی
قدم بفشار تا از پا نیفتی

۵- صفت هایت صفت های خدائیست
ترا این روشنی زان روشنائیست

۶- همی بخشد کز و چیزی نکاهد
ترا داد و دهد آن را که خواهد

۷- زنورِ او تو هستی ہمچو پر تو
وجودِ خود بپر داز و تو او شو

۸- حجابت دُور دارد گر بجوئی
حجاب از پیش برداری تو اُوئی

۹- اگر دعوی کنم واللہ که جا ایست
حقیقت ناصر خسرو خدا ایست

ترجمہ

۱- تُو دراصل وہ روح ہے جو حقیقی معنوں میں بولنے والی ہے کیونکہ تُو ہمیشہ روح القدس کی رفاقت میں ہے۔

۲- تیرے روحانی حُسن و جمال کو ظاہری آنکھ دیکھ نہیں سکتی، جس نے یہ دیدار دیکھا ہو وہ تو دیدۂ باطن ہی سے ہے۔

۳- تُو بحقیقت مکان واطراف کی قید سے پاک و برتر ہے، ایسے میں دیکھ کہ تُو کون ہے اور اپنا انصاف خود کرلے۔

۴- اچھی طرح دیکھ لے تاکہ یہاں گمان میں نہ پھنس جائے، قدم جما کر چلنا تاکہ تُو گر نہ جائے۔

۵- تیری اصل صفات خداوندِ عالم کی صفات ہیں (بحکمِ حدیثِ شریف تَخَلَّقُوا بِاَخلاقِ اللہ) تجھ کو یہ روشنی اُسی روشنی سے حاصل ہے۔

۶- خدا تعالیٰ نُور اس طرح عطا فرماتا ہے کہ اس سے کوئی شئی ہرگز کم نہیں ہو سکتی، تجھے دیا ہے اور جس کو چاہے دے سکتا ہے۔

۷- اس کے نُور کا تو گویا زندہ عکس (تصویر) ہے، اپنی ہستی سے فارغ (فنا) ہو کر تو "وُہ" ہو جا۔

۸- اگر تُو اس کو طلب نہ کرے تو تیرا حجاب تجھ کو اس سے دُور رکھے گا، اور جب تُو اپنے سامنے سے حجاب (پردہ) ہٹائے تو یقین ہوگا کہ تُو "وہ" ہے۔

۹- اگر میں دعویٰ کروں تو خدا کی قسم برمحل ہے کہ حقیقت میں ناصر خسرو فنا فی اللہ و بقا باللہ کا ایک نمونہ ہے۔

ترکِ تقلید۔ دعوتِ فکر و تحقیق اور تأویل:

حضرت پیر فکر و تحقیق اور تأویل کی طرف پُرزور دعوت دیتے ہوئے تقلید کی مذمت کرتے ہیں، جیسا کہ سورۂ محمد (۴۷/۲۴) میں ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔ چنانچہ شاہ ناصر کا قول ہے:

سراسر پُر زتمثالست تنزیل
تُو زو تفسیر خواندستی نہ تأویل

(ترجمہ) قرآن کا ظاہر (تنزیل) شروع سے لے کر آخر تک تمثیلات و تشبیہات سے پُر ہے، تُو نے اس کی تفسیر پڑھی ہے، لیکن تأویل سے بے خبر ہے۔

خزانۂ دُوم: خوانُ الاِخوان:

یعنی برادرانِ اسلام و دوستانِ کرام کے لئے عِلم و حکمت کی گوناگون نعمتوں کا دائمی دسترخوان، جس کی روحانی اور عقلی لذّتیں کبھی کم نہیں ہو سکتیں، جبکہ ہر مادّی نعمت یا تو ختم ہو جاتی ہے، یا شکم سیری کی وجہ سے پھیکی ہونے لگتی ہے، لیکن علمی نعمت کا مزہ عقلی ارتقاء کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہشتِ روحانیّت کی لافانی حلاوتوں کو چُھونے لگتا ہے۔

دسترخوان کی مناسبت سے یہ بات یاد آ گئی کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام کا ایک عظیم معجزہ یہ ہے کہ آپؑ کی درخواست پر خدائے بزرگ و برتر نے حواریوں کے لئے مائدۂ عِلم روحانی (۵/۱۱۴) نازل فرمایا، جس کا بہت بڑا رازِ روحانیت اس طرح ہے:.... تَکُونُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا (تاکہ یہ ہمارے اوّلین و آخرین کے حق میں عیدِ سعید ثابت ہو) یعنی اس میں اللہ کے اُس لطفِ عمیم کا مظاہرہ ہو جائے، جو ہر زمانے میں حدودِ دین پر محیط ہے۔

نمونۂ نعمت از خوانِ نعمت:

علم و حکمت کے اس وسیع و عریض دسترخوان کی انتہائی

[illegible] نعمتوں کی رعنائی اور دلکشی کا کیا کہنا، جس پر ستّو [illegible] و رقطار بہشتی غذائیں چُنی گئی ہیں، میں عالمِ حیرت [illegible] پر زور دے کر سوچتا رہا کہ اس گنجِ گرانمایہ سے [illegible] جواہر کو برائے نمونہ منتخب کروں، در حالیکہ یہاں علم و [illegible] ہر موتی انمول و تابناک ہے! پس میں نے تھوڑی دیر [illegible] کتاب بند کرلی، اور نیّت کرکے دوبارہ کھول لی، تو [illegible] ص ۹۷ پر "صفِ بیست[۲۴] و چہارم" کا عنوان میرے [illegible] آیا، جس کے تحت ہمارے عظیم المرتبت اور نامور حکیم [illegible] اپنے مخصوص اندازِ تحریر میں اسمِ بزرگِ "اللہ" کی دلنشین [illegible] بیان کی ہے، پیر فرماتے ہیں کہ:

جان لو کہ یہ چار حروف (ا ل ل ہ) جو اس بزرگ اسم (اللہ) میں ہیں، وہ چار اصول کی دلیل ہیں، جن میں سے دو روحانی اور دو جسمانی ہیں، کیونکہ تمام روحانی و جسمانی مخلوقات کا قیام [illegible] کے نظام پر ہے، جیسے مقرّب فرشتوں اور نیک [illegible] کی مثال سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے، چنانچہ ان [illegible] میں سے ہر حرف دونوں جہان کی خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ [illegible] "الف" کہ وہ عقلِ کُل کے مقابل ہے، جو سرچشمۂ تائید [illegible] اسمِ "اللہ" سے "لام" جو نفسِ کُل کے مقابل ہے، جو ترکیب [illegible] کا سرچشمہ ہے، دوسرا "لام" جو ناطق کے مقابل ہے، جو [illegible] (کتاب آوری) کا سرچشمہ ہے، اور "ہاء" کہ وہ مقابلِ اساس [illegible] جو بیان (تأویل) کا سرچشمہ ہے، پس خدا نے اس نام کے [illegible] برابر ہیں دونوں عالم کی خیر و خوبی کے سرچشموں کے ساتھ، ([illegible] عقلِ کُل/ قلم، نفسِ کُل/ لوح، ناطق، اور اساس)۔

خزانۂ سوم: گشائش و رہائش:

اس پُرحکمت رسالے میں حضرتِ پیر نے تینتیس[٣٣] انتہائی پیچیدہ مسائل کے حکیمانہ جوابات مہیا کر دیئے ہیں۔ ان اُلجھے ہوئے اور شکوک و شبہات سے بھرے ہوئے سوالات کو زمانے میں سوائے حکیم ناصر خسرو کے اور کوئی حل نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا آپ ہی نے یہ کام اپنے ذمے لیا اور حجتِ امامؑ کی مرتبتِ عالیہ میں ہر بیان اور جملے سے علم روحانی کے جواہر بکھیر دیئے، لیکن مجھے بڑا افسوس ہے کہ ایسی عزیز و عالیشان کتاب کے متن میں چند مقامات پر کورانہ تقلید و تعصب کی وجہ سے مخالفانہ جملے اس طرح داخل کر دیئے ہیں کہ ان کی شناخت طالب علموں کے لئے مشکل ہو گئی ہے، کیونکہ ایسی باتیں فٹ نوٹ، حاشیہ یا بریکٹ میں نہیں ہیں، تاہم اس پیاری کتاب کا وہ اُردو ترجمہ جو اسماعیلی طریقہ بورڈ میں محفوظ ہے، مذکورہ آلائش سے پاک ہے، کیونکہ جب محترم دوست جون ایلیا صاحب "گشائش و رہائش" کا ترجمہ کر رہے تھے، تو اُس دوران یہ خاکسار اُن داغوں کی نشاندہی کرتا تھا۔

بطورِ نمونہ: سولہواں مسئلہ:

اے برادر تم نے یہ پوچھا ہے کہ عَالَم کیا ہے؟ اور جس شئی کو عالم کہتے ہیں، وہ کیا ہے؟ اسے عالم کیوں کہا گیا؟ اور عالم کتنے ہیں؟ بیان کرو، تاکہ ہمیں اس کی معرفت حاصل ہو۔

جواب: اے بھائی! جاننا چاہیئے کہ "عالم" علم سے مشتق ہے، اس لئے کہ عالم جسمانی کے اجزاء میں علم کے آثار نمایاں ہیں،

اور اجزائے عالم کی نہاد و بنیاد بطورِ خود ایک حکمت اور تمام تر حکمت پر مبنی ہے، مثلاً عناصرِ اربعہ کا اجتماع، جن میں سے ہر ایک عنصر ایک اعتبار سے دوسرے کے موافق ہے، اور ایک اعتبار سے مخالف، جیسے آگ اور ہوا کہ یہ دونوں گرمی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متحد ہیں، اور خشکی اور تری کے اعتبار سے مخالف اور جُدا، اسی طرح ہوا اور پانی تری کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متحد ہیں، مگر گرمی و سردی کے اعتبار سے جُدا، یہی صورت پانی اور مٹی کی ہے کہ یہ دونوں سردی کے اعتبار سے متحد ہیں، اور تری و خشکی کے اعتبار سے جُدا، اسی طرح مٹی اور آگ خشکی کے اعتبار سے آپس میں متحد ہیں، اور سردی و گرمی کے اعتبار سے جُدا۔

خزانۂ چہارم: رسالۂ حکمتی:

ہر چند کہ یہ رسالہ صرف ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن یہ حجتِ امامؑ کے تائیدی علم کی دولت سے مالامال ہے، اس لئے اہلِ دانش کے نزدیک یہ علمی کرامات کا مجموعہ ہے، اگرچہ ظاہری دریا کو کوزے میں بند نہیں کیا جا سکتا، لیکن شاہ ناصر خسروؒ نے خدا کے فضل و کرم سے ہر بار دریائے علم و حکمت کو کوزے میں بند کر دیا ہے، یہی سبب ہے کہ دنیائے علم و ادب میں آپ کی گرانمایہ کتابوں کا چرچا ہوتا رہا، جن پر بڑے شوق سے ریسرچ (تحقیق) کرنے والے بہت سے محققین اپنی عمریں صرف کر رہے ہیں، ہمیں دیکھنا اور سوچنا ہوگا کہ موصوف حکیم کی طرف ایک دنیا کیوں مائل رہی ہے؟ آخر اس میں کوئی بڑا راز ہوگا! ہاں وہ عظیم راز سیّد ناصر کا "علم لدُنّی" ہے، اور یہ آپ کے علمی ذخائر میں آج بھی

درخشان وتابان موجود ہے ۔

رسالۂ حکمت کے جواہر پارے:

رسالۂ ہٰذا چوتی کے ۹۱ اسئلہ کے جواب میں ہے، وہ سوالات حذف شدہ فلسفی، منطقی، طبعی، نحوی، دینی اور تاویلی ہیں، چنانچہ حکیم نامور سب سے پہلے "دھر" سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دہر ارواحِ مجرّد کی بقائے مطلق کا نام ہے، جس کا تعلق ان موجودہ جسموں سے نہیں، دہر میں بگاڑ اور فنا کی کوئی گنجائش نہیں نیز کہتے ہیں کہ دہر ایک ایسا زندہ وجود ہے جو اپنی ذات کو قائم رکھتا ہے، یعنی جس کی حیات اپنی ذات سے ہو وہ نہیں مرتا ہے، اور جو چیز نہیں مرتی ہے، اس کی بقا خود دہر ہی ہے، اور کہتے ہیں کہ دہر ساکن ہے، یعنی اصل، جس) سے زمان گردش کرتا ہے۔

خزانۂ پنجم: سفرنامہ:

دُنیائے علم وادب کے بڑے نامی وگرامی عُلماء، فُضلا، ادباء، شُعراء، ڈاکٹرز اور ریسرچ اسکالرز نے جس شان سے حکیم ناصر خسرو کی پُر مغز و پُر مایہ کتابوں کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے اور جیسے مرقوماتِ زرّین کی جگمگاہٹ ہے، اس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور شدید خجالت وشرمساری کا احساس ہوتا ہے، اور اس بندۂ ناچیز کا دل کہتا ہے کہ کاش! اے کاش، ہم بھی ایسی سنہری تحریروں سے اُن عالی قدر کتب کا تعارف کرا سکتے! جبکہ ہم بجا طور پر علم امامت کے دلدادہ اور عاشق ہیں، جو ہم کو اپنے محبّتوں اور پیروں کے توسط سے ملا ہے، کیونکہ بحکم قرآن وحدیث مومنین کے

روحانی ماں باپ ہوا کرتے ہیں۔

سفرنامہ کا ایک کمال:

سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقّیٔ اردو (ہند) نمبر ۱۳۷۔ سفرنامۂ (حکیم) ناصر خسرو۔ مترجمۂ: مولوی محمد عبد الرزاق کانپوری۔ شائع کردہ، انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی ۱۹۴۱ء

۱۔ تمہید:

۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا، زمانۂ طالب علمی میں شمس العلماء خان بہادر ذکاءُ اللہ دہلوی سے شرفِ نیاز حاصل تھا، لہٰذا سلام ومزاج پُرسی کے لئے مولانا کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ اثنائے گفتگو میں عربوں کی سیر وسیاحت کا تذکرہ شروع ہوگیا، اس کے بعد سیاحانِ عجم کی باری آئی، تو شمس العلماء نے سفرنامۂ فارسی حکیم ناصر خسرو کا ذکر کیا، اور یہ بھی ارشاد ہُوا کہ "خواجہ الطاف حُسین حالی نے چند سال ہوئے کہ یہ سفرنامہ مع مقدمہ شائع کیا ہے تم اس کو ضرور پڑھو"

مولانا سے رخصت ہو کر دریبہ (دہلی کا مشہور بازار) کی سیر کی اور مشہور کتب خانوں کو دیکھا تو حُسنِ اتفاق سے سفرنامۂ مذکور جو ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں شائع ہوا تھا مل گیا، یہ نادر الوجود سفرنامہ نواب ضیاء الدّین احمد خان بہادر، رئیس لوہارو کے قلمی نسخے کی نقل تھا، میں نے یہ سیاحت نامہ دورانِ سفر (از دہلی اسٹیشن تا کانپور) پڑھا اور پڑھ کر بے انتہا مسّرت ہُوئی، کیونکہ نہ صرف ادبی حیثیت بلکہ وقایعِ سیاحت اور عجائباتِ عالم کے لحاظ سے بھی نہایت جامع اور دلچسپ تھا، اس بناء پر تنقید کی نظر سے دو مرتبہ اور مطالعہ کیا،

جب مضامین اور طرزِ انشاء پر عبور ہوگیا تو نُدرت کے لحاظ سے ترجمے کا خیال پیدا ہوا، اور اس ضرورت سے خواجہ بزرگ حالی کو جنوری ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں ایک عریضہ لکھا۔

خزانۂ ششم: جامع الحکمتین:

یعنی ایسی کتاب، جس کے موضوعات میں حکمتِ ظاہر (فلسفہ وغیرہ) اور حکمتِ باطن دونوں سے کام لیا گیا ہے، یہ پُر حکمت کتاب بھی ایسے بہت سے اسئلہ کے جواب میں تصنیف ہوئی ہے، جو انتہائی مشکل ہیں، لیکن جن حضرات کے ساتھ آسمانِ روحِ اعظم کی تائید اپنا کام کر رہی ہوں، ان کے نزدیک کوئی مسئلہ مشکل نہیں ہو سکتا، چنانچہ حجّتِ خراسان کی یہی عادت تھی کہ آپ ہمیشہ انتہائی مشکل سوالات اور عقدہ ہائے ناگشودنی کو لوگوں کے لئے حل کر دیتے تھے، جیسا کہ ان کی بابرکت کتابوں سے ظاہر ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ اپنی پسند اور معلومات کے مطابق بولنا اور لکھنا بڑا آسان کام ہے، لیکن علم و حکمت کا سب سے بڑا امتحان اُس وقت سامنے آتا ہے، جبکہ کسی مشکل سوال سے واسطہ پڑے، مگر ہم یہ بات یقین سے کہتے ہیں کہ حجّتِ مستنصری وہ عظیم المرتبت شخصیت تھے، جن پر ہر وقت علمِ لدُنّی کے ابواب مفتوح رہتے تھے۔

نمونۂ حکمت از جامع الحکمتین:

ص ۱۰۹، اما اہلِ تاویل علیہم السّلام کا جواب عالمِ ابداع کے سات انوار کی نسبت یہ ہے جو فرمایا: جو کچھ عالمِ حسّی میں موجود ہے، وہ اس چیز کے اثر سے ہے جو عالمِ عُلوی میں موجود ہے، جب

انوار [illegible] ہیں کہ عالمِ ظاہر میں سات ستارے ہیں، جن سے [illegible] روشنی اور لطافت حاصل کر رہی ہیں، تو یہ موجوداتِ انوارِ ازلی (یعنی ستارے) اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ عالمِ عُلوی میں انوارِ اوّلی و ازلی ہیں، کہ وہ ازلی چیزیں علّتیں ہیں، ان [illegible] کے انوار کے لئے، اور وہ سات ازلی انوار ہیں سے ایک [illegible] ہے، دوسرا جوہرِ عقل، تیسرا مجموعِ عقل، کیونکہ اس کے [illegible] ہیں، یعنی وہ عقل بھی ہے، عاقل بھی ہے، اور معقول بھی، اور کسی موجود کے لئے یہ خاصیت نہیں سوائے عقل کے، کہ وہ (یعنی فرشتۂ عقل) اپنے آپ کو جاننے والا ہے، اور اس [illegible] جانی ہوئی ہے، چوتھا نورِ نفسِ کُل ہے، جو عقل سے [illegible] (برانگیختہ) ہوا ہے، پانچواں نورِ جدّ (اسرافیل) ہے، [illegible] (میکائیل) ہے، اور ساتواں نورِ خیال (جبرائیل) ہے۔

خزانۂ ہفتم: دیوانِ اشعار:

حضرت پیر کے ان القاب سے آپ کی روحانیّت، نورانیّت اور علم و حکمت کا پتہ چلتا ہے: حُجّت، حجّتِ خراسان، حجّتِ [illegible]، حجّتِ فرزندِ رسولؐ، حجّتِ نائبِ پیغمبرؐ، سفیرِ امامِ زمانؑ، [illegible]، امینِ امامِ زمانؑ، مختارِ امامِ عصرؑ، مستعینِ محمدؐ، اور برگزیدۂ علی المرتضیٰ (دیوانِ اشعار، چاپِ دوم، مقدمہ و شرحِ احوالِ ناصرِ خسرو، بقلمِ آقای تقی زادہ، ص ۱۴ - ۱۵)۔

ایک بڑا اہم سوال:

قرآنِ حکیم میں شاعری اور شعراء کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ہر شاعر کی یہ کوشش ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنی خیالی کائنات کی بلندیوں میں پرواز کرتا رہے، اور خود ستائی کا مزہ بھی اڑائے، آیا ناصر خسرو کا شاعرانہ کلام عام شاعری سے بالاتر اور اپنی ذات کی ستائش سے پاک ہو سکتا ہے؟ وہ کیسے؟

اس کا جواب:

قرآن و حدیث کی حکمتوں سے ظاہر ہے کہ شاعری دو قسم کی ہوا کرتی ہے، ایک حق پر مبنی ہوتی ہے، اور دوسری برباطل، یعنی جو شاعر بادیٔ برحق کی نورانی ہدایت سے مستفیض ہو، اس کے کلام میں خود از خود حکمت داخل ہو جاتی ہے، اور جو شاعر صراطِ مستقیم سے ہٹ گیا ہو، وہ گمراہ ہو چکا ہے، اس کی باتوں میں گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک میں گمراہ شاعروں کی پیروی کی مذمت کی گئی ہے، (۲۶/۲۲۴-۲۲۵) پس اگر شاعری محض گمراہی کے سبب سے قابلِ مذمت ہے، تو پھر یہ ہدایت کی وجہ سے لائقِ تحسین کیوں نہ ہو، جیسے رسولِ خدا حسان بن ثابت سے فرماتے تھے: "پڑھو روح القدس تمہارے ساتھ ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ جہاں حق کی حمایت میں شاعری ہو، وہاں فیضِ روح القدس شاملِ حال رہتا ہے، اور یقیناً یہ بات پیر شاہ ناصر کی شاعری پر صادق آتی ہے، ایسے میں آپ کے پُر حکمت اشعار عالی اور پاک و پاکیزہ نظر آتے ہیں۔

خود ستائی وہاں ہوتی ہے، جہاں آدمی صرف اور صرف اپنی ہی ذات پر نظر رکھتا ہو، لیکن جب کوئی شاعر کسی رشتہ و نسبت کی بناء پر اپنی توصیف کر رہا ہو، تو یہ وصف درحقیقت اس شخص کا ہوتا ہے، جس سے اس کو نسبت یا قربت حاصل ہے، جیسے خواجہ

...ا کا قول ہے:

مصرع:-

اے دل غلامِ شاہِ جہان باش و شاہ باش

یعنی اے دل شاہِ جہان کی غلامی بہت بڑی عزت ہے، اس لئے تو اس کا غلام ہو کر ایسی عزت کا بادشاہ ہو جا۔ آپ اس مثال پر خوب غور کر کے یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آیا یہ حافظ کی خود ستائی ہے یا بادشاہِ عالم کی مدح سرائی؟

دُوسرا اہم سوال:

سورۂ یاسین (۳۶/۶۹) میں ارشاد ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ۔ اور ہم نے نہ اُن (پیغمبرؐ) کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ یہ اُن کی شان کے لائق ہے۔ یہاں یہ مسئلہ ہے کہ جس شاعری کی تائید (مدد) روح القدس سے ہوتی ہے، اس میں کیا کمی تھی، جس کی وجہ سے وہ آنحضرت صلعم کی شان کے لائق نہ ہو سکی؟

جواب: روح القدس کی تائید کے مختلف مدارج ہوا کرتے ہیں، جبکہ پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے (۲/۲۵۳) اسی طرح مراتب کا فرق اولیاء اور مومنین میں بھی پایا جاتا ہے (۳/۱۶۳) درحالے کہ ان میں سے ہر ایک کو حسبِ مرتبہ تائید حاصل ہو سکتی ہے (۵۸/۲۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ حضرتِ داؤدؑ اور حضرتِ سلیمانؑ کے مقدس نغمے (مزامیر) خداوندی تعلیم کے بغیر نہ تھے، لیکن جس ذاتِ جامع الصفات پر قرآنِ عظیم نازل ہو رہا تھا، وہ اس قرآنِ عزیز کی بدولت شعر گوئی سے بے نیاز و برتر تھی، پس آیۂ مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ خداوندِ عالم جس کو چاہے

روح القدس کے توسط سے لاہوتی اشعار کی تعلیم سے نوازتا رہا لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مرتبۂ عالیہ اس سے بہت بڑا ہے۔

نمونۂ اشعار : ص ۳۲۶ :

مرا حسّانِ او خوانید از یراک
من از احسانِ او گشتم چو حسّان

(ترجمہ) : مجھے اس کا حسّان کہتے ہیں اس لئے کہ میں اس کے احسان سے حسّان (بن ثابت) کی طرح ہو چکا ہوں۔ پیر صاحب کے اس پُر حکمت اور روح پرور شعر میں بتائیدِ الٰہی بہت سی اعلیٰ خوبیاں جمع ہیں، مثال کے طور پر دیکھ لیں :

(الف) : اس میں حسان بن ثابت کی شاعری اور اُن سے متعلق ارشادِ رسول صلعم کی طرف اشارہ ہے۔

(ب): زمانۂ نبوّت اور اصحابِ کبار کی یاد دہانی ہے۔

(ج): اس حوالے سے دینِ حق میں شاعری کی اہمیت و افادیت کی دلیل ہے۔

(د): اس میں یہ ذکر ہے کہ امامِ عالیمقامؑ ہی کے احسان سے پیر ناصر حسّان ہو گیا ہے۔

(ھ): حسّان کے معنی ہیں بہت خوبصورت، بہت نیکوکار

(و): پیر فرماتے ہیں کہ حضرتِ امام علیہ السّلام کے احسانات سے میری روح بیحد خوبصورت ہو گئی ہے، اور میں بہت نیکوکار ہوا ہوں۔ حضرتِ پیر نے دیوان کے چھ مقامات پر اپنے آپ کی تشبیہ و تمثیل حسان بن ثابت سے دی ہے، تاکہ ہم حقیقت

حال کو سمجھ سکیں کہ اُن کے اشعار علمِ لَدُنّی کے نور سے منوّر ہیں۔

حکیم ناصر خسرو کا گرانمایہ دیوان ایک ایسے بحرِ عمیق کی طرح ہے کہ اس کی سطح پر اگرچہ مال و متاع اور سیر و سیاحت کی کشتیاں چلتی رہتی ہیں، تاہم انمول موتیوں کو صرف اس کی گہرائیوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے، یعنی حضرتِ پیر کے اشعار کا ایک حکیمانہ پہلو بھی ہوتا ہے، جس کا سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، مثال کے طور پر اس قصیدہ کو لیں، جس کا مطلع یہ ہے :-

ای خوانده بسی علم و جهان گشته سراسر
تو بر زمی و از برت این چرخِ مُدَوّر

اس نظم میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ :-

روزی برسیدم بدرِ شهری کان را
اجرامِ فلک بنده بُد آفاق مسخّر

(ترجمہ) : میں ایک دن ایک ایسے شہر کے دروازے پر پہنچ گیا اس کے لئے اجرامِ سماوی (سورج، چاند، ستارے اور سیارے) غلامی کر رہے تھے، اور دنیا مسخّر تھی، اب آپ ہی بتائیں کہ یہ دنیا ظاہر کے کس شہر کا دروازہ تھا؟ آیا یہ روحانی سفر اور امامِ زمانؑ کے نورِ اقدس تک رسائی کی مثال نہیں ہے؟ کیا یہ : " اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا " کی عملی تفسیر و تأویل نہیں ہو سکتی؟ ہو سکتی ہے، اور یقیناً اس میں یہی حکمت ہے۔

حکیم ناصر فرماتے ہیں : وہ ایک ایسا شہر تھا کہ اس کے سارے باغات پھلوں اور پھولوں سے بھرے ہوئے تھے، تمام دیواریں

نقش ونگار سے آراستہ تھیں اور زمین پر درخت ہی درخت
نظر آرہے تھے، اس کا صحرا سب کا سب پھولدار ریشمی کپڑے کی
طرح منقش تھا، اس کا پانی پاکیزہ اور کوثر جیسا تھا، ایسا شہر کہ اس
میں بغیر (علم و) فضل کے کوئی گھر ہی نہیں ہے، ایک ایسا باغ کہ اس
میں عقل کے سوا کوئی درختِ صنوبر نہیں مل سکتا، وہ ایسا شہر ہے
کہ وہاں حکماء ریشمی لباس پہنتے ہیں، جن کو نہ کسی عورت نے بُنا ہے
اور نہ کسی مرد نے، ایسا شہر کہ جب میں اس میں داخل ہوگیا تو میری
عقل نے کہا کہ: یہیں سے اپنی حاجت کو طلب کر اور اس منزل کو نہ
چھوڑ، تب میں اس شہر کے محافظ (دربان، جس سے امامِ وقتؑ
مُراد ہیں) کے پاس گیا، اور گزارش کی، انہوں نے فرمایا کہ ا
اب غم نہ کر کیونکہ تیری کان جواہر سے بھر گئی۔

حق بات تو یہ ہے کہ حضرتِ پیر یہاں اپنی ابتدائی روحانیّت
کے واقعات و مشاہدات کو اس حدیثِ شریف کے مطابق پیش کرتے
ہیں، جس میں ارشاد ہُوا کہ: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔
(یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی (امام زمانہ) اس کا دروازہ ہے)
اس حکیمانہ نظم کے اس مقام پر آپ اچھی طرح دیکھ رہے ہیں کہ بہر
عمدہ سے عمدہ تعریف و توصیف شہرِ علم کی ہو رہی ہے، تاہم بڑا
عجیب واقعہ ہے کہ شہر میں داخلہ ملنے کے باوجود گیٹ (باب،
دروازہ، دربان، محافظ) ہی سے رجوع ضروری ہے، اور حکمت
اسی میں ہے، حضرتِ پیر شاہ ناصر اپنے اسی قصیدہ میں آگے
چل کر فرماتے ہیں:-

دستم بکفِ دستِ نبی داد بببیعت
زیرِ شجرِ عالی پُر سایہ و مُثمر

(ترجمہ) اس (یعنی امام عصرؑ) نے میرے ہاتھ کو بیعت کے
[illegible] پیغمبرؐ کی ہتھیلی میں دے دیا، اس عالیقدر اور بلند ترین
[illegible] جو وسیع سایہ رکھتا ہے اور بہت زیادہ میوہ دیتا ہے۔
[illegible] رضوان (۴۸/۱۸) کی عملی تاویل ہے، جو روحانیّت کی
[illegible] اور مرتبۂ عقل میں پیش آتی ہے، اس مقام کے بے شمار نام
[illegible] چنانچہ درخت کی مثال لیں جو صرف ایک ہی ہے، یعنی وہ
[illegible] جس کے نیچے روحانی اور عقلی بیعت لی جاتی ہے، لیکن
آپ کو تعجب ہوگا کہ یہی درخت شجرِ موسیٰؑ، درختِ زیتون،
[illegible] منتہا وغیرہ بھی ہے۔

خزانۂ ہشتم: تحلیلِ اشعارِ ناصر خسرو:

یہ [illegible] دلپسند کتاب مہدی محقّق استادِ دانش گاہِ تہران نے
[illegible] ہے، جس میں حضرتِ پیر کے ایسے اشعار کی تحلیل کی گئی
[illegible] جن پر براہِ راست قرآن و حدیث کی روشنی پڑتی ہے، یا وہ
[illegible] کے مطابق ہیں، اسی طرح خدا کے فضل و کرم سے یہ
[illegible] اور گنجینہ مہیا ہُوا ہے۔

تحلیلِ اشعار کے نمونے:

پیر صاحب فرماتے ہیں کہ:

ہر کس کہ نیلفنجد او لبصیرت
فرداش بہ محشر بصر نباشد

(ترجمہ): جو شخص یہاں (اپنے لئے) بصیرت جمع نہ کرتا ہو،
[illegible] قیامت میں اس کی آنکھ نہیں ہوگی۔ جیساکہ ارشادِ قرآنی ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (۱۷/۷۲)

ایزد عطاش داد محمّد را
نامش علی شناش ولقب کوثر

(ترجمہ): خداوندِ عالم نے حضرت محمد صلعم کو عطا کر دیا (وہ شخص) جس کا نام علیؑ ہے، اور لقب کوثر۔ [اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (۱۰۸/۱)]

تن ترا گور است بی شک، هم چُنان چُون وعده کرد
روزی از گُورت برون آرد خدای دادگر

(ترجمہ): یقیناً جسم تیرے لئے قبر ہے (لہٰذا) جیسے اس نے وعدہ کیا ہے، ایک دن خدائے عادل تجھے اس قبر سے نکال دے گا۔ (۲۲) اس سے ظاہر ہوا کہ قبر کی تاویل جسمِ انسانی ہے۔

بغارِ سنگین در نه بغارِ دین اندر
رسول را بدلِ پاک صاحبُ الغاریم

(ترجمہ): پتھر کے غار میں نہیں، دین (یعنی روحانیت) کے غار میں ہم اپنے پاکیزہ دل سے پیغمبرؐ کے یارِ غار ہیں (۹)۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ غار سے روحانیت مراد ہے، پس اصحابِ کہف کچھ ارواح کا نام ہے۔

چو جانت قوی شد بایمان وحکمت
بیاموزی آنگه زبانهای مرغان
بگویند با تو همان مُور و مرغان
که گفتند ازین پیش تر با سلیمان

(ترجمہ): جب تیری روح ایمان اور حکمت کی بدولت مضبوط

ہو جائے، تو اس وقت تو پرندوں کی بولی سمجھنے لگے گا، تجھ سے چیونٹیوں اور پرندوں کی وہی گفتگو ہوگی، جو اس سے پہلے حضرت سلیمانؑ سے ہوئی تھی، (۲۷/۱۶) صراطِ مستقیم ہی راہِ روحانیت ہے، انبیا، اولیا، شہدا، اور صالحین کا راستہ ہے، اور انہی حضرات کے نقشِ قدم پر مومنین کو چلنا ہے (۴/۶۹) جس میں معجزات ہی معجزات ہیں، تاکہ معرفت حاصل ہو۔

آلِ رسولِ خدای حبلِ خدا یست
گرش بگیری ز چاهِ جهل برائی

(ترجمہ): خدا کے پیغمبرؐ کی آل (امامِ عصرؑ) ہی خدا کی رسّی ہے، اگر تو نے اُسے مضبوطی سے تھام لیا، تو تو نادانی کے کنویں سے نکل کر مرفوع ہو جائے گا، (۳/۱۰۳) دنیا کی اچھی اور بُری بہت سی مثالیں ہیں، اور ایک مثال تاریک کنواں ہے، جس سے لوگوں کو نکالنے کے لئے اللہ نے عالمِ بالا سے اپنے پاک نور کی رسّی اتار دی ہے۔

رسول خود سخنی باشد از خدای بخلق
چنانکه گفت خداوند در حقِ عیسیٰ

(ترجمہ): (کتاب کے علاوہ) پیغمبرؐ خود بھی خدا کی جانب سے لوگوں کے لئے کلمہ اور کلام کا مرتبہ رکھتا ہے، جیسا کہ خداوندِ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا ہے (..... بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (۳/۴۵)) اس دلیل سے حضرتِ رسولؐ اور حضرتِ امامؑ کے قرآنِ ناطق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

بسانِ طیرِ ابابیل لشکری که همی
بیوفتد گهری زو بجای هر حجری

(ترجمہ): جھنڈ کے جھنڈ پرندوں کی طرح ایک لشکر (آئیگا)
کہ (جہاں ہاتھی والوں پر پتھر گرائے گئے، وہاں) اس لشکر کے ہر
پتھر کی جگہ ایک گوہر گرے گا (۵-۳-۱) بہت زیادہ سوچنے کا مقام ہے
کہ حکمتِ قرآن بڑی عجیب و غریب ہوا کرتی ہے۔

قصّۂ سلمان شنیدستی و قولِ مصطفیٰ
کو ز اہل البیت چون شد با زبانِ پہلوی

(ترجمہ): تُو نے سلمان فارسی کا قصّہ اور حضرتِ محمد مصطفیٰ
کا ارشاد سُنا ہوگا، وہ (ایرانی تھا تو) فارسی زبان کے ساتھ
کس طرح اہلِ بیت میں سے ہوگیا؟ حدیثِ شریف ہے: اِنَّ سلمانَ
مِنّا اَھلَ البیتِ (بیشک سلمان (بلحاظِ روحانیّت) ہم اہلِ بیت
میں سے ہے)۔

گرچہ یکبار زادہ اند بیابی
عالمِ دیگر اگر دوبارہ بزائی

(ترجمہ): اگرچہ تجھے (فی الوقت) ایک بار جنم دیا گیا ہے،
تاہم تُو نے اگر دوبارہ جنم لیا تو تجھ کو دوسرا عالم مل جائے گا۔
جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے: لن یَلِجَ ملکوتَ السّمٰواتِ
من لم یُولَدْ مرّتَینِ (جو شخص (جیتے جی مرکر) دوبارہ پیدا
نہ ہوجائے، وہ آسمانوں کی بادشاہی یعنی روحانیّت میں داخل
نہیں ہوسکتا)۔

بمیانِ قدر و جبر رہِ راست بجوی
کہ سُوی اہلِ خرد جبر و قدر درد و عناست

(ترجمہ): تقدیر اور جبر (اختیار کا نہ ہونا) کے درمیان سیدھا
راستہ ڈھونڈلے، کیونکہ اہلِ دانش کے نزدیک جبر و قدر دُکھ اور

(ترجمہ): جیسا کہ حضرتِ امام جعفرِ الصّادق علیہ السّلام کا
[illegible] عالی ہے: لا جبرَ وَ لا تفویضَ بَل امرٌ بَینَ
الامرین (آدمی (اعمال میں) نہ تو مجبور ہے اور نہ ہی مختارِ کُل،
(بلکہ) دونوں حالتوں کے درمیان ایک حالت ہے) کتابِ گُنشِ و
[illegible] کے آخر میں بھی ملاحظہ ہو۔

سُوی آن باید رفتنت کہ از امرِ خدای
بر خزینۂ خرد و علمِ خداوند در است

(ترجمہ): تجھے اس شخص (یعنی امامِ برحقؑ) کی طرف جانا
[illegible] امرِ خدا کے حکم سے خداوندی عقل و علم کے خزانے پر درو
[illegible] کا مرتبہ رکھتا ہے۔ أنا مدینةُ العلمِ وَ علیٌّ بابُھا
[illegible] أراد العلمَ فلیأتِ الباب۔

پرّت از پرہیز و طاعت کرد باید کز حجاز
جعفرِ طیّار بر گُلیا بدین طاعت پرید

(ترجمہ): تجھ کو پرہیز و بندگی سے اپنے پر بنا لینا چاہیئے، کیونکہ
[illegible] جعفرِ طیّار (بن ابی طالب) اسی اطاعت (کے پروں) سے
[illegible] عالمِ عُلوی میں پہنچ گیا ہے۔ رَأَیتُ جعفراً لَہٗ
[illegible] فی الجنّةِ (میں نے جعفر کو بہشت میں دو پروں
[illegible] دیکھا۔ حدیث)

بفرمود جُستن بچین علمِ دین را
محمّد۔ شُدم من بچینِ محمّد

(ترجمہ): حضرتِ محمّد صلعم نے فرمایا: علمِ دین کی جستجو
[illegible] جانا چاہیئے، اس لئے میں آنحضرتؐ کے چین (یعنی امامِ
[illegible] کی نورانیت) میں گیا۔ أُطلبوا العلمَ وَلَو کانَ بالصّینِ

(تم علم کو طلب کرو اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے)۔

اندک اندک علم یابد نفس چون عالی بود
قطرہ قطرہ جمع گردد وانگہی دریا شود

(ترجمہ): جب کسی کی روح باسعادت اور عالیقدر ہو ، تو اس کو ہر وقت تھوڑا تھوڑا (تائیدی) علم ملتا رہتا ہے ، پانی اگر قطرہ جمع ہو جائے تو تب دریا بن جاتا ہے۔

وَقَطْرٌ إِلَى قَطْرٍ إِذَا اجْتَمَعَتْ نَهْرٌ
وَنَهْرٌ إِلَى نَهْرٍ إِذَا اجْتَمَعَتْ بَحْرٌ

(گلستانِ سعدی)

خزانۂ نہم : زاد المسافرین

یعنی طریقِ روحانیت اور سبیلِ آخرت کا توشہ (زادِ راہ)

اس بیمثال ولاجواب کتاب کے بارے میں اگر میں یہ کہوں کہ مجھ ناچیز سے اس کا حقِ تعریف ادا نہیں ہو سکتا ، تو شاید یہ اپنی ہی جگہ بلند رہے گی ، ورنہ میرے طفلانہ الفاظ سے اس پر ایک حجاب پڑ جائیگا ، تاہم اس کے لئے ایک چارۂ کار یہی ہے ، اور وہ یہ کہ ہم حضرت پیر کے قول سے اس حکیمانہ کتاب کی تعریف کریں ، جیساکہ موصوف نے اپنے دیوان میں فرمایا :-

ز تصنیفاتِ من زادُ المسافر
کہ معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند
ثنا خواند مرا خاکِ فلاطون

(ترجمہ): میری تصانیف میں سے زاد المسافرین ایسی کتاب ہے

(جو) معقولات کی چیزوں (کو جانچنے اور پرکھنے) کے لئے "اصولات و قانون" کا درجہ رکھتی ہے ، اگر (یونان کے مشہور حکیم) افلاطون کی قبر پر یہ کتاب پڑھی جائے ، تو (اس کے عجائب و غرائب کے شدید اثر سے) افلاطون کی مٹی میری تعریف و ستائش کرنے لگے گی ، یہ ہے اس گنج گوہر ہائے علم و حکمت کی تعریف۔

اس کتاب سے حکمت کے نمونے:

زاد المسافرین کے بڑے مضامین (اقوال) ۲۷ ہیں ، اور ان کے عنوانات یا فصلیں ۳۳۵ ، صفحات ۵۱۹ ۔ حکیم ناصر خسرو علوی نے یہ کتاب شریف ۴۵۳ھ/۱۰۶۱ء میں تصنیف کی ہے ، آپ کی بابرکت پیدائش ۳۹۴ھ میں ہوئی تھی ۔ اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ حکیم نے یہ کتاب ۵۹ برس کی عمر میں تحریر کی ہوگی ، آپ زاد المسافرین کے قول شانزدہم (۱۶) میں "مُبدِعِ حق ، ابداع ، اور مُبدَع" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مُبدِع حق تعالیٰ کے اثر سے ہے ، یہ نکتہ کلیدی اہمیت کا حامل ہے ، کیونکہ یہ علمِ اسرار میں سے ہے۔

اس کتابِ عزیز میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ معقولات (عقلی چیزیں) زمان سے برتر ہیں (ص ۱۱۷) اور محسوسات (مادی چیزیں) زمان کے نیچے ہیں۔

کسی چیز کے ختم ہو جانے سے اس کا زمان ختم ہو جاتا ہے ، لیکن دہر زمان نہیں ، جیسے کسی آدمی کے مرجانے پر اس کا زمان اٹھ جاتا ہے ، پس اگر آسمان جس کی حرکت تمام حرکتوں پر محیط ہے ختم ہو جائے تو زمان کُلّی طور پر ختم ہو جائے گا ، امّا دہر زمان نہیں ، بلکہ یہ اپنی ذات کو زندہ رکھنے والی چیز کی زندگی ہے ،

جس طرح زمان ایک ایسی چیز کی زندگی کا نام ہے، جس کو کوئی اور چیز زندہ رکھتی ہے، اور دہر کو گزر جانا نہیں، بلکہ وہ ایک ہی حال ہے، کیونکہ وہ ایسی شئی کی زندگی ہے، جس کا حال کبھی بدلتا نہیں اور جب اس حقیقت کا تصوّر کیا جائے، تو اس وقت معلوم ہوگا کہ روحانیین پر زمان کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

انسان ہر اُس چیز پر بادشاہ ہے، جو آفرینش میں ہے، اور روئے زمین پر خدا کا خلیفہ اور نائب ہے (ص ۴۶۲)۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مُلکِ باطن پر بھی بادشاہ بنا دیا ہے (ص ۴۶۴)۔

انسان اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہے، اور اُس کی منزلِ مقصود حضرتِ خالقِ کائنات ہے (ص ۴۶۵)۔

یہ دنیا ایک ابتدائی منزل ہے، اور آدمی کی عمر ایک راستے کی مثال ہے، اور انسان کا سفر اس راستے پر اسی منزلِ مقصود کی جانب ہے، تاکہ وہ حضرتِ صانعِ عالم تک پہنچ جائے۔

حضرتِ پیر ناصر خسرو (قدّس اللہ سرّہٗ) کی اس کتابِ شریف ولطیف میں بے شمار حکمتیں ہیں، جن کا قلمی احاطہ کجا! اور میرا چھوٹا سا مقالہ کجا! یہ تو کئی کئی جلدوں کے دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کی صورت میں بھی انتہائی مشکل کام ہے۔

خزانۂ دہم: وجہِ دین:

اگرچہ یہ ایک روشن اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ سیّدنا حکیم ناصر خسرو علوی (قدّس اللہ سرّہ) کی ہر کتاب بجائے خود علم وحکمت کا ایک گرانمایہ اور پائندہ گنجینہ ہے، تاہم کتابِ وجہِ دین کئی اعتبارات

[illegible] پیر کبیر کے جملہ کتب کا خلاصہ اور لُبِّ لباب ہے، پس ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ [illegible] خزینۂ خزائن کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ کتاب ہٰذا پیر شاہ [illegible] کی آخری تصنیف ہے۔

اس کتاب کی حکمت کے نمونے:

میں کتابوں کا بیحد دلدادہ رہا ہوں، اور جس قدر بھی ہو سکا [illegible] مختلف کتب کے مطالعے سے لطف اور فائدہ اٹھایا، لیکن [illegible] خسرو کی کتابیں بڑی عجیب وغریب ہیں، خصوصاً وجہِ دین [illegible] کتاب ایسی حیرت انگیز جامعیت اور مغزِ حکمت سے [illegible] کہ جہدِ مسلسل کے باوصف اس کی علمی برکتیں کبھی ختم [illegible]، جس کی وجہ یہ ہے کہ وجہِ دین کا خاص تعلق قرآن [illegible] کی تأویل اور علمِ امامت سے ہے، یہ سب کچھ طریقِ باطن اور روحانیت کا نتیجہ ہے، یعنی اس میں کشف وکراماتِ [illegible] کا عالم ہے۔

اگر آپ عرصۂ دراز سے کتابِ وجہِ دین کو پڑھتے آئے ہیں، [illegible] آپ باور کریں کہ ہنوز اس کے بہت سے تأویلی بھید [illegible] اخفا سے ظاہر نہیں ہوئے، مثال کے طور پر گفتار ہشتم کی [illegible] عبارت کو غور سے پڑھ کر تجربہ کریں، اور جواب دیں کہ سیارۂ [illegible] ہمیشہ گھومتا رہتا ہے) کی شش جہت یعنی آگے، [illegible]، دائیں، بائیں، اوپر، اور نیچے کا تعین کس طرح ہو سکتا ہے؟ [illegible] اطمینان کر سکیں کہ زمین کے باشندوں کی چھ طرفیں ہیں، اور [illegible] ہر طرف سے ان کے پاس ایک عظیم پیغمبر بھیجا ہے؟ لیکن نقشۂ

دنیا کے گلوب پر الگ الگ چھ نشانات لگا کر کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اسی طرح لوگوں کو چھ اطراف سے چھ بڑے پیغمبر آئے ہیں ، کیونکہ لوگ کسی ایک شہر یا کسی خاص ملک میں نہیں ، بلکہ مختلف برِاعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں ، اس لئے لوگوں کی مجموعی اطراف نہیں ہیں ، سوائے اوپر کے۔

لوگوں کے لئے چھ پیغمبر چھ اطراف سے کیسے آگئے ، اس کی روحانی مثال اور معرفت عالمِ شخصی (عالمِ صغیر) میں ہے ، چنانچہ کسی شک کے بغیر انسانی جسم کی چھ اطراف ہیں : آگے ، پیچھے ، دائیں ، بائیں ، اوپر ، اور نیچے ، پس حضرتِ پیر کا اشارہ ہے کہ : عالمِ شخصی میں حضرت آدمؑ کا نور سر کی بالائی جانب سے آتا ہے ، حضرت نوحؑ کا نور بائیں کان سے ، حضرت ابراہیمؑ کا نور پشت سے ، حضرت موسیٰؑ کا نور پاؤں سے ، حضرت عیسیٰؑ کا نور داہنے کان سے ، اور آنحضرت صلعم کا نور پیشانی سے داخل ہوتا ہے ، جیسا کہ حضرت امام جعفر الصادقؑ کا دعائیہ قول ہے :۔

..... وَنُوراً بَینَ یَدَیَّ وَنُوراً مِن خَلفِی وَنُوراً مِن یَمِینِی وَنُوراً عَن یَسَارِی وَنُوراً مِن فَوقِی وَنُوراً مِن تَحتِی۔

(ملاحظہ ہو : قرآنی علاج ص ۲۰۵)

(ترجمہ) : یا اللہ ! میرے لئے میرے دل میں ایک نور مقرر کردے اور میرے کان ، آنکھ اور زبان میں بھی نور بنادے ، میرے بال ، کھال ، گوشت ، خون اور ہڈیوں اور رگوں میں بھی نور بنادے ، اور میرے آگے ، پیچھے ، دائیں ، بائیں ، اوپر اور نیچے بھی نور مقرر فرما۔

وجہِ دین کے موضوعات:

اس مبارک و باکرامت کتاب کے بڑے بڑے موضوعات ہیں ، اور ذیلی عنوانات ۲۴ تاہم سرتاسر کتاب میں پھیلے ہوئے مضامین اور بھی ہیں ، جیسے خداشناسی اور علمِ توحید ، [illegible] ، امامت ، علمِ حدود ، روحانیت ، قیامت ، حضرتِ قائمؑ ، [illegible] ، علمِ تاویل ، عددی تاویل ، اسم اعظم ، آفاق وانفس ، عالمِ ذر ، اسرارِ روحانیت ، اصولِ دین ، فروعِ دین ، کلید حکمت ، خودشناسی ، سلسلۂ ہدایت ، قانونِ وصایت ، اسرارِ قرآن ، وغیرہ۔

وجہ دین کی ایک کرامت:

جناب فضیلت مآب سید منیر صاحب (مرحوم) بدخشانی کا ایک راسخ العقیدت اور علم دوست شاگرد ہے ، اس نے بہت پہلے ہم سے یہ ذکر کیا تھا ، کہ اس کو مطالعۂ وجہ دین سے بیحد مزہ آنے لگا ، جس کی بنا پر وہ روزانہ اسے پڑھا کرتا تھا ، تاآنکہ یہ اس کا معمول بن گیا ، اور زیادہ سے زیادہ خوشی محسوس ہونے لگی ، اور نتیجے کے طور پر اس کی دیدۂ باطن کھل گئی ، یہ وجہ دین پر علمی ریاضت کرنے کی کرامت تھی ، یاد رہے کہ اگر علم و حکمت کی فراوانی سے آپ کو جھٹکے لگتے ہیں ، تو یہ فیضِ روح القدس کی ایک بڑی خوشخبری ہے۔

کلیدی تاویل:

کتاب وجہ دین میں عملی اور کلیدی نوعیت کی تاویل کا بہت

بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کی برکتوں سے قارئین کے نہ صرف شکوک و
شبہات ہی کا ازالہ ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ [illegible]
سوالوں کے جوابات بھی مہیا ہو جاتے ہیں، کیونکہ مرضِ جہالت و نادانی کا [illegible]
مؤثر علاج تاویل ہی سے ہو سکتا ہے، جبکہ تاویلی حکمت [illegible]
وہ شہد ہے، جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ [illegible]
فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (١٦/٦٩) اس میں لوگوں کی [illegible]
کی) شفا ہے۔

حُدودِ دین:

تاویل کی بنیاد حدودِ دین پر قائم ہے، جس کے بغیر
تاویل نہیں ہو سکتی ہے، اور یہ حقیقت وجہِ دین سے ظاہر
ہو جاتی ہے، اگرچہ اب دَورِ قیامت ہے، جس میں صرف
آفتابِ امامت کے سوا اور کوئی ستارا نظر نہیں آتا، لیکن ہم
اپنے پاک مذہب کی روحانی تاریخ کیسے بھول سکتے ہیں، جس
میں قلم، لوح، اسرافیل، میکائیل، ناطق، اساس، امام،
حجّت، داعی وغیرہ کے کارناموں کا تذکرہ ہے، اور اسی کا
نام تاویل ہے، اور معرفت کا راستہ بھی یہی ہے۔

امامِ عالیمقامؑ — عالمِ شخصی:

حضرتِ امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کا ارشاد ہے: کیا تیرا
یہ گمان ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے، حالانکہ تجھ میں عالمِ اکبر
سما گیا ہے؟ اور تو وہ بولنے والی کتاب ہے، جس کے حروف سے
پوشیدہ اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پس اس قول و معنی کا اطلاق سب

[illegible] خود مولا علیؑ اور ہر امامؑ پر ہوتا ہے کہ وہی عالمِ شخصی
[illegible] ہے، اور ایسی بولنے والی کتاب، جس سے تاویلی بھید
[illegible] رہتے ہیں، اب بہت بڑا سوال یہ ہے کہ ناصر خسرو
[illegible] امام وقتؑ کا نور کس شکل میں طلوع ہُوا؟ کیونکہ پیر صاحب
[illegible] دیوان میں کہتے ہیں: "جب میری روح پر امامِ زمان کا نور
[illegible] ہو گیا، تو میں جو قبلاً شبِ تاریک تھا روزِ روشن بن
[illegible] اس انتہائی عظیم سوال کا ازبس عجیب و غریب جواب یہ
[illegible] حکیم ناصر خسرو پر امامِ عصرؑ کا نور عالمِ شخصی اور عالمِ اکبر
[illegible] صورت میں طلوع ہو چکا تھا، جس میں سب کچھ تھا، اور
[illegible] نورانی کائنات بولنے والی کتاب بھی ہے، اور حضرتِ شاہ
[illegible] علم تاویل اسی عالمِ لطیف سے متعلق ہے، جس کا بیان
[illegible] دین، کلام ۴ میں ہے۔

علمِ بیان — علمِ تاویل:

پیر صاحب نے وجہِ دین کے بہت سے مقامات پر
[illegible] کا ایک دوسرا ہم معنی لفظ "بیان" بھی استعمال کیا ہے اور
[illegible] تاویل کو علمِ بیان کہا ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: وجہِ دین
[illegible]، کلام ۴۶ کا آخری حصّہ، ص ۲۰۹، نامور حکیم کی اس لطیف
[illegible] سے ایک بیحد خوبصورت معنوی انقلاب رونما ہو جاتا ہے،
[illegible] ہے: ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (٧٥/١٩)، پھر یقیناً اس
[illegible] تاویل بھی ہمارے ہی ذمّہ ہے) یعنی اے رسولؐ! قرآن
[illegible] تاویل کا کام ہم ہی آپ کے جانشین سے کرا دیں گے۔ جیسا کہ
حدیث شریف سے ظاہر ہے: (وجہِ دین اردو، کلام ۔ ۳۵، ص ۱۲۲)۔

امامِ مُبین (۱۲) : ۳۶

جب سیّدنا حکیم ناصر خسرو کی شہرۂ آفاق کتاب (وجہِ دین) میں تأویل کا دوسرا لفظ "بیانؔ" ہے، تو آیئے اب ہم قرآنِ حکیم میں امام مُبین کو بھی دیکھتے ہیں، چنانچہ معلوم ہے کہ سورۂ زُخرُف میں اس لفظ کے معنی ہیں بولنے والا، بیان کرنے والا، پس امام مبین کے معنی ہیں وہ امام جو ظاہر ہے اور تأویل کرتا ہے، کیونکہ جس کی ذات میں تمام روحانی اور عقلی چیزیں محدود اور جمع ہوں وہی صاحبِ تأویل ہو سکتا ہے

عددی تأویل:

حضرت سیّد شاہ ناصر خسرو حجّتِ خراسان کی اس پُر مایہ اور بیمثال کتاب (وجہِ دین) میں جا بجا عددی تأویل کی حکمت بھی نمایاں ہے، اِس علمِ مخفی کا انتہائی اہم اور اساسی حوالہ کتاب ہٰذا کے کلام ۴۸ میں ہے، جس میں مومنوں پر حقِ واجبات کا ذکر ہے، آپ وہاں اس روشن حقیقت کا بحسن و خوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ کے منشا کے مطابق دینِ حق میں عددی تأویل کا آغاز سب سے پہلے حضرت مولا علی علیہ السّلام نے کیا، آپ وجہِ دین ترجمۂ اردو، کلام ۴۸ کو از صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۹، اچھی طرح سے پڑھ لیں۔

ایک علمی کائنات:

میرے نزدیک سب سے پسندیدہ اور سب سے زیادہ

... یہ ہے کہ موصوف حکیم علم و حکمت کی ایک کائنات ... یہ وصف محض آپ کے خزائنِ کتب ہی کی وجہ سے ... بلکہ اس میں اور بھی بے شمار چیزیں شامل ہیں، جو زمانے ... ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہیں۔ مثال کے طور پر پیر ناصر ... دعوت کا پھیلاؤ کہاں کہاں تک ہے؟ اور دائرۂ فیوضاتِ ... کی وسعت کا کیا اندازہ ہے؟ تقریباً ایک ہزار سال کی اس ... حق کے نتیجے میں جتنے خوش نصیب لوگ امامِ برحقؑ کے دامنِ ... وابستہ ہو چکے ہیں، ان کی کیا تعداد ہو سکتی ہے؟ کیا ہر ... جو ناصر خسرو کا شاگرد ہو، بجائے خود ایک عالمِ شخصی نہیں ...؟ اگر یہ تمام اثری وسعتیں اپنی اپنی جگہ درست اور حقیقت ... اور یہ سب کچھ دعوتِ ناصری کی کائنات میں ہو رہا ہے، تو ... کے کچھ ایسے اشعار کو دیکھتے ہیں، جن میں ان تمام حقائق ... اشارہ موجود ہے، وہ حکمت آگین اور دلنشین اشعار ... ذیل ہیں :-

گر بایدت ہمی کہ ببینی مرا تمام
چون عاقلان بچشمِ بصیرت نگر مرا
منگر بدین ضعیف تنم زآنکہ در سخن
زین چرخِ پُر ستارہ فزونست اثر مرا
ہرچند مسکنم بزمین است روز و شب
بر چرخِ ہفتمست مجالِ سفر مرا

(ترجمہ) : اگر تو مجھ کو بطورِ کلّی دیکھنا چاہتا ہے، تو دانا ... طرح مجھے چشمِ بصیرت سے دیکھ لے، میرے اس کمزور جسم کو نہ ... کیونکہ میرے قول کا اثر اس فلکِ پُر انجم سے بھی زیادہ ہے"

اگرچہ دن رات میری جائے سکونت زمین ہی پر ہے، تاہم میں آسمانِ ہفتم پر بھی سفر کرسکتا ہوں (اِس سے آسمانِ روحانیت مراد ہے)۔

اہلِ دانش کی نظر میں ان پُرمغز و حکمت آگیں اشعار کا مجموعی مطلب واضح اور روشن ہے کہ حکیم ناصر خسروؒ ظاہراً و باطناً ایک علمی کائنات ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی، تو آپ ہرگز نہ فرماتے کہ مجھے چشمِ بصیرت سے دانشمندوں کی طرح کلّی طور پر دیکھنا، میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی دینی حکیم جو حجّت یا پیر کا مرتبہ بھی رکھتا ہو، وہ کبھی مبالغہ آمیز باتیں نہیں کرتا، اس کا قول صداقت، حقیقت، اور حکمت سے بھرپور ہوتا ہے، تاکہ اس کے توسط سے اِمامِ برحق علیہ السّلام کی روشن ہدایت مہیّا ہوتی رہے، پس یقیناً حضرتِ پیر ناصر خسروؒ پر امامِ زمانؑ کا مقدّس نُور اپنی تمامیت و کمالیت کے ساتھ طلوع ہوچکا تھا، جس سے حضرتِ پیر کا عالمِ شخصی ( ) منوّر و تاباں ہوا، جس کا ذکر شروع میں بھی ہوا ہے۔

اسماعیلی دعوت میں سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کا مقام

الواعظ امیر حمزہ

کسی بھی دین و مذہب کی اشاعت کا انحصار اس کی دعوت کے نظام پر ہوتا ہے۔ دینِ اسلام جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، اس کی اشاعت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے دعوت کو لازم کیا ہے۔ ارشاد ہے " لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ (۱۳/۱۴) یعنی سچّی دعوت اسی کی ہے۔" ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (۱۶/۱۲۵)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھّی وعظ کے ذریعے بلاؤ۔" اسلام میں دعوت سے مُراد وہ حکمتِ عملی ہے جس کے ذریعے دین کو پھیلایا جاتا ہے اور اس کے حقائق و معارف ظاہر و باطن کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہی انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد تھا جنھوں نے اپنے اپنے دور میں تقاضائے وقت کے مطابق نظامِ دعوت کو چلایا اور احیائے دین کے عمل کو جاری رکھا۔ آنحضرت صلعم کے دورِ نبوّت میں دینِ اسلام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ہدایت کی ضرورت باقی رہنے کی وجہ سے آپؐ کے وصال کے بعد اہلِ تشیّع آلِ رسولؐ کی امامت سے وابستہ رہے۔ ائمۂ اہلبیتؑ نے دعوت کے اس نظام کو بدلتے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالا۔ ائمہؑ نے خود خورشیدِ عالم بن کر ہدایتِ الٰہی کی روشنی سے عالم کو منوّر کیا اور مختلف علاقوں کی

طرف اپنے داعی بھیجے جنھوں نے اس دعوت کے کام کو نہایت مؤثر طریقے سے پھیلایا۔ دعوت کا یہ نظام فاطمی دورِ خلافت میں ایک مکمل اور جامع نظام کی شکل میں سامنے آیا جس کی بنیاد حدودِ دین کے نظام پر رکھی گئی جن کو مراتبِ دین بھی کہتے ہیں۔ جن میں سے اہم یہ ہیں:

(۱) مستجیب (۲) ماذون (۳) داعی (۴) حجّت (۵) امام (۶) اساس (۷) ناطق۔[۱]

اس نظامِ دعوت میں حجّت ایک نہایت ہی اعلیٰ مقام ہے جو براہِ راست امامؑ کے بعد ہے۔ آیئے ہم اس مرتبے اور حد کو مختلف پہلوؤں سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ قرآنِ پاک میں لفظِ حجّت مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً دلیل و ثبوت، بُرہان وغیرہ۔ جن جن آیات میں دلیل و ثبوت کے معنوں میں مستعمل ہے ان سے حق کے اثبات اور باطل کی نفی مُراد ہے۔

حق کے اثبات اور باطل کی نفی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو جو علم دیا تھا اُسے حجّت یا بُرہان کہا گیا ہے۔ اور خود انبیاء اور ائمہ کی ذات بابرکات کو بھی حجّت کہا گیا ہے جو ان کے بلند درجات کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ (۶/۸۳)

ترجمہ:- یہ ہماری حجّت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر (غالب آنے کے لئے) دی تھی۔ ہم جن کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴/۱۶۵)

[illegible] رسولوں کے (آنے کے) بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ [illegible] کوئی حجّت، جس طرح انبیاء و رُسل اللہ تعالیٰ کے [illegible] اوصیا اور ائمہ بھی اپنے عصر میں اللہ تعالیٰ کے حجّت ہیں جیسا کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "[illegible] زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے جتنے ذوی العقول ہیں۔ ہم [illegible] پر حجّت البالغہ ہیں۔"

حدودِ دین میں امام جو صفاتِ الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ اور تمام حدودِ دین کا جامع اور انتہا ہیں، کے بعد حجّت کا مقام ہے۔ امام باطنی طور پر ان کی مدد فرماتے ہیں۔ ان کی یہ باطنی اور نورانی مدد اسماعیلی مذہب کی اصطلاح میں تائید کہلاتی ہے۔ چنانچہ [illegible] سہراب ولی فرماتے ہیں۔ "تائید وہ نورانی طاقت ہے۔ جو امام کے بعد حجّت کو حاصل ہے"[۲] سیّدنا ناصر خسروؒ اپنی تصنیف [illegible] اصل میں لکھتے ہیں کہ حدودِ دین میں جو پانچ صاحبِ تائید [illegible] ان میں سے ایک ہوتا ہے[۳]۔ اسی حقیقت کے متعلق سہراب ولی کہتے ہیں:

[illegible] حضرت راہ بود : او ز تائید دلش آگاہ بود[۴]

"پس یہی وہ نورانی طاقت ہے جس کی بدولت حجّت امام سے علم الٰہی کا فیض حاصل کرتا ہے۔ جس کے اثر سے حق و باطل اور تنزیل و تاویل میں فرق کرتا ہے اور لوگوں کو علمِ تاویل سے بہرہ ور کرتا ہے۔

سیّدنا ناصر خسروؒ بھی اس بارے میں فرماتے ہیں کہ

حجتان دست رحمان از امام روزگار
دست اگر خواہند در تاویل برکیوان کنند
حجّت و برہان دین از حجتان او شنو
زانکہ این دیوانگان دعویٰ بی برہان کنند[۵]

ترجمہ: "خدائے رحمان کے دستِ مبارک یعنی امام زمانؑ کے مقرر کردہ حجت امامؑ کی اجازت سے اگر چاہیں تو ساتوں آسمان (عالم ملکوت) کی بھی تاویل کر دیں گے۔ دین کی دلیل و ثبوت اس (امامؑ) کے حجتوں سے سن لو اس لئے کہ یہ دیوانے یعنی عوام الناس بغیر دلیل کے دعوی کرتے ہیں۔"

اسماعیلی داعیوں کی کتابوں میں حجت کی بہت ہی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس اہمیت کی وضاحت اس مثال کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ مثلاً انسان کے جسم میں ناک اور منہ جو عمل کرتے ہیں اس سے جسمانی زندگی کی بقا رہے۔ اگر خدانخواستہ ناک بند ہو تو انسان منہ کے سہارے سانس لے کر زندہ رہ سکتا ہے جب ناک اور منہ دونوں بند ہوں تو زندگی کا خاتمہ ہونے لگتا ہے۔ امامؑ اور حجت بھی اسی طرح عالم دین میں بالترتیب ناک اور منہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے امامؑ کی ذات کی شناخت حجتؑ کی معرفت میں مضمر ہے۔ یعنی دورِ ستر میں حجت امامؑ کی نیابت کرتے ہیں۔ علم و ہدایت کے نور سے امامؑ کے پیروکاروں کو فیضیاب کرتے ہیں۔ وہ امام اور لوگوں کے درمیان ہمیشہ واسطہ کا کام دیتے ہیں۔ جس طرح حجت اپنے حلقۂ دعوت میں امامؑ کے نائب ہوتے ہیں اور دعوت کے امور میں خود مختار ہوتے ہیں اسی طرح سیدنا اپنے آپ کو "مختار امام عصرؑ" کی حیثیت سے دعوت کے امور، داعیوں کے انتخاب، ان کی تعلیم و تربیت کے مختار سمجھتے تھے۔ اور علم تاویل کے نورِ ہدایت سے لوگوں کو فیضیاب کرتے تھے۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا شمار ان حجتانِ کبار میں ہوتا ہے

کو اس منصب جلیلہ پر فائز ہو کر زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔ سیدنا وہ عظیم ہستی ہیں جنھوں نے بہت سے علاقوں خاص طور پر وسطی ایشیا کے دشوار گزار خطوں میں علم و ہدایت کو پھیلایا۔ اور مذہب کی شمع کو روشن کیا۔

سیدنا ناصر خسروؒ کا وجدان چالیس سال گزرنے کے بعد بیدار ہوا اور طلبِ حق کا آغاز ایک پُر مصائب اور طویل لمبے سفر سے کیا۔ قاہرہ میں قیام کے دوران اسماعیلی دار الحکمۃ سے مذہب و دعوت کا مطالعہ کیا۔ اسماعیلی مذہب کے علم سے استفادہ کیا۔ چونکہ آپ اپنے زمانے کے مروّج علوم و فنون سے پہلے سے ہی آراستہ تھے اس لئے آپ کو جلد ہی مجلسِ دعوت میں شامل کر لیا گیا۔ آپ کو علمی عظمت اور خاندانِ حق سے والہانہ محبت اور وفا کے سبب "حجت جزیرہ" کے عظیم مرتبے پر فائز کر دیا گیا۔

چنانچہ آپ اپنی کتاب زاد المسافرین کے دیباچے میں فرماتے ہیں کہ "مر نوشتۂ الٰہی را کہ اندر آفاق و انفس است خاندان حق نمائیم بہ دستوریکہ از خُد اوند روزگار خویش یافتیم اندر جزیرہ خراسان"۔ ؎

ترجمہ: "یعنی آفاق و انفس میں جو الٰہی کتاب ہے وہ خاندانِ حق کے پیروکاروں کو ہم دکھا دیں گے۔ اس فرمان کے بموجب جو ہمیں جزیرہ خراسان کے متعلق زمانے کے مالک (امامِ حق) سے ملا ہے۔"

اپنے دیوان اشعار میں سیدنا ناصر خسروؒ نے مختلف طریقوں سے اپنے مقامِ حجتی کو ظاہر کیا ہے۔ مثلاً حجتِ مستنصر، نائب پیغمبر، حجتِ فرزندِ رسولؐ، سفیر، مامور، مختارِ

امامِ عصر، مستعین محمدؐ، برگزیدۂ علی المرتضیٰ، ان کے علاوہ آپ کبھی "شبانی" اور "دہقانی" کے ناموں سے کبھی اپنے اشعار میں اپنے لقب کا ذکر فرماتے ہیں۔

چنانچہ ذیل میں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو آپ کے مقام حجتی پر دلالت کرتے ہیں:

از حجتِ مستنصر بشنو سخنِ حق
روشن چو شب آہنگ سحرگاہِ مجالی ۹
حجتم روشن ازان است کہ من بر خلق
حجت نائب پیغمبر سبحانم ۱۰

ترجمہ: ۔ امام الوقت حضرت مولانا مستنصر باللہ صلوات اللہ علیہ کے حجت سے دینِ حق کی پُر حکمت باتیں سنیئے کیونکہ اس کی تعلیمات اس ستارے کی مانند ہیں جو رات کی تاریکی میں کارواں کی رہنمائی کے لئے صبح کی روشنی کی طرح روشن ہیں۔

میری دلیلیں اس لئے روشن ہیں کہ خلائق پر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے نائب (امامِ حق) کی جانب سے میں حجت ہوں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ حجت کے حلقۂ دعوت میں جو علاقہ آتا ہے اُسے "جزیرہ" کہا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے آپ فرماتے ہیں کہ

مرا داد دہقانی این جزیرہ : برحمت خداوند ہر ہفت کشور ۱۱

ترجمہ: "ممالک ہفت اقلیم (امامِ زمانؑ) نے مجھے کمالِ رحمت سے اس جزیرے کی (دعوت کی نگرانی) کا عظیم عہدہ تفویض فرمایا۔ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے امامؑ کی تائید ہمیشہ اُن کے شاملِ حال رہتی جسکا اظہار یہ کرنے دلوں(؟) میں

مرا جز بتائیدِ آلِ رسولؐ : نہ تصنیف بُود و نہ قیل و قال
مرا بر سخن پادشاہی و امر : زمن نیست بل کز رسول است و آل ۱۲

ترجمہ: مجھے آلِ رسول صلعم (امامِ زمانؑ) کی تائید کے بغیر نہ تصنیف کرنے کی طاقت تھی اور نہ قیل و قال کی۔ اس سخنوری اور امر کی پادشاہی مجھ سے نہیں بلکہ رسول صلعم کی آل (زمانے کے امامؑ) کے فیض سے ہے۔

سیدنا ناصر خسرو قدس اپنے آپ کو حسنِ عقیدت اور وفا شعاری میں حضرت سلمانؓ کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں حضرت سلمانؓ کو آنحضرتؐ نے ان کے حسنِ عقیدت و ارادت کی وجہ سے اہلبیت کا درجہ دیا تھا۔ پیر ناصر خسروؒ فرماتے ہیں۔

[illegible] داد زانکہ سلمان را : نیستم من چو سلیمان کہ چو سلمانم ۱۳

ترجمہ: ۔ "مجھے بھی (روحانی اور دینی اعتبار سے) وہ سب کچھ دیا گیا جو حضرت سلمان فارسیؓ کو دیا گیا تھا۔ اگرچہ میں حضرت سلیمان کی طرح (صاحب جاہ و جلال) نہیں پھر بھی سلمان فارسیؓ کی طرح ضرور ہوں۔ الغرض جن محققین نے آپ کی سوانح عمری، سیرت و [illegible]، کارناموں، قربانیوں اور مذہبی خدمات کے متعلق لکھا ہے، اور آپ کی زندگی کے جن جن گوشوں کے بارے میں تحقیق و تدقیق کی ہے۔ ان میں سے ایک آپ کا مقام و مرتبہ یعنی مرتبۂ درجۂ حجتی ہے۔

آپ مستنصر کی مدت میں تمام درجات کو طے کر کے حجت کے مقام مرتبے پر فائز ہوئے اور خراسان، ماوراء النہر کے وسیع علاقے میں (دینِ حق کے پیروکاروں کے لئے بحیثیت شبانی) امامی دعوت پر مامور ہوئے۔ جس پر آپ کو بجا طور پر فخر [illegible] آپ فرماتے ہیں۔

[illegible] آن کز امامِ زمانہ : سوی عاقلان خراسان سفیرم ۱۴

ترجمہ: ۔ کیا یہ بات میرے لئے فخر کا باعث نہیں کہ میں امامِ زمانہ کی طرف سے خراسان کے عقلاء کے لئے سفیر بن کر آیا ہوں۔

اس بلند مرتبت کی وجہ سے آپ کے نصیب میں وہ خداداد علم لدنی آیا جس سے آپ پر رحمت کے دروازے کھل گئے۔

فرماتے ہیں کہ

شکر آن خدا را کہ سوی علم دین خویش
راہ داد سوی رحمت و بکشاد در مرا [15]

ترجمہ:- "اس بزرگ و برتر خدا کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے علم دین کی طرف مجھے راہ دکھائی اور مجھ پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولا۔"

جن ہستیوں پر رحمت کے دروازے کھول دیے گئے ہوں اُن کے رُوحانی مقام کا کیا کہنا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

گر بر قیاس فضل بگشتی مدار دھر
جز بر مقر ماہ نبودی مقر مرا
با خاطر منور روشن تر از قمر
ناید بکار ہیچ مقر قمر مرا [16]

ترجمہ:- "اگر مدارِ زمانہ فضل و دانش کے مطابق گھومتا تو میرا ٹھکانہ چاند کی سطح پر ہوتا۔ مجھے اس چاند سے بھی زیادہ روشن دل کے ہوتے ہوئے چاند کی قرارگاہ کی کوئی ضرورت نہیں۔"
نیز فرماتے ہیں کہ

ہر چند مسکنم بزمین است روز و شب
بر چرخ ہفتم است مجال سفر مرا [17]

ترجمہ: "ہر چند کہ میری سکونت دن رات اس زمین پر ہے لیکن (حقیقت میں) مجھے (روحانیت کے) ساتویں آسمان پر سفر کرنے کی قدرت حاصل ہے۔"
آپ کے رُوحانی کمالات، فضل و دانش کی عظمت کا اندازہ حضرت امام سُلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے اس ارشادِ مبارک سے ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے:
"ناصر خسروؒ کا فلسفہ مولانا رومی کی (مثنوی) کے فلسفے سے زیادہ گہرا ہے۔" [18]

حوالہ جات

۱۔ [illegible] ناصر خسرو علویؒ (بہ تصحیح ڈاکٹر یحییٰ الخشاب) خوان الاخوان۔ ص ۱۱
۲۔ [illegible] سہراب ولی — تحفۃ الناظرین — ص ۸۹
۳۔ [illegible] شاہ [illegible] ناصر خسروؒ — ششم فصل — ص ۱۳۵
۴۔ [illegible] سہراب ولی — تحفۃ الناظرین — ص۔ ۸۹
۵۔ [illegible] ابو معین حمید الدین ناصر خسرو تصحیح حاجی سیّد نصر اللہ تقوی دیوانِ اشعار — ص ۱۰۶
۶۔ ابو معین حمید الدین ناصر بن خسروؒ — وجہِ دین — ص ۱۱۶
۷۔ [illegible] ہراتی — تصنیفات خیرخواہ — ص ۵۷
۸۔ [illegible] ہونزائی — سیّدنا حکیم ناصر خسرو علویؒ — ص ۴۴
۹۔ ناصر خسروؒ بہ تصحیح مجتبیٰ مینوی — دیوان ناصر خسروؒ — ص ۶۶
۱۰۔ [illegible] ابو معین حمید الدین ناصر بن خسروؒ بہ تصحیح سیّد نصر اللہ تقوی دیوانِ اشعار ص ۲۸۳
۱۱۔ [illegible] ابو معین حمید الدین ناصر بن خسروؒ بہ تصحیح سیّد نصر اللہ تقوی دیوانِ اشعار ص ۱۶۹
۱۲۔ [illegible] ابو معین حمید الدین ناصر بن خسروؒ بہ تصحیح سیّد نصر اللہ تقوی دیوان اشعار ص ۲۵۶
۱۳۔ [illegible] ہونزائی — سیّدنا حکیم ناصر خسرو علویؒ — ص ۴۴
۱۴۔ [illegible] ابو معین حمید الدین ناصر خسروؒ بہ تصحیح سیّد نصر اللہ تقوی دیوان اشعار ص ۲۹۰
۱۵۔ ایضاً — ص ۷
۱۶۔ ایضاً — ص ۶
۱۷۔ ایضاً — ص ۶
۱۸۔ [illegible] ہونزائی — سیّدنا حکیم ناصر خسرو علویؒ — ص ۴۵

سفرنامہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ ۔ ایک مطالعہ

(تحریر :۔ شیخ محمدؐ اقبال)

مقدمہ :۔ "سفرنامہ" علمی و ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واحد صنفِ ادب ہے جس کا تقریباً تمام اہم معاشرتی علوم سے گہرا تعلق ہے۔ مؤرخوں، سوانح نگاروں اور جغرافیہ دانوں نے اس صنف سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور اسی وجہ سے دنیا کی مختلف زبانوں کے ادبیات میں سفرناموں کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ "سفر وسیلۂ ظفر" صحیح معنوں میں اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مسافر اپنے سفر میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ سفر میں دوسروں کو شریک کرنا اُسی طرح ممکن ہے کہ تمام تجربات و مشاہدات کو اس طرح بیان کر دیا جائے کہ سفرنامہ پڑھنے والا ذہنی طور پر اُنہیں راستوں اور گزرگاہوں پر چلا جائے جن سے سفرنامے کے مصنّف کا گزر ہوا ہے۔ سفرنامہ لکھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ حالات و واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور گرد و پیش کی پھیلی ہوئی دنیا کے رازوں کو جاننے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سیّدنا ناصر خسروؒ کے اس سفرنامے میں وہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں اور اُن کا یہ سفرنامہ کئی لحاظ سے یادگار کتاب ہے۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (۲۹/۲)

(اے رسولؐ) کہہ دو کہ تم زمین میں چلو پھرو۔

شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں :

برگِ درختان سبز در نظر ہوشیار ۔ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(ترجمہ) "ایک ہوشیار آدمی کی نظر میں سبز درختوں کے پتّے بھی پروردگار کی معرفت کا ایک دفتر ہیں"۔

چنانچہ مسلمانوں نے عام طور پر اور ہمارے اسماعیلی داعیوں نے خاص طور پر اس روایت کو اپنایا کہ وہ اپنی تحقیقی پیاس کو بجھانے، حقیقت کی تلاش اور دین کی اشاعت کے سلسلے میں اپنے گھر بار کو خیرباد کہہ کر ہزاروں میلوں کی مسافت طے کر کے تکالیف و مصائب برداشت کرتے رہے اور انہوں نے اس بات کی کبھی پرواہ نہیں کی کہ اُن کی عدم موجودگی میں اُن کے گھر والے کس حال میں رہیں گے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جب ایک مسافر کسی طویل سفر پر روانہ ہوتا ہے، خواہ وہ سفر کتنے شوق اور کتنی امنگوں کا ہی کیوں نہ ہو تو اُس کے دل میں ملے جُلے جذبات کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے۔ وطن اور گھر والوں کی جدائی، ان کی خیر و عافیت کی فکر، اپنے سفر کے مراحل کا خیال، منزل کی دوری کا احساس، نئے ماحول اور نئے ملک کے بارے میں تحفظ اور اندیشے، خیریت کے ساتھ گھر واپس پہنچنے اور گھر والوں کو خیر و عافیت سے پانے کی آرزو، غرض نہ جانے کتنے خیالات و احساسات ہوتے ہیں جن کے تلاطم میں انسان گھر سے روانہ ہوتا ہے لیکن ایک حقیقی جستجو کی آرزو رکھنے والا ان باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔

سیّدنا ناصر خسروؒ نے اپنے سفر کا آغاز کیا تو اُس وقت نہ ریل تھی، نہ موٹر کار، نہ طیارے، سمندر کا سفر کرنا بھی جان جوکھوں کا کام تھا اور مزید یہ کہ یہ سفر انہوں نے اپنی عمر کے اُس حصّے میں شروع کیا جب جوانی کی چوالیس بہاریں دیکھ کر تمام منزلیں طے کر کے بڑھاپے کے دور میں داخل ہو چکے تھے۔ اگرچہ ذہنی طور پر پوری طرح علمی اور عقلی پختگی آ چکی تھی لیکن جسمانی طور پر اُن کے قویٰ کمزوری کی طرف مائل ہو چکے تھے لیکن وہ اپنے مقصد کی تکمیل و تلاشِ حقیقت کی آرزو لئے ہوئے سات سال تک سمندر کی لہروں سے لڑتے، ہولناک ریگستانوں سے گزرتے، پُرشور دریاؤں کو کھنگالتے، فلک بوس پہاڑوں پر چڑھتے، جنگلوں اور بیابانوں و برفستانوں کو قطع کرتے رہے۔

بقول شاعر؎ حیرت نہ کر بدن کو میرے چُور دیکھ کر
اُن رفعتوں کو دیکھ جہاں سے گرا تھا میں

سفرناموں کی تاریخ: سیّدنا ناصر خسروؒ کے سفرنامے اور اُن کے سفر کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے مختلف سفرناموں کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو مولوی عبدالرزاق کانپوری کے ترجمہ سفرنامہ ناصر خسرو کے مقدمے کے صفحہ ۲۳ اور ۲۴ پر پیش کیا گیا ہے۔

"چینی مسلمانوں میں دوسری صدی ہجری سے سیاحت کا آغاز ہو چکا تھا اور ممالکِ عجم میں سب سے پہلے ابو اسحٰق اصطخری ۳۴۰ھ بمطابق ۹۵۱ء میں سفر کو نکلا تھا اور عربوں میں اصطخری سے نو سال قبل ابوالقاسم ابنِ حوقل ۳۳۱ھ بمطابق ۹۴۱ء میں اور اس کے بعد ابوالبنّار بشاری مقدسی ۳۷۵ھ بمطابق ۹۸۵ء

عرب و عجم کی سیاحت کو روانہ ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ چنانچہ زمانہ مابعد کے سیاحوں میں ابنِ جبیر متوفی ۶۱۴ھ بمطابق ۱۲۱۷ء اور ابن بطوطہ ۷۷۹ھ بمطابق ۱۳۷۷ء کے سفرنامے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں اور یہی قدیم سیاحت نامے سیاحانِ یورپ کے لئے شمعِ ہدایت بنے اور جغرافیۂ عالم کی تکمیل کا باعث ہوئے اور یونانیوں کی جغرافیائی غلطیوں کی اصلاح کا آغاز ہوا۔

پانچویں صدی ہجری کے ۳۶ سال بعد حکیم ناصر خسروؒ یوم پنجشنبہ جمادی الآخر ۴۳۷ھ بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۰۴۵ء میں مرو شاہجہان سے سیاحت کے لئے روانہ ہوا اور سات سال کے بعد ۲۲۲۰ فرسنگ یعنی ۶۶۶۰ میل کی مسافت طے کر کے بتاریخ ۲۶ جمادی الآخر ۴۴۴ھ بمطابق ۲۳ اکتوبر ۱۰۵۲ء کو بروز جمعہ اپنے عزیز وطن میں داخل ہو کر سجدۂ شکر ادا کیا کہ مہلکات سے محفوظ رہ کر صحیح و سلامت اپنے گھر پہنچ گیا۔ خود سیّدنا ناصر خسروؒ نے سفرنامے کے آخر میں لکھا ہے۔

"میں بلخ سے مصر گیا تھا اور وہاں سے مکہ معظمہ اور پھر بصرہ ہو کر فارس میں واپس آیا اور بلخ میں داخل ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس ملک کے اطراف میں زیارتوں کو بھی گیا تھا۔ چنانچہ مجموعی مسافت میری سیر و سیاحت کی دو ہزار دو سو بیس فرسنگ تھی"

صفحہ ۲۴ پر فٹ نوٹ میں مولوی عبدالرزاق کانپوری کہتا ہے کہ یہ سیاحت بلخ سے مصر اور مصر سے مکہ معظمہ اور بصرہ سے فارس ہوتے ہوئے واپس بلخ کی ہے جو شارع عام سے حساب کی گئی ہے اور پگڈنڈی راستوں سے جو مشاہدِ مقدس کو گیا ہے

وہ مسافت اس میں شامل نہیں ہے۔

صفحہ ۲۳ پر حقیقتِ تلاش کے سفروں کے ذکر میں مولوی کانپوری نے صوفیاء کا بھی حوالہ دیا ہے جن میں ابراہیم بن ادہم، جنید بغدادی، سری سقطی، بُشر حافی، محی الدین ابن عربیؒ، ذوالنون مصری اور تابعین میں حضرت اویس قرنی نے سیاحت کی۔ لیکن ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یا تو مولوی کانپوری کا تاریخ کے حوالے سے اسماعیلی داعیوں کے بارے میں علم بہت محدود رہا ہے جیسا کہ اس نے مقدمے میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سفرنامہ ناصر خسرو کے متعلق بھی اس کو علم شمس العلماء خان بہادر ذکاء اللہ دہلوی سے حاصل ہوا۔ یا پھر اپنے مخصوص اندازِ فکر کی بناء پر اس نے اس پہلو پر روشنی ڈالنے سے گریز کیا ہے کہ اسماعیلی داعیوں اور مبلغین کی ایک ایسی کثیر تعداد ہمیں تاریخ میں نظر آتی ہے جنھوں نے حقیقتِ تلاش اور اشاعتِ دین کے سلسلے میں سفر کی روایت کو اپنایا جس طرح رسولِ اکرم صلعم اور اُن کے رفقاء نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے اصول کو اپنایا۔ اگرچہ اُن داعیوں کے سفروں کے خود نوشت احوال آج ہمارے سامنے نہیں ہیں، لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے سفر اختیار کئے اور دیگر ممالک اور دیارِ غیر میں جاکر دین کی اشاعت کی اور فاطمی خلافت و حکومت اور ریاستیں قائم کیں مثلاً جعفر بن منصور الیمنؒ، داعی ابو عبداللہ الشیعیؒ، جوہر صقلیؒ، سیدنا حسن بن صباحؒ، داعی جیلم بن شیبان وغیرہ نے یمن، شمالی افریقہ، الموت اور ملتان میں بالترتیب حکومتیں اور ریاستیں قائم کیں اس کے ساتھ ساتھ ہمارے وہ داعی اور پیر جو ایران سے ہندوستان آئے مثلاً پیر شمسؒ، پیر صدر دینؒ، پیر حسن کبیر دینؒ، پیر تاج الدینؒ اور سید امام شاہ وغیرہ

انھوں نے اپنے سفروں کے احوال اپنے گنانوں میں بیان کئے ہیں۔

لیکن باقاعدہ طور پر ایک سفرنامہ لکھنے کا شرف اسماعیلی داعیوں اور پیروں میں پیر ناصر خسروؒ کو حاصل ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فارسی زبان کے سفرناموں میں صرف ناصر خسرو کا سفرنامہ بلحاظِ [illegible] خصوصیات یادگار سفرنامہ ہے۔

اشاعتیں: ناصر خسرو کا سفرنامہ پہلی بار ۱۸۸۱ء میں فرانس کے ایک اسکالر شارل شیفر نے ایک قلمی نسخے سے شائع کیا جو پیرس کے ایک قومی کتب خانے میں موجود تھا۔ اور اس اشاعت میں انھوں نے ایک تحقیقی اور عالمانہ تبصرہ بھی سفرنامے کے متعلق شامل کیا اس کے تھوڑے عرصے کے بعد تہران سے اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ پھر ۱۳۴۱ھ بمطابق ۱۹۲۲ء میں برلن میں کاویانی پریس سے ایک محققانہ مقدمے کے ساتھ جناب م غنی زادہ نے نہایت ہی [illegible] ایڈیشن شائع کیا۔ اس کے بعد ایران سے حال ہی میں ایک نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے وہ ایک بہترین اشاعت سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس میں تمام تعلیقات کے ساتھ ساتھ ناصر خسروؒ کے سفر [illegible] نقشہ اور دیگر مواد بھی پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی ایڈیشن اور اختصارات وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں اس سفرنامے کے کئی اُردو ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن اُن میں [illegible] ترجمہ وہ ہے جو مولوی عبدالرزاق کانپوری کا ہے جسے انجمنِ ترقی اردو ہند دہلی نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا تھا۔

خصوصیات: یہ سفرنامہ فارسی زبان میں ہے اور زبان بھی [illegible] ہزار سال گزرنے کے باوجود نامانوس نہیں ہے۔ اتنی رواں، اتنی سادہ، اتنی شگفتہ، اتنی دلنشیں اور شیریں کہ وہ کہتا جائے

اور لوگ سنتے جائیں۔

اس سفرنامے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ پیر ناصر خسروؒ جن جن علاقوں اور حوادثات سے جس وقت گزرے ہیں اُسی وقت اُن کو زیرِ قلم لے آئے ہیں تاکہ غلطی اور بھول کا احتمال نہ رہے۔ ایسا نہیں کیا کہ اپنا سفر مکمل کرنے کے بعد واپسی پر گھر آکر ان کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ سفرنامے کا یہ پہلو اس کے اسناد کو اور بھی تقویت پہنچاتا ہے جس طرح کہ ابنِ بطوطہ نے کیا کہ دورانِ سفر وہ یادداشتیں مرتب کرتا رہا۔ ۲۵ سال کے بعد وطن پہنچا اور پھر گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر ان یادداشتوں کی مدد سے سفرنامہ مکمل کیا۔ لیکن سیدنا ناصر خسروؒ نے اس سے اجتناب کرتے ہوئے دورانِ سفر میں یہ سفرنامہ مرتب کیا اور جہاں جہاں جو کچھ دیکھا تحریر کرتے چلے گئے جیسا کہ سفرنامہ کے اردو ایڈیشن کے صفحہ ۱۵ پر تحریر ہے کہ یہ مضمون میں نے جامع بیت المقدس میں لکھا ہوا دیکھا تھا اور اُسی جگہ میں نے اپنے روزنامچے میں لکھ دیا تھا۔

مولانا حالیؔ کی رائے یہ ہے کہ ناصر خسرو نے سفرنامہ نہایت ہی سادہ عبارت میں بے لاگ لکھا ہے اور ادبی نقطۂ نظر سے نہایت ممتاز ہے اور یہ سفرنامہ اُن اوّلین کتابوں میں شمار ہوتا ہے جو فتوحاتِ ایران کے بعد فارسی میں لکھی گئی ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ نو سو سال سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی ہے اور زبان کا لہجہ بہت حد تک تبدیل ہو گیا ہے لیکن ایرانی ابھی تک اس سفرنامے کو پڑھتے ہیں اور ان کی نظر میں اس سفرنامے کی عبارت غیر مانوس نہیں معلوم ہوتی ہے اور کھلی ہوئی تعریف یہ ہے کہ ناصر خسروؒ نے نہ صرف سفرنامے میں بلکہ جملہ تصانیف میں عربی الفاظ بہت کم

استعمال کئے ہیں حالانکہ دورِ حاضر کے انشاء پرداز بھی ایسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہیں جس میں عربی الفاظ کم ہوں۔

مولانا مزید لکھتے ہیں کہ ناصر خسروؒ کا کلام تصنّع سے پاک ہے وہ جو کچھ کہتا ہے دل سے کہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے پند و نصائح دل پذیر ہیں۔ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اخلاقی جرأت بدرجۂ کمال ہے اور وہ بلاخوفِ ملامت و تردد صاف لکھتا ہے اور کسی بادشاہ یا وزیر کی عظمت و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتا ہے۔

درخشاں مہدی نے اپنے مقالے سبکِ نثر ناصر خسرو در سفرنامہ میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے کہ

اس کتاب میں ناصر خسرو نے اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں اور جو حوادث ان پر گزرے ہیں اُن کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں فارسی زبان میں اپنے سات سالہ سفر کا احوال بیان کیا ہے اور اسلام کے بعد ایک مسلمان کے ہاتھ سے لکھی جانے والی یہ مفید ترین اور بہترین کتاب ہے۔

مزید لکھتا ہے کہ یہ سفرنامہ بھی ہے، تذکرہ بھی ہے، تاریخ بھی ہے، جغرافیہ بھی ہے، خوش کن باتوں کا مرکب بھی ہے جس میں دلچسپ، آموز اور عبرت افزا باتیں بھی ہیں۔ یہ اقوام و ملل کی احوال بھی ہے۔ اس میں اصطلاحات اور رسومات اور کئی دیگر معاملات کا ذکر موجود ہے۔

یہ نہایت ہی رواں، سادہ اور آسان زبان میں لکھی ہوئی ایک ایسی کتاب ہے جو تصنّع اور حشو و زوائد اور سجع سے پاک ہے۔ اس میں کنائے اور اشارے استعمال نہیں کئے گئے

ہیں سوائے ایک دو جگہوں کے ۔ سادہ تشبیہات احساسات کے اظہار کے لئے مختلف مقامات پر لائی گئی ہیں تاکہ اس چیز کو بہتر طور پر بیان کیا جائے۔

اگرچہ اس میں مختلف واقعات اور جگہوں کی تفصیلاً بیان کی گئی ہیں لیکن ان کے جزئیات کو کبھی نظرانداز نہیں کیا گیا ہے، مگر وہ جزئیات ایسی نہیں ہیں کہ ایک پڑھنے والے کی طبیعت پر گراں گزریں بلکہ وہ تفصیلات ان جزئیات کے بغیر نامکمل رہ جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں شستہ پختہ نثر بیان کی گئی ہے جو ہر زمانے میں تازہ اور مانوس نظر آتی ہے۔ اسے ہزار سال گزر جانے کے باوجود کبھی ابھی تک متروک اور ناموس دکھائی نہیں دیتی بلکہ نہایت ہی شیریں اور دلنشین ہے۔

سیّدنا ناصر خسروؒ نے سفرنامے میں عربی اصطلاحات کو بھی استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے اور ایک ایک لفظ کے کئی کئی مترادفات استعمال کئے ہیں لیکن یہ اُس زمانے کے لوگوں کی زبان تھی اور اُنہیں لوگوں کے لئے لکھی گئی تھی جو ان اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اُن کا پورا ادراک رکھتے تھے۔

قُدماء کے برخلاف عربی کلمات کو عربی قواعد کے لحاظ سے ہی استعمال کیا ہے اور جب ان الفاظ کی جمع لکھی ہے تو ان کو فارسی کلمات کی طرح ہی استعمال کیا ہے جیسے کہ مدرّسان مقریان، غریبان، کاتبان، قلعہا، ولایتھا وغیرہ۔

سفرنامہ فارسی زبان کی خوبصورت مترادفات سے معمور ہے جو آج تک اہلِ ادب کے نزدیک قابلِ قبول ہیں لیکن چند ایک ایسی ہیں جن کا استعمال آجکل کم ہو گیا ہے جیسے آشوب، ارش، بر چک وغیرہ وغیرہ۔

اے۔ جے۔ آربری اپنی کتاب کلاسیکل پرشین لٹریچر کے صفحہ ۹۹ پر رقمطراز ہے:

ناصر خسرو کی بہترین نثری تصنیف اس کا سفرنامہ ہے جس میں اس نے مصر کی طرف سفر کا احوال نہایت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کی دوسری کتابیں بھی اسلامی فلسفے اور علم کلام کے لحاظ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اُن کا انداز تحریر ابو سینا سے مشابہت رکھتا ہے۔

اُردو ادب میں سفرنامے کے مصنف ڈاکٹر انور سدید صفحہ ۸۱ اور ۸۳ پر رقمطراز ہیں:

حکیم ناصر خسرو نہایت باریک بین سیّاح تھا۔ اس نے زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مشاہدات جمع کئے اور ہر قصبہ اور شہر کے تاریخی واقعات اور جغرافیائی کوائف کو سفرنامے میں جگہ دی اس نے مختلف شہروں کی آبادی کے کوائف، عوام کی حالت، دینی نظریات، فرمانرواؤں کا رعایا سے سلوک اور [illegible]، علماء اور مشائخ کے حالات و معمولات کے بارے میں بھی نادر معلومات فراہم کی ہیں۔

حکیم ناصر خسرو کا سفرنامہ پانچویں صدی ہجری کی اسلامی تاریخ کا ایک بہترین ماخذ ہے۔ یہ فارسی کے اولین سفرناموں میں شمار ہوتا ہے۔ ناصر خسرو نے زیادہ توجہ معلوماتی کوائف جمع کرنے پر صرف کی اور حقیقتِ احوال پر ذاتی تاثر کو غالب نہیں آنے دیا۔ اس کا اسلوب سادہ اور انداز بیانِ تاریخی ہے۔ تاہم تلاشِ حق میں ناصر خسرو نے جو مصعوبتیں اُٹھائیں اُن کا عکس اس سفرنامے میں در آیا ہے۔ ناصر خسرو کو فارسی کی فلسفیانہ اور حکیمانہ شاعری میں بھی بلند مقام

حاصل تھا لیکن اس کی شاعری نے سفرنامے کے اسلوب پر نمایاں اثر نہیں ڈالا۔ مذہبی عقائد، تہذیبی اقدار اور تمدنی نقوش کی نشاندہی کی بناء پر اس سفرنامے کو تاریخی حیثیت مل گئی ہے۔"

"فارسی زبان میں حج کے سفرناموں کی ابتداء حکیم ناصر خسرو نے کی۔ ناصر خسرو ۱۰۴۵ء میں سفرِ حج پر روانہ ہوئے تو وہ کم و بیش آٹھ سال تک ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت کرتے رہے اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد قاہرہ، اسکندریہ، شام اور بیت المقدس میں آثارِ اسلامیہ کی زیارت کے بعد وطن واپس آئے۔ یہ سفرنامہ نہ صرف فارسی زبان کے اہم سفرناموں میں شمار ہوتا ہے بلکہ اس میں حج کے سفرِ اطاعت کو بھی شوق کی فراوانی سے پیش کیا گیا ہے تاہم اس سفرنامے سے اس دور کی مجلسی زندگی کا عکس نسبتاً واضح انداز میں سامنے آتا ہے۔" (صفحہ ۴۶۳)

بریگیڈیر جنرل سر پرسی سائیکس اپنی کتاب ہسٹری آف پرشیا کے صفحہ ۴۶ پر لکھتا ہے۔

"ناصر خسرو ایک اسماعیلی مبلغ تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک شاعر اور سیاح بھی تھا۔ اس کی مہمات کا ذکر سفرنامے میں مذکور ہے جس کو سفروں کی کہانی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس سفرنامے میں انہوں نے سادہ زبان میں اپنے سفر کا حال بیان کیا ہے جس میں مرو سے نیشاپور، تبریز، ایشیائے کوچک اور حلب تک کے احوال قلمبند کئے ہیں، پھر یروشلم کے راستے مکّہ میں خانہ کعبہ کا حج کیا اور آخر کار ۴۳۹ھ/۱۰۴۷ء میں قاہرہ پہنچے۔ مصر میں انہوں نے اسماعیلیہ کے باطنی عقائد کی تعلیم حاصل کی اور انہیں حجتِ خراسان کا لقب عنایت کیا گیا۔ اس سفرنامے میں وہ مصر میں فاطمی خلفاء کے تحت

خوشحالی، بہترین نظم و نسق اور عدل و انصاف کا ذکر کرتے ہیں۔
واپسی پر آپ نے جنوبی راستہ اختیار کرتے ہوئے اصفہان والی، طبّاس تون سرخس وغیرہ کا دورہ کیا۔ جن میں تباس اور تون آگے چل کر ممتاز اسماعیلی سنٹر بن گئے۔"

سفرنامہ کے مندرجات: سیّدنا ناصر خسروؒ نے اپنے سفرنامہ میں جن جن ممالک، شہروں، قصبات اور مواضع کا ذکر کیا ہے، ان کا جغرافیہ، محلِ وقوع، وہاں کی عمارات، ان ممالک کے حکمرانوں، نظامِ حکومت، طرزِ حکومت، عدل و انصاف، لوگوں کے طرزِ رہائش اور بود و باش پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس سفر کے دوران جن حکماء، علماء، صوفیاء اور شعراء سے ملاقات ہوئی ان کا کہیں تفصیلاً اور کہیں اجمالاً ذکر کیا ہے۔ ان شہروں اور ملکوں میں پائے جانے والے آثارِ قدیمہ، گذشتہ اقوام کے آثار، پیغمبروں کے مقابر، وہاں کی مساجد، گرجا، خانقاہیں، مشاہد (زیارت گاہیں)، مدارس، حمامات اور قلعوں کا ایسے دلنشین انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کو احساس ہوتا ہے کہ جیسے وہ خود ان عمارات کے اندر گھوم پھر کر نظارہ کر رہا ہو۔ وہاں کی انڈسٹری یعنی صنعتوں، درآمد برآمد، کپڑے، ظروف، اوزار، بازاروں کے عام حالات، رائج الوقت سکّے کی نوعیت، وہاں کی دولتمندی اور افلاس گویا کہ ان کے پورے نظامِ معیشت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس سفرنامے میں اُن ملکوں اور دیہات کی زرعی پیداوار، مناظرِ قدرت، باغات، پھلوں، پھولوں کا بیان ہے۔ وہاں کے نظامِ آب رسانی اور نکاسی، سمندروں، دریاؤں، نہروں، چشموں، کنوؤں، مشہور بندرگاہوں کا تفصیلی

جائزہ سفرنامے میں پیش کیا گیا ہے۔ زمانۂ جدید میں پائے جانے
والے نظام مثلاً کسٹم ہاؤس، پرمٹ، چنگی، مردم شماری، ایک شہر
سے دوسرے شہر تک کے فاصلے کی پیمائش کا نظام اور ان کے نشانات،
شارع عام اور پگڈنڈیوں کا ذکر ہے۔ حکمرانوں نے کس قسم کا [illegible]
اور فوجی نظام وضع کر رکھا تھا۔ قلعہ جات کی تعمیر، حفاظت، فوج
کی تنخواہیں، وردیوں گویا کہ ان کے پورے عسکری نظام پر روشنی ڈالی
کی گئی ہے۔ اس زمانے کے پورے تہذیبی اور ثقافتی ماحول
کی ایک شاندار عکاسی کرتے ہوئے اُن کے ملکی رسم و رواج،
جشنوں، عیدوں، قومی میلوں اور تہواروں کا ذکر کیا ہے۔ ان
علاقوں میں پائے جانے والے جنگلی، سمندری جانوروں اور
عجائبات کو بھی قلمبند کیا ہے۔

گویا سیدنا ناصر خسرو کا گزر جن ملکوں، علاقوں،
شہروں اور دیہاتوں سے ہوا وہاں کے پورے نظام عسکری،
معاشی، زرعی، صنعتی، معاشرتی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی
نظاموں کا تفصیل کے ساتھ نہایت ہی سادہ، دلکش اور
پُرکشش زبان اور انداز میں ذکر کیا ہے۔ اس لئے یہ سفرنامہ
ہونے کے ساتھ ساتھ جغرافیے، تاریخ، تذکرے اور عجائبات و
غرائب قصص کی ایک مستند کتاب کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔
تاریخی نقطۂ نگاہ سے تو یہ سفرنامہ ایک ابتدائی ماخذ
(PRIMARY SOURCE.) کی حیثیت رکھتا ہے۔
کیونکہ سیدنا ناصر خسرو نے اپنے چشم دید واقعات اور حالات
مرتب کئے اور خاص طور پر ہمارے لئے وہ حصہ زیادہ دلچسپی
کا باعث ہے جہاں آپ نے فاطمی خلافت، قاہرہ، اُس کے

[illegible] اس کی محلوں، دیگر عمارات، فاطمی خلیفہ حضرت امام
[illegible] علیہ السلام کی جاہ و جلالی، شان و شوکت، اُن کی
سخاوت، رعایا پروری، فلاحی اداروں اور علمی
[illegible] کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے سیدنا ناصر خسروؒ بحیثیت
[illegible] کے ایک اعلیٰ مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں
[illegible] ان کی اپنی سوانح عمری بھی ہے کیونکہ انہوں نے اس میں
[illegible] زندگی کے حالات اور اپنی آپ بیتی بھی بیان کی ہے اور مختلف
[illegible] اپنی علمی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے کہ ایک دقیق نظر
[illegible] والا آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ سیدنا کس علمی مقام
[illegible] شخصیت تھی کیونکہ وہ اپنے اس سفرنامے میں ایسے
[illegible] کا بھی ذکر کرتے ہیں جو مختلف زبانیں مثلاً عربی، فارسی،
[illegible] عبرانی وغیرہ بولتے تھے اور ان کے ساتھ آپ کی گفتگو ہوئی
[illegible] اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ آپ ان تمام
[illegible] پر عبور رکھتے تھے۔
[illegible] سفرنامہ کو آپکی سوانح عمری اور آپ بیتی اس لئے کہا
[illegible] ناصر خسروؒ نے اس میں اپنی ملازمت اور اس سے
[illegible] کے زمانے سے آغاز کرتے ہوئے اپنے سفر شروع
[illegible] کی وجوہ بیان کی ہیں اور اپنی زندگی کے اُن پہلوؤں کو بھی
[illegible] کے سامنے اس طرح عیاں کر دیا ہے جن کو بیان کرتے
[illegible] لوگ جھجک محسوس کرتے ہیں یعنی کہ اس سے پہلے
[illegible] شراب نوشی کی عادت تھی اور وہ حکومت کی ملازمت
[illegible] تھے۔ اور اس سفر میں آپ پر جو تکالیف اور
[illegible] آئیں ان کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے ہوئے

اپنے مشن کی تکمیل کی دُھن میں آگے بڑھتے گئے اور کبھی ہوا [illegible]
زمانہ کی پرواہ نہ کی۔ یہ نتیجہ اسی لگن اور جذبے اور شوق کا [illegible]
جب سفر کا آغاز کیا تو سیّدنا ناصر خسرو عام علمی انسان [illegible]
جب اس سفر کا اختتام ہوا تو اتنا خوشگوار، اتنا حسین اور [illegible]
تھا کہ وہ نہ صرف امام کے ایک داعی اور مبلّغ تھے بلکہ [illegible]
عظیم المرتبت عہدے پر فائز تھے۔

آیئے اب ہم سب مل کر اس سفرنامے کی سیر کریں اور [illegible]
کہ جو کچھ اس مقالے کی تمہید اور آغاز میں کہا گیا ہے کہاں تک
درست ہے۔

سیّدنا ناصر خسرو اپنے اس سفر کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

"یہ عجیب اضطراری سفر تھا اس وقت مجھے نہ تو اپنا مکان
یاد آیا (جو مرو میں تھا) نہ باغ و پارک کا خیال تھا۔ صرف یہی ایک
دھن تھی کہ جو خیال دماغ میں بسا ہوا ہے اس کی تحقیقات کروں۔
اس خیال سے دورانِ سفر پارسی، عربی، ہندی، سندھی، اردو،
عبرانی، فلسفی، مانوی، صابی اور داہری سے جو کوئی بھی ملا اس
سے اظہار خیال کیا اور مکرّر سوالات کئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔
اس سفر میں مجھے بڑی تکلیف اٹھانا پڑی۔ اکثر پتھروں کے [illegible]
پر سویا۔ پتھر ہی کا تکیہ سرہانے رکھا اور چشمے اور چادر کا کام [illegible]
(ابر) سے لیتا رہا۔ انتہائی نشیبی زمین پر بھی چلنا پڑا۔ کبھی [illegible]
پہاڑ، چوٹیوں سے گزرا جس کی بلندی برج جوزا کی رفعت سے
کہیں زیادہ تھی اور ایسی منزلیں بھی طے کرنا پڑیں کہ جہاں سمندر
کا پانی یخ ہو کر سنگِ مرمر بن گیا تھا اور بعض ایسے گرم مقام آئے
جہاں مکان کرۂ نار بن جاتا تھا۔ دریا بھی عبور کئے۔ ایسی بلندیاں

[illegible] جہاں راستہ مفقود تھا۔ علاوہ بریں راستے میں
[illegible] اور دریاؤں کا مدّ و جزر بھی دیکھا۔ کبھی شتربانوں
[illegible] مہری گردن میں تھی اور کبھی بیٹھ پر اونٹ کا سا بوجھ
[illegible] باوجود ان مصائب کے دریا اور خشکی کا سفر
[illegible] اور عملی مسائل کی تلاش اور تحقیقات بھی ہوتی رہی۔
[illegible] وطن کی یاد بھی ستاتی رہی جس کا ذکر اپنے کلام
[illegible]

۱۔ [illegible] خاک خراسانت نہ پذرفت مخمور غم
[illegible] شنودی ایزد بہ از خاکِ خراسان

۲۔ [illegible] سد زمین غریب خوار و محزون
[illegible] راسان را کہ بے من حال تو چون

۳۔ سلام کن زمن اے بادِ خراسان را
بر اہل فضل و خرد را نہ عام و نادان را

[illegible] کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو انہوں نے سیاحت
[illegible] سال میں بیان کیا ہے:

"[illegible] ایسے کھنڈرات میں پہنچے جن کو ہرما کہتے تھے۔
[illegible] پہاڑ یا ر: تھیں کہ میں نے ویسی کسی ملک میں نہیں
[illegible] اور ان کی اونچائی اس قدر تھی کہ تیر پہنچ سکے اور بیضۂ مرغ
[illegible] ہموار اور سخت تھیں جن میں کوئی شگاف نہ تھا۔
[illegible] سے آگے بڑھے۔ ہمارے ساتھی جب سوسمار (گوہ)
[illegible] تو مار کر کھا جاتے تھے اور جہاں عربوں کی آبادی
[illegible] وہاں اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ میں نہ سوسمار کا گوشت
[illegible] اور نہ ہی دودھ پیتا تھا۔ راستے میں جہاں کہیں کوئی پھلدار

درخت ملتا (جس کے پھل بھی آڑو کے برابر تھے) اس کے چند پھل توڑ کر کھا لیتا تھا اور اسی پر قناعت کرتا تھا۔"

اس سفر کے دوران سیّدنا مختلف لوگوں سے ملے جن میں بادشاہ، وزراء، خلفاء، حکماء، علماء، سفراء وغیرہ سب شامل تھے، ان سب سے اپنی ملاقاتوں کا تفصیلاً و اجمالاً ذکر کیا ہے اور اُن کے متعلق اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کیا ہے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی بلکہ حقیقت کو عیاں کیا ہے۔ مثلاً جہاں تبریز میں قطران شاعر اور سمنان میں استاد علی نسائی سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں مختلف شاعروں، منجملہ اور دقیقی کے دیوانوں کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ابوالعلاء معرّی سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ فنِ شعر و ادب میں کامل ہے۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علماء تسلیم کرتے ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہوا اور نہ اس وقت موجود ہے۔ اس کے حلقۂ درس میں دو سو طلباء اطراف و جوانب سے آکر علم و ادب اور فنِ شعر کی تکمیل کرتے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ اس کے اشعار ہیں۔

ان علمی شخصیات سے ملاقاتوں کے علاوہ سیّدنا ناصر خسرو کی اس سفر کے دوران مختلف فرمانرواؤں، شہزادوں، امراء اور وزراء سے بھی ملاقاتیں ہوئیں مثلاً طبرستان، آذربائیجان دیار بکر کے حکمرانوں، اہواز کے وزیر ابوالفتح علی بن احمد وغیرہ۔ ان ملاقاتوں کا مقصد کچھ مطالبہ نہیں تھا بلکہ یہ ملاقاتیں خود حکمرانوں اور وزراء کے اپنے ایماء پر ہوتی تھیں۔ اس سے بھی

سیدنا ناصر خسروؒ کی خودداریِ طبیعت اور مزاج کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

سیدنا ناصر خسروؒ نے اپنے اس سات سالہ سفر کے دوران چار حج بھی ادا کیے (جو بالترتیب ۴۳۸ھ، ۴۳۹ھ، ۴۴۰ھ اور ۴۴۱ھ میں وقوع پذیر ہوئے) ایک حج مصر جانے سے پہلے اور تین وُرودِ مصر کے بعد سیّدنا نے تفصیل کے ساتھ ان سفروں کا ذکر کیا ہے۔ اگر ہم ان سفروں کا احوال پڑھیں تو سیدنا ناصر خسروؒ نے ہر سفر کے احوال کو ایسے مختلف انداز سے بیان کیا ہے کہ کبھی تو مکہ اور مدینہ کے جغرافیائی حالات بیان کرتے ہیں، کبھی وہاں کے موسم کا ذکر کرتے ہیں، کہیں انہی عمارات کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے اس تذکرے میں فاطمی خلیفہ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السلام کے بارے میں ۴۳۹ھ یعنی اپنے دوسرے حج کے ذکر میں بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ غلافِ کعبہ ارسال کیا کرتا تھا اور چونکہ امسال محمل براہِ قلزم روانہ ہوا اس لئے میں بھی اس قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوا۔ ص

اپنے تیسرے حج کے ذکر میں بیان کرتے ہیں:

اسی سال امیر مدینہ مصر میں آیا تھا اور خلیفہ کی جانب سے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا کیونکہ یہ امیر امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ چنانچہ میں بھی امیر مذکور کے ہمراہ جہاز میں بیٹھ کر قلزم تک آیا اور یہاں سے امیر کی معیت میں مصر تک آیا۔

سیدنا ناصر خسروؒ کے سفرنامے کے مطالعے سے ان کی شخصیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں مثلاً قاہرہ سے جب واپسی کا ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ "جب میں اسوان سے عیذاب آنے لگا تو وہاں
میرے ایک دوست ابو عبداللہ محمد بن فلیج نے ایک رقعہ اپنے
دوست کے نام لکھ دیا کہ "میری مِلک سے جو کچھ ناصر طلب کرے
وہ اس کو دے دو اور اگر تم اپنے پاس سے دو گے تو میں اس
کا بھی معاوضہ ادا کر دوں گا"۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام
کا ارشاد ہے کہ "المومن لا یکون محتشماً و لا مُغتنماً"
یعنی مومن نہ تو شاندار بنتا ہے اور نہ مالِ غنیمت جمع کرتا ہے۔
یہ تذکرہ میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ ناظرین سمجھیں کہ لوگ
ایک دوسرے کا اعتبار کرتے ہیں اور فیاضی ہر جگہ اور فیاض
لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے"۔

سیدنا ناصر خسرو نے اس سفر نامے میں اپنے سات سالہ
سفر کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے مختلف شہروں مثلاً نیشاپور،
قزدین، تبریز، میا فارقین اور آمِد کا ذکر کیا ہے۔ آمِد کے
متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے اس جیسا شہر عرب و عجم، ہندوستان
اور ترکستان میں نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی سیّاح نے مجھ سے
بیان کیا کہ آمِد جیسا شہر کہیں اور ہے۔ پھر مُلکِ شام، حلب،
معرۃ النعمان جہاں ابوالعلاء معرّی سے ملاقات ہوئی تھی، حماۃ،
طرابلس، بیروت، صیدا، صُور اور عکہ جو ایک مشہور بندرگاہ ہے
کا بیان ہے اور یہاں کے مشہور مقدس مقامات کا ذکر ملتا ہے
جن میں مختلف پیغمبروں کے مزارات اور قبّے وغیرہ بھی شامل
ہیں۔ یہاں سے آپ رملہ فلسطین ہوتے ہوئے بیت المقدس
پہنچے، اسے القدس بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے حالات آپ
نے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ آپ نے مسجدِ اقصیٰ اور اس

کے حوالے سے واقعہ معراج النبیؐ صلعم کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ
مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں ایک چبوترہ ہے جو اسلام سے پہلے قبلہ
تھا۔ اس کو صخرہ مبارک کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں پر بھی آپ
نے کئی انبیاء اور ان کے خاندان کے افراد کے آثار کے متعلق گرانقدر
معلومات فراہم کی ہیں۔

سیدنا ناصر خسروؒ کا یہ بیان ہمارے لئے دلچسپی کا باعث
ہوگا کہ یہاں میں نے ایک شمع دیکھی جس کا طول سات ہاتھ اور
اس کی جسامت تین بالشت تھی جس میں کافور، باحی اور عنبر وغیرہ
کی آمیزش تھی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ سُلطانِ مصر بکثرت شمعیں بھیجا
کرتا تھا۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ بڑی شمع بھی ہے جس کے نیچے
طلائی حروف میں سُلطانِ مصر کا نام لکھا ہوا تھا۔

بیت المقدس کے ایک گرجا گھر کا بھی سیّدنا نے ذکر کیا ہے
اور کہا اس گرجا گھر میں زیارت کے لئے مختلف ممالک کے زائرین
کے علاوہ عیسائی حکمران اور بادشاہ بھی آیا کرتے تھے جو یہاں
پر بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کراتے تھے۔ اس لئے
فاطمی امام حاکم بامر اللہ علیہ السلام نے اس گرجا گھر کو مسمار کرا دیا
لیکن جب قیصرِ روم نے معذرت کر لی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا
تو امام علیہ السلام نے اس کی دوبارہ تعمیر کی اجازت دیدی۔

بیت المقدس سے سیّدنا ناصر خسروؒ حج کے لئے مکّہ چلے گئے
اور پھر شام کے راستے واپس بیت المقدس آئے اور یہاں سے
مختلف شہروں کی سیر کرتے ہوئے تینس پہنچے جس کے متعلق روایت
ہے کہ قیصرِ روم نے ایک سفیر بھیج کر سلطانِ مصر سے استدعا کی تھی
کہ شہر تینس مجھے دے دیا جائے اور ممالکِ روم کے سو شہر اس کے

بدلے میں لے لئے جائیں لیکن سلطانِ مصر نے منظور نہیں کیا اور اس تبادلے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے کپڑے کی صنعت پر قابو حاصل کیا جائے اور خاص طور پر قصب اور بوقلموں کا کپڑا جو صرف اس شہر میں بنایا جاتا تھا۔ جس کو آجکل دھوپ چھاؤں کہتے ہیں۔

سیّدنا مزید لکھتے ہیں کہ جو قصب اور بوقلموں سلطان کے واسطے خاص طور پر تیار کیا جاتا ہے اس کی پوری قیمت ادا کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کاریگر دل سے سلطان کے لئے کام کرتے ہیں اور ملکوں کی طرح نہیں ہے کہ جہاں وزیر و بادشاہ کی طرف سے کاریگروں پر سختیاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کے عماری کے پردے اور گھوڑوں کے زین کے نمونے بھی سلطانِ مصر کے لئے بوقلموں سے بُنے جاتے ہیں۔

قاہرہ کا احوال: تیونس سے آپ قاہرہ میں داخل ہوئے، سفرنامے میں سیّدنا نے قاہرہ کا جغرافیہ، دریائے نیل، اس کے منبع، طغیانی اور اس کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ طغیانی کے وقت پورا ملک زیرِ آب آجاتا ہے، اس لئے خلیفہ کی جانب سے سالانہ دس ہزار دینار بند باندھنے کے لئے دیئے جاتے ہیں اور اس رقم سے نئے بند باندھے جاتے ہیں۔ پھر اسکندریہ سجلماسہ اور مہدیہ اور اُندلس کے شہروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جزیرہ صقلیہ کا بیان بھی شامل کیا ہے۔

سیّدنا ناصر خسروؒ نے شہر قاہرہ، اُس کے آباد کرنے کی کہانی، مُلکِ مصر کی فتح، قاہرہ کی ابتدائی آبادی، عسکری نظام، محلّات کی تفصیلات، شہر کے مختلف دروازوں اور محلہ جات، کا ذکر کیا ہے جس طرح جدید دور میں چھتوں پر باغات بنائے

جاتے ہیں جن کو روف گارڈنز (   ) کہا جاتا ہے۔ سیّدنا نے ان کا ذکر کیا ہے کہ قاہرہ میں چھتوں پر بھی درخت لگاتے ہیں اور سیر گاہ (پارک) بناتے ہیں۔ کئی کئی منزلہ عمارتیں ہیں جن میں مالک کے پاس ایک منزل ہوتی ہے باقی کرایہ پر دی ہوئی ہوتی ہیں۔ جس طرح آجکل حکومت کی جانب سے شجر کاری کی مہمات کا آغاز و اعلان کیا جاتا ہے، مصر میں اس کا عام رواج تھا۔ سیّدنا تحریر فرماتے ہیں کہ مصر میں یہ عجیب بات ہے کہ جس فصل میں کوئی باغ لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔ کیونکہ جس قسم کے درخت مطلوب ہوں بروقت (ذخیرہ سے) مل سکتے ہیں اور شائق لگا سکتا ہے۔ خواہ پھل والے ہوں یا بغیر پھل کے ہوں۔ اور اس کام کے لئے دلال مقرر ہیں جو فوراً فرمائش کی تکمیل کرتے ہیں۔ اُن ذخائر کی حالت یہ ہے کہ درختوں کو گملوں میں لگا کر چھتوں پر رکھتے ہیں اور اکثر مکانات کی چھتیں باغ ہوتی ہیں اور درخت اکثر ثمر دار ہوتے ہیں، مثلاً نارنگی، خربوزہ، انار، سیب اور پھولوں میں گلاب اور نازبو وغیرہ۔

علاوہ ازیں قاہرہ کے بازاروں، کاروبار، میوہ جات، سبزی، پھلوں اور پھولوں، صنعتِ ظروف سازی، مصری صوت وسائلِ آب رسانی تک کی جزئیات بیان کی گئی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ باربرداری اور سواری کے لئے خچر کرایہ پر آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے کاروبار کے سلسلے میں گھروں سے بازاروں اور دکانوں تک خچر پہ سوار ہو کر آتے ہیں۔

تقریبات کا احوال: قاہرہ کے حوالے سے مختلف تقریبات کا ذکر کیا ہے جس میں ایک تقریب افتتاحِ خلیج ہے۔

جب اس میں طغیانی آتی ہے تو خلیفہ خود اس نہر کو کھولنے کے لئے تشریف لاتے ہیں جس کے ذریعے قاہرہ کو پانی فراہم کیا جاتا ہے۔ اس تقریب کی انجام دہی سے پہلے کئی دن تک اس کی عملی مشق ( ) کی جاتی ہے۔ جس دن یہ رسم انجام دی جاتی ہے اُس دن خلیفہ خود سوار ہو کر نکلتا ہے۔ اُس کے آگے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں فوجی، گھوڑے سوار، پیدل، اُمراء، سُفراء، قاضی القضاہ، اربابِ علم ہمراہ ہوتے ہیں۔ عود و عنبر کی انگیٹھیاں جلائی جاتی ہیں۔

مزید یہ کہ جب خلیفہ کے ہاں شہزادے کی ولادت پر جشن منایا جاتا تھا اور خلفائے فاطمین کا یہ دستور تھا کہ ہر سال [illegible] کے موقع پر عام دعوت کرتے ہیں اور دربارِ عام منعقد کرتے ہیں۔ قصرِ خلافت میں دعوتِ عید الگ منعقد کی جاتی تھی۔ بادشاہ کے لئے ہر روز چودہ اونٹ برف سے لدے ہوئے آتے تھے پھر یہاں سے اُمراء اور خواص کو تقسیم کی جاتی تھی اور عوام میں بیماروں کی ضرورت کے لئے فراہم کی جاتی تھی۔

سیرتِ امیرالمومنین: کسی حکمران کی سیرت و کردار کا اندازہ اس وقت لگایا جا سکتا ہے جب رعایا امن و سکون سے رہے، کاروبارِ سلطنت اور کاروبارِ عوام بہترین طور پر چلتے ہوں، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، کسی پر ظلم و ستم نہ ہو، رعایا محفوظ ہو، چوری ڈکیتی کا کوئی خوف نہ ہو۔ اس سلسلے میں سیّدنا نے تحریر فرمایا ہے:

"باشندگانِ مصر میں امن و اطمینان کا یہ عالم تھا کہ بزاز، صراف اور جوہری اپنی دکانوں کے دروازے بند نہ کرتے تھے بلکہ ایک

[illegible] پر تان دیتے تھے اور کسی کی یہ طاقت نہ تھی کہ تصرف کر سکے۔"

سیّدنا مزید لکھتے ہیں کہ مملکِ شام سے قیروان تک میں نے [illegible] ہر ہر گاؤں اور قریہ میں جس قدر مساجد ہیں ان کے [illegible] کا وکیل ادا کرتا ہے۔ اس صرفہ میں چراغ کا تیل، [illegible] بوریہ، مصلّے، مہتمم، فراش اور مؤذنوں کی تنخواہ اور [illegible] شامل ہیں۔

ایک سال کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ والیٔ شام نے عرضی [illegible] روغن زیتون اس سال کم ہوا ہے اگر فرمانِ عالی صادر [illegible] مساجد کے لئے کڑوا تیل (جو مولی اور شلجم کے بیجوں سے [illegible]) دیا جائے، اس پر حکم ہوا کہ تم صرف حکم کی تعمیل [illegible] والے ہو وزیر نہیں یعنی رائے دینے کے مجاز نہیں ہو۔ [illegible] کا تعلق خانۂ خدا سے ہے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔

قاہرہ سے واپسی: قاہرہ کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد [illegible] اپنی وطن واپسی کا بیان شروع کرتے ہیں اور [illegible] جو شہر آتے ہیں ان سے متعلقہ تفاصیل کا بھی بیان [illegible] جاتے ہیں۔ وہاں کی پیداوار اور صنعت کا ذکر کرتے ہیں [illegible] فرماتے ہیں کہ اسیوط میں بکریوں کے بالوں کی پگڑیاں بنتی [illegible] کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی۔ لکھا ہے کہ میں نے یہاں پر [illegible] دیکھا کہ جس کی نظیر نہ لہاور (لاہور) میں دیکھی اور نہ [illegible] ہیں اور یہ ظاہری شکل و صورت میں مثل ریشم کے ہوتے ہیں۔

سیّدنا کے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ملتان اور [illegible] بھی آئے ہوں گے لیکن سفرنامے میں ان علاقوں کے [illegible] نہیں ہے۔ اسیوط سے عیذاب آگے جہاں اپنے تین

ماہ کے قیام کے دوران وہاں کے لوگوں کی درخواست پر آپ ان کی نماز کی امامت کراتے رہے۔ یہاں کے اونٹ اور ایک مچھلی کے بارے میں لکھا ہے کہ مچھلی کا قد اتنا بڑا ہوتا ہے کہ وہ ایک پورے اونٹ کو ایک ہی لقمے میں نگل جاتی ہے۔

عیذاب سے جدّہ اور پھر مکّہ آئے۔ آپ نے مکّے کے حالات بیان کئے ہیں اور ارکانِ حج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ گویا سفرنامہ اس زمانے کے مکّہ اور مدینہ اور مختلف مقامات کے متعلق معلومات کا ایک ایسا خزانہ ہے جو سیّدنا نے اپنی نظر سے دیکھیں اور خود مشاہدہ کرکے قلمبند کی تھیں۔ یعنی سفرنامہ اس زمانے میں حج ادا کرنے والوں کے لئے ایک گائیڈ بک کی حیثیت رکھتی تھی۔

مکّہ معظمہ سے یمن جانے کے لئے طائف پہنچے اور وہاں سے یمامہ آئے۔ اس دوران بھی آپ نے کافی تکالیف اور مصیبتیں اٹھائیں جن کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں آپ نے لحسا کا بھی ذکر کیا ہے جس کو آجکل تاریخ میں الاحساء کہتے ہیں جو قرامطہ کا مرکز تھا۔ قرامطہ کا مختصر ذکر کرنے کے بعد وہاں کی مصنوعات، پیداوار، ان کے رہنے سہنے کے طریقوں اور مذہبی حالت پر روشنی ڈالی ہے۔

لحساء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کسی عرب فرمانروا نے فوج کشی کی اور ایک سال تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ شہر کا بڑا حصّہ تباہ کر دیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ اپنے علمِ نجوم کے ذریعے سے بتاؤ کہ میں لحساء کو فتح کر سکوں گا یا نہیں۔ اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیّدنا

کو علمِ نجوم پر بھی عبور حاصل تھا۔

یہاں پر سامعین و قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ عرض کرتا جاؤں کہ یہی وہ قرامطہ ہیں جو خانۂ کعبہ سے حجرِ اسود اٹھا کر الاحساء لے آئے تھے تاکہ مکّہ کی بجائے الاحساء میں لوگ حج کرنے کے لئے آئیں۔ اس سلسلے میں بہت سے حکمرانوں نے کوشش کی کہ قرامطہ سے یہ حجرِ اسود واپس حاصل کیا جائے لیکن کسی سے کچھ نہ بن پڑا۔ یہ اعزاز فاطمی خلیفہ حضرت امام منصور علیہ السّلام کو حاصل ہوا کہ اُن کی کوششوں سے قرامطہ نے حجرِ اسود واپس کر دیا اور اُسی جگہ نصب کر دیا جہاں سے اُکھاڑا تھا۔

لحساء سے آپ بصرہ گئے لیکن ضمناً آپ نے بحرین، عمان اور قطیف کے شہر کا بھی ذکر کر دیا ہے اور بصرہ کی نہروں، بازاروں، حماموں، مشاہد حضرت علی جن کی تعداد تیرہ ہے، بصرہ کے محلوں اور گرد و نواح کا تفصیلی بیان درج کیا ہے۔

بصرہ سے براستہ فارس آپ اپنے وطنِ مالوف کو روانہ ہوئے اور مختلف شہروں سے گزرتے ہوئے بلخ میں داخل ہوئے۔ بلخ میں اپنے داخلے کو سیّدنا ناصر خسروؒ نے نہایت ہی جذباتی انداز میں ایک واقعہ کے ساتھ متعلق کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"جب میں رباط سہ درہ میں پہنچا تو سنا کہ میرا بھائی خواجہ ابو الفتح عبد الجلیل وزیرِ خراسان (ملقب بہ ابو نصر) کے ارکان میں شامل ہے اور مجھے خراسان سے نکلے ہوئے سات برس ہو چکے تھے۔ جب دست گرد میں پہنچا تو میں نے ایک بھیڑ دیکھی کہ شور غل کو جا رہی ہے۔ میرا دوسرا بھائی خواجہ ابو سعید جو ہم سفر تھا، اُس

نے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ جواب ملا کہ وزیر کا۔ پھر پوچھا کہ تم ابوالفتح عبدالجلیل کو پہچانتے ہو۔ جواب دیا کہ ابوالفتح کا ملازم ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اسی وقت ایک شخص آیا اور پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ ہم نے کہا کہ حج سے۔ اس نے کہا کہ ہمارے خواجہ کے دو بھائی تھے اور وہ دونوں عرصے سے حج کو گئے ہوئے ہیں اور خواجہ ہمیشہ ان کا مشتاق رہتا ہے لیکن جب کسی سے پوچھتا ہے کوئی حال نہیں بتاتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ میں ناصر کا خط لایا ہوں، جب تمہارا آقا ملے گا تو اس کو دوں گا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ قافلہ سڑک پر ٹھہر گیا اور ہم بھی راستے پر کھڑے رہے۔ اس نوکر نے کہا کہ اب خواجہ آیا ہی چاہتا ہے۔ تم کو موقع نہ پائے گا تو رنجیدہ ہوگا۔ اگر تم ناصر کا خط مجھ کو دو تو میں خواجہ کو دے دوں تو وہ بہت خوش ہوگا۔ میرے بھائی نے کہا کہ تم ناصر کا خط چاہتے ہو یا خود ناصر کو؟ دیکھو یہ ناصر ہے۔ وہ خادم خوشی کے مارے ایسا متوالا ہوگیا کہ اس سے کچھ اٹھائے دھرتے نہ بن پڑا۔ میں دیہات کے راستے بلخ جا رہا تھا اور خواجہ ابوالفتح دست گرد سے آرہا تھا اور امیر کی خدمت میں خراسان کو جا رہا تھا۔ میرا حال سُن کر دست گرد سے لوٹا اور جمبوکیان کے پُل پر ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ ہم بھی پہنچ گئے۔ یہ شنبہ کا دن تھا اور جمادی الثانی ۴۴۴ھ کی چھبیسویں تاریخ تھی (یعنی ستمبر ۱۰۵۲ء کا مہینہ تھا)۔ بھائی سے ملنے کی کوئی امید نہ تھی اور میں خود متعدد مرتبہ ہلاکت میں پڑ چکا تھا اور امیدِ حیات باقی نہ تھی۔ ایسی حالت میں بھائی سے مل کر اور اس کو دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی اور خداوند تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اُسی دن ہم سب بلخ پہنچ گئے۔

اور اس کے حسب حال یہ تین شعر لکھے:

اندوہ و عنائے جہاں اگرچہ درازاست : بابدو بانیک بیگمان بسر آید

(ترجمہ): اگرچہ دنیا کے رنج و غم طویل ہیں، لیکن سب انسان ان کو بسر کرتے ہیں۔

ما چو مسافر زبہر ماست شب و روز : ہرچہ یکی رفت بر اثر دگر آید

(ترجمہ): واقعہ یہ ہے کہ ہمارے واسطے آسمان رات دن گرم سفر ہے۔ جب ایک دنیا سے جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

ما سفر برگذشتنی گزرانیم : تا سفر ناگذشتنی بدر آید

(ترجمہ): ہم ایک اختتام پذیر سفر پر رواں دواں ہیں تاکہ ایک لازوال اختتام سفر سامنے آئے۔

آخر میں سیّد ناصر خسروؒ اپنے سفرنامے کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔

"میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سرگذشت کو سچائی سے لکھ دیا ہے۔ بعض روایتیں جو میں نے سُنی ہیں اگر اس میں کچھ خلاف ہو تو ناظرین اس خاکسار کی جانب منسوب نہ کریں اور مواخذہ سے معاف فرمائیں اور بُرے الفاظ سے یاد نہ کریں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور سفر مشرق کا اتفاق ہوا تو جو کچھ مشاہدہ کروں گا وہ بھی اس سفرنامے میں شامل کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ وحدہٗ العزیز۔ والحمدُ للّٰہِ ربِّ العالمین، والصّلوٰۃُ علیٰ محمّدٍ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔"

کتابیات

۱- ناصر خسرو — سفرنامہ — ترجمہ عبدالرزاق کانپوری — انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی - ۱۹۴۱ء

۲- ابنِ بطوطہ — سفرنامہ — ترجمہ رئیس احمد جعفری — نفیس اکیڈمی - کراچی

۳- دانشگاہِ فردوسی — یادنامہ — مشہد

۴- عبدالوہاب طرزی — ناصر خسرو بلخی حکیم و شاعر قرن پنجم ہجری — کابل ۱۳۵۵ شمسی

۵- ابنِ سدید ڈاکٹر — اُردو ادب میں سفرنامہ — مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور

۶- Sir Percy Sykes.
A HISTORY OF PERSIA. Mcmillan & Co. Ltd. London.

۷- Arbery, A.J.
CLASSICAL PERSIAN LITERATURE.
George Allen & Unwin, London.

۸- BROWNE, E.G.
A LITERARY HISTORY OF PERSIA.

۹- G. M. WICKENS.
THE CHORONOLOGY OF NASIR KHUSRAW'S SAFARNAMA (Article)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیوانِ اشعار پر ایک نظر

تحریر: عالیجاہ فدا علی ایثارؔ ہنزوی

دیوانِ اشعار حکیم ناصر خسروؒ کا وہ مجموعۂ اشعار ہے جس کو دینی اور علمی اعتبار سے اسماعیلی دعوت کی مستند اور معتبر کتب میں شمار کیا جا سکتا ہے، بظاہر یہ ایک دفترِ اشعار ہے لیکن اشعار کیا ہیں بصیرت و معنویت کے دُرِّ شہوار ہیں۔

اگرچہ حکیم ناصر خسروؒ کی نابغہ طبیعت نے آغازِ جوانی ہی سے شعر و سخن میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی جس میں اپنے عہد کے دوسرے شعراء کی طرح مے و معشوق، گل و بلبل کے تذکرے اور غزل و ہزل سب ہی شامل ہوں گے لیکن جب آپ نے اپنے سات سالہ معروف سفر کے بعد مصر جا کر اسماعیلی دعوت سے وابستگی اختیار کی اور حضرت امام مستنصر باللہؑ کی طرف سے سرزمینِ مشرق میں اسماعیلی دعوت کی نگرانی کا عظیم منصب یعنی حجّتِ جزیرہ کا عہدہ لے کر وطن واپس آئے تو آپ نے ان تمام اشعار کو جو غزل و ہزل پر مشتمل تھے حذف یا تلف کر دیا ہوگا۔

آپ نے شاعری کو از راہ تفنّن اختیار نہیں کیا تھا بلکہ آپنے اسماعیلی دعوت سے وابستگی اختیار کرنے کے بعد شاعری کو بھی دعوت الحق کی ترویج و اشاعت کے لئے بطور ذریعہ استعمال کیا گویا اسماعیلی دعوت قبول کرنے کے بعد آپ نے جس شعر گوئی کو اختیار فرمایا تھا اس کا تعلق پیشہ ورانہ شاعری سے نہیں بلکہ

دعوتِ اہلبیت کی اشاعت کے لئے ایک ذریعے کے طور پر اختیار فرمایا جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں۔

مرمرا بر راہ پیغمبر شناس : شاعرم مشناس اگر چہ شاعرم

ترجمہ:۔ تو مجھے سنّتِ نبویؐ کا عامل سمجھ مجھے شاعر نہ سمجھ اگرچہ میں شاعر ہوں۔

اس شعر کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حکیم ناصر خسروؒ کی زندگی کا اصل ہدف تو دعوت آلِ رسولؐ کی ترویج و اشاعت تھا۔ مگر آپ نے محض اسی دعوت الحق کو مؤثر بنانے کے لئے شعر گوئی بھی اختیار فرمائی۔ لہٰذا آپ کی یہ شاعری اس کلام کی عین مصداق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اَلشُّعَرَآءُ تَلَامِیْذُ الرَّحْمٰنِ" یعنی شعراء خدائے رحمٰن کے شاگرد ہوتے ہیں۔

چنانچہ اسی حقیقت کے پیشِ نظر آپ نے اپنے امام الوقت علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد یہ عہد کیا تھا کہ میں اپنی بقیہ زندگی کو امام الوقت کے فضائل و مناقب بیان کرنے اور ان کے احسانات کی شکر گزاری میں صرف کروں گا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

ہر جا کہ بوَم تا بزیم من گہ و بیگاہ : بر شکر تو رانم قلم و دفتر و محبر

ترجمہ: اے میرے مولا و آقا! میں جہاں کہیں رہوں گا جب تک زندہ رہوں گا ہر وقت تیرے احسانات کی شکر گزاری میں قلم کاغذ اور دوات استعمال کرتا رہوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ دیوانِ اشعار فضائل و مناقب آلِ رسولؐ، اسرار و رموز دعوت الحق، دین اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اسباق، آیاتِ قرآن، احادیثِ رسولؐ اور فرامین آئمۂ حقؑ کے

اعلیٰ اقوال بزرگانِ دین اور معلّمین اخلاق کی پُرمغز تعلیمات سے بھرپور ہے۔

۱۔ دیوانِ اشعار کے مختلف ایڈیشن

دیوانِ اشعار کا پہلا ایڈیشن ۱۲۸۰ھ میں آنجہانی ایڈورڈ براؤن کی کاوشوں کے نتیجے میں شہر تبریز سے لیتھو پریس میں چھپ کر شائع ہوا۔ آنجہانی براؤن نے اسی ایڈیشن کو بنیاد بنا کر ایک مقالہ "ناصر خسرو شاعر و جہانگرد و داعی" کے عنوان سے لکھا۔ جو رسالہ انجمن سلطنتی آسیائی کے شمارہ ماہ اپریل ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔ اس مقالے میں انہوں نے ناصر خسرو کے نظریات کا تجزیہ ان کے اشعار کے حوالے سے پیش کیا تھا۔ دیوان کے اسی ایڈیشن نے اس مجہول سرگذشتِ شخصی پر ایک طرح سے مُہرِ تنسیخ لگا دی جس کا ذکر بہت سے تذکرہ نگار اپنے تذکروں میں کرتے آئے تھے۔

دیوانِ اشعار کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۱۴ھ میں تہران سے شائع ہوا جس میں سفر نامہ کو بھی ضمیمہ کے طور پر شامل کیا گیا تھا اس ایڈیشن کو بھی لیتھو پریس میں چھپایا گیا تھا۔ دیوانِ اشعار کے تیسرے ایڈیشن کے بارے میں تقی زادہ مرحوم کا خیال ہے کہ دیوانِ اشعار کا ایک منتخب مجموعہ ہندوستان سے بھی شائع ہوا ہے لیکن اس کی تاریخِ اشاعت معلوم نہیں۔

دیوانِ اشعار کا چوتھا ایڈیشن الحاج سیّد نصر اللہ تقوی مرحوم کی کوششوں سے شائع ہوا جس کی تصحیح میں ۲۰ سال کا طویل عرصہ صرف ہوا ہے یہ ایڈیشن ماقبل ایڈیشنوں کی نسبت انتہائی جامع اور حُسنِ طباعت کے لحاظ سے بہت ہی قابلِ نظر ہے۔ اس ایڈیشن میں مرحوم تقوی کے دوش بدوش حسن تقی زادہ مرحوم اور علامہ علی اکبر دہخدا مرحوم کی کاوشیں بھی شامل ہیں۔ اس ایڈیشن میں تقی زادہ مرحوم نے ایک جامع مقدمہ سپردِ قلم فرمایا ہے جبکہ علی اکبر دہخدا نے دیوان کی

فرہنگ و لغت پر عالمانہ تحقیق فرمائی ہے نیز اس ایڈیشن میں روشنائی نامہ، سعادت نامہ اور ایک رسالہ جامع الحکمتین کی تلخیص کی صورت میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

دیوانِ اشعار کا پانچواں ایڈیشن مجتبیٰ مینوی، مہدی محقق اور ڈاکٹر علی رواقی استاد دانشکدہ ادبیات تہران کی مشترکہ تصحیح و اصلاح کے ساتھ تہران یونیورسٹی سے شائع ہوا ہے۔ اس ایڈیشن کی تصحیح میں پانچ سال کا عرصہ صرف ہوا ہے۔ جس طرح تقوی ایڈیشن سابقہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں تصحیح و طباعت کے اعتبار سے جامع تھا اسی طرح دیوان کا یہ پانچواں ایڈیشن تقوی ایڈیشن کے مقابلے میں تصحیح کے عصری تقاضوں کے مطابق زیادہ مستند و معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس ایڈیشن کی تصحیح میں دیوانِ اشعار کے آٹھ قدیم ترین قلمی نسخوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جس کی تفصیل اس ایڈیشن کے ابتدائیہ میں دے دی گئی ہے اس لئے طوالت سے عمداً اجتناب کیا گیا ہے۔ دیوان کے اس موجودہ ایڈیشن کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اشعار کی ہجائی ردیف کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔" [۳]

۲۔ دیوانِ اشعار بحیثیت روئیدادِ زندگی

دیوانِ اشعار کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ دیوان آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش سے لے کر ایامِ طفولیت، ادوارِ اکتساب علوم و فنون، عہدِ جوانی، خاندانی پس منظر، دربارِ شاہی تک رسائی اور آپ کے عہد میں خراسان کی معاشرتی قباحتوں کا تذکرہ آپ نے کافی تسلسل سے کیا ہے لہٰذا اس سے آپ کی شخصیت فہمی

میں کافی مدد ملتی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں برپا ہونے والے انقلابی روحانی انقلاب کی داستان بھی اپنے دیوان میں جابجا بیان فرمائی ہے اگر ان اشعار کو نثر کا جامہ پہنایا جائے تو یہ آپ کی سوانح عمری کا ایک بہت بڑا حصّہ فراہم کرے گا۔

۳۔ دیوانِ اشعار کی علمی و ادبی حیثیت

دیوانِ اشعار کو آپ کی ادبیات میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ جناب مجتبیٰ مینوی اور مہدی محقق کے بقول "یہ دیوان فصیح و بلیغ اشعار، بلند و عالی نظریات اور شیریں فارسی کی علمی تعبیرات، اصطلاحات اور ترکیبات کا ایک گنج گرانمایہ ہے۔ نیز یہ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویؐ، اقوالِ بزرگانِ دین، حکیمانہ پند و نصائح، خدا شناسی و دنیا شناسی اور اعلیٰ فلسفیانہ تصوّرات پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی اساس شیعہ اسماعیلی مذہب پر رکھی ہوئی ہے اور ملّتِ ایران کی پانچویں صدی ہجری کے انسانی توانا ادب و ثقافت کا بہترین نمائندہ ہے۔" [۴] اسی طرح مایۂ ناز ایرانی دانشور الحاج سیّد نصراللہ تقوی مرحوم نے دیوانِ اشعار کی علمی و ادبی حیثیت پر اپنے تاثرات یوں رقم کئے ہیں۔ "یعنی اس بندے کے عقیدے کے مطابق حکیم ربّانی ناصر خسرو (ق س) کا دیوان اسلوب کی متانت، الفاظ کی موزونیت، تراکیب کی بلاغت، معانی و مفہوم کی لطافت، بیان کی نُدرت نیز حکمت کے مفاہیم پر مشتمل اور خلاصۂ معرفت اور مواعظِ حُسنہ سے بھرپور ہونے اور آفاق و انفس کی آیات سے پردہ ہٹانے میں وحیِ آسمانی کی خاصیت رکھتا ہے اور ختمِ رسلؐ کے نُور کے آفتاب کی شعاعوں

کی مدد سے روشنی فراہم کرتا ہے اور بغیر کسی مبالغہ کے یہ دیوان عجم کی عظیم اور قابلِ فخر تصانیف (دو دواوین) میں بے مثال شمار ہوتا ہے۔" ۵؎

۴۔ دیوانِ اشعار اور علمِ عروض و قوافی

یہ دیوانِ اشعار ۱۱۰۴۷ اشعار، خوبصورت قصائد، چکامے، ابیات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔" ۶؎ اس دیوان کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں آپ نے ایسے بحور و اوزان استعمال کئے ہیں جو عام طور پر شاعری کی دنیا میں کم مستعمل ہوتے ہیں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو علمِ عروض و قوافی پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

چنانچہ اس سلسلے میں پروفیسر ناصرالدّین شاہ حُسینی لکھتے ہیں کہ "ناصر خسروؒ اپنے آپ کو شاعر کہنے سے خودداری کرتے ہیں وہ صرف خاندانِ رسولؐ اور آئمۂ حقؑ کے مناقب اور زاہدانہ و ناصحانہ شعر کہنا پسند کرتے ہیں اور آپ کے قصائد کے بغور مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ماہرِ موسیقیات ہونے کے باوجود بحور کو بطور تفنّن اختیار نہیں کرتے بلکہ اپنے دل و دماغ میں موجود علمی و فکری مضامین و مفاہیم کے اظہار کے لئے خود ایک مناسب بحر کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ آپ کا کلام پڑھنے اور سننے والوں میں حُسنِ تاثیر پیدا کر کے مقبولِ عام ہو جائے۔ آپ بحیثیت ایک اسماعیلی داعی اخلاقِ حُسنہ اور فرائضِ دینیہ کی ترویج و اشاعت کی نیّت اور ارادے کے ساتھ شعر کہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ زود اثر اور نتیجہ خیز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صورت بھی آپ کے طائرِ خیال و بیان کے بال و پر کو عروضی اوزان پرواز سے روکتے

یا پابہ زنجیر نہیں کر سکتے ہیں بلکہ علمِ عروض میں مہارت رکھنے والے اہلِ ہنر اور فنِ موسیقی پر اپنی مضبوط گرفت کے نتیجے میں آپ اور بھی نئے بحور و اوزان ایجاد کر دیتے ہیں۔ آپ نے کبھی اپنے اچھوتے خیال و بیان کو رائج اسالیب پر قربان نہیں کیا ہے۔"

پروفیسر مسعود فرزاد کے مطابق "ناصر خسروؒ ایران کے اُن اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے عجم کے دقیق اور وسیع علمِ عروض پر خاص توجہ مرکوز کی ہے۔" ۷؎

۵۔ دیوانِ اشعار کا مذہبی مقام

دیوانِ اشعار کے علمی، ادبی اور عروضی مقام کے علاوہ اس کا ایک منفرد مذہبی مقام بھی ہے۔ چنانچہ دیوان کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دفترِ اشعار اپنے اندر دینی علوم و معارف کا ایک بے پناہ خزانہ لئے ہوئے ہے جس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ دیوان اسماعیلی علوم و معارف کا ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ دورِ حاضر کے ایک نامور محقق غلام رضا اعوانی صاحب رقمطراز ہیں کہ "ایک قاری جب دیوان پر سرسری نگاہ دوڑاتا ہے تو وہ لفظ "کلمہ" کے بار بار تذکرے سے متاثر ہوتا ہے۔ جس کو "لوگو" (علامت) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دیوان میں لفظ کلمہ کا مکرّر استعمال ناصر خسروؒ کے نزدیک مابعد الطبیعیاتی اور فلسفیانہ اہمیت رکھتا ہے۔ عیسائیت میں حضرت مسیحؑ کلمتہ اللہ ہے جبکہ اسلام میں قرآن کلمتہ اللہ ہے۔ عیسائیوں کے بقول یہ لفظ کلمہ ایک شخص میں حلول کر گیا ہے۔ جبکہ اسلام کے نزدیک قرآن ہی کلمتہ اللہ ہے۔" ۹؎ اور دیوانِ اشعار میں کلمہ کا بار بار تذکرہ اس امر کا غماز ہے کہ اس دیوان پر بھی قرآنی طرح اثر انداز ہے۔

۶- دیوانِ اشعار پر قرآن و حدیث کا اثر

اس حقیقت کی بھی خوب نشاندہی ہوتی ہے کہ آپ کو قرآن و حدیث کے رموز و اسرار پر بھی کس قدر گرفت حاصل تھی۔ چنانچہ جناب مہدی محقق صاحب لکھتے ہیں کہ "حکیم ناصر خسروؒ کا دینی پیشہ (داعی گری) بھی اس امر کا متقاضی تھا کہ قرآن کے بارے میں آپ کا شعور گہرا اور بصیرت وسیع ہو کیونکہ آپ فاطمی خلیفہ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السلام کی طرف سے سرزمین مشرق میں اسماعیلی دعوت کی اشاعت کے لئے مامور تھے اور دعوت کا یہ فریضہ "حجّتِ جزیرہ" کے عنوان سے آپ کے سپرد تھا اور یہ بات بھی مسلّمہ تھی کہ ایسے بلند مرتبے اور اعلیٰ عہدے پر کسی ایسے شخص کو فائز کیا جاتا تھا جو حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی اسرار و رموز کا بھی عالم ہو۔" ۱۰

یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ آپ کے اشعار میں قرآنی اصطلاحات اور آیات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ علوم القرآن کی طرح علوم الحدیث میں بھی آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی، اسلامی علوم کا دوسرا بڑا ماخذ قرآن مجید کے بعد احادیثِ رسولؐ ہیں۔ بحیثیت ایک سرگرم اسماعیلی داعی علوم اسلامیہ کے اس دوسرے بڑے ماخذ پر بھی آپ کی گرفت مضبوط تھی جس کا ثبوت آپ کی نثری تصانیف کے علاوہ دیوانِ اشعار کے ان ہزاروں اشعار سے ملتا ہے جن میں آپ نے احادیث کا مفہوم ادا کیا ہے۔

بہرکیف دیوانِ اشعار پر قرآن و حدیث کے گہرے اثرات کی تصدیق ذیل کے اشعار سے اچھی طرح ہوتی ہے کہ آپکے دیوان پر

قرآن و حدیث کی تعلیمات کا اثر کس قدر گہرا ہے۔

۱۱
از آیاتِ قرآن و شعرِ حجّت : دلِ دیوان بسنبذ ہمچو پیکان
چو شعرم من بخوانی دوست و دشمن : ترا سجدہ کنند خندان و گریان

ترجمہ: قرآنی آیات اور حجّت کے اشعار پڑھنے سے شیاطین کے دل یوں چھد جاتے ہیں جیسے کوئی تیز نوک دلوں کو چھیدتی ہے۔ جب تو میرے اشعار کو پڑھے گا تو دوست خوشی سے اور دشمن روتے ہوئے تیرے آگے سجدہ گزار ہوں گے۔

الغرض علم کے بہت سے باریک گوشوں اور حکمت کے دقیق نکتوں کو آپ نے اپنے دیوان میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں موضوعِ بحث بنایا ہے اور آپ کے پیش کردہ علمی نکات اور دینی تصوّرات کو تائیدِ آلِ رسولؐ حاصل ہے۔

۱۲
مرا جز بتائیدِ آلِ رسولؐ : نہ تصنیف بود و نہ قیل و نہ قال

ترجمہ: — آلِ رسولؐ کی (روحانی) تائید کے بغیر میں نہ لکھنے کی سکت رکھ سکتا تھا اور نہ بولنے کی صلاحیت۔

اس لئے آپ کے پیش کردہ تصوّرات، قیاسی و اجتہادی مفروضوں پر نہیں بلکہ رُشد و ہدایت کے صاف و شفّاف سرچشمہ اہلِ امامت سے براہِ راست تعلق پر قائم ہے جس کا اظہار آپ نے دیوانِ اشعار میں یوں کیا ہے:

در سخنم تخم مردمی بسرشتہ ست
دستِ خدیوِ جہان امامِ زمانم
زیرِ درختی من آئی گرت مرادست
کت زبرِ شاخ مردمی بنشانم
کشتِ خرد را بباغِ دینِ حق اندر
تازہ کنم گر سخن چو آب روانم ۱۳

ترجمہ: میرے کلام (کی سرزمین) میں بادشاہِ عالم میرے امام الوقت نے اپنے مبارک ہاتھ سے انسانی محاسن و فضائل کی تخم ریزی کی ہے۔

تو میرے کلام کے اس (پھلدار و سایہ دار) درخت کے نیچے آجا اگر تجھے (ثمراتِ علمی کا) شوق ہے تو تجھے درختِ انسانیت کی شاخ پر بٹھا دوں گا۔

میں دینِ حق کے باغ میں عقل و خرد کے کھیت کو اپنے آبِ رواں جیسے تازہ کلام سے سیراب کرتا رہوں گا۔

۷- دیوانِ اشعار کے چند اہم مضامین

آئیے دیوانِ اشعار پر ایک نظر ڈالیں کہ اسماعیلی ایوانِ دعوت کی اساسیات مثلاً توحید، نبوت، امامت، جزا و سزا، عقل و خرد اور تنزیل و تاویل پر حکیم ناصر نے کس عمدگی سے دیوان میں گفتگو فرمائی ہے۔

۱- توحید اسماعیلی ایوانِ دعوت کا اصل الاصول توحید ہے۔ آپ نے اپنی تمام نثری تصانیف میں اس مرکزی موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مثلاً جامع الحکمتین، زاد المسافرین، وجہِ دین، خوانِ اخوان، گشائش و رہائش، روشنائی نامہ اور شش فصل وغیرہ۔ دیوان چونکہ آپ کا دفترِ اشعار ہے اور اشعار کی یہ خوبی ہے کہ ایک عمیق موضوع کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ چنانچہ توحید کے موضوع پر دیوانِ اشعار میں جو اشعار ملتے ہیں وہ معنویت سے لبریز ہیں:

خداوندی کہ در وحدت قدیم است از ہمہ اشیاء
نہ اندر وحدتش کثرت، نہ محدث زین ہمہ تنہا

۱۴
مکن ہرگز بدو فعلی اضافت گر خرد داری
بجز ابداع یک مبدع کالمع العین او ادنیٰ سلہ

ترجمہ: باری سبحانہ و تعالیٰ وہ مالکِ حقیقی ہے جو اپنی یکتائی میں تمام اشیاء سے قدیم ہے اس کی وحدت میں کثرت شامل نہیں اور نہ اس کی ذات پر حدوث کا اطلاق ہوتا ہے وہ تمام صفات سے ماورٰی ہے۔

اگر تو صاحبِ عقل ہے تو ذاتِ باری سے کسی فعل کی اضافت نہیں کرنا بجز اس عمل کے کہ اس نے مبدعِ اوّل یعنی عقلِ کُل کو پلک جھپکنے بلکہ اس سے بھی کم لمحے یعنی ابداعی صورت میں وجود دیا۔

حکیم ناصر کے اس نظریہ کے مطابق جوہرِ مبدَع ہی تخلیقِ عالم کی علتِ اوّل ہے یہی فاعلِ عالم اور یہی متصّف بصفات ہے۔ جو ذات ایسے جوہرِ مبدَع کو حالتِ ابداعی میں پیدا کرنے پر قادر ہو وہ انسانی فکر و ادراک کے دائرے میں کیسے آسکتی ہے۔ چنانچہ آپ روشنائی نامہ میں فرماتے ہیں:

۱۵
نگویم صانعِ ہفت و چہار اوست : ولیکن عقل را پروردگار اوست

ترجمہ: میرا یہ عقیدہ نہیں کہ ذاتِ باری سات سیاروں اور چار عناصر کا صانع ہے میرے عقیدے کے مطابق وہ تو عقلِ کل کا پروردگار ہے۔ اور عقلِ کل ہی آپ کے بقول کواکب و عناصر کی صانع ہے۔

دیوان میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

خدای را بصفات زمانہ وصف مکن
کہ ہرسہ وصف زمانہ است ہست و باشد و بود
یکی است با صفت و بی صفت نہ گوئیمش
نہ چیز و چیز نگوئیش مان چنین فرمود ۱۶

ترجمہ: تو باری تعالیٰ کو صفاتِ زمانہ سے متصف نہ کرنا [illegible]
تینوں صفات یعنی "ہے"، "ہوگا" اور "تھا" تو زمانے کی صفات [illegible]
وہ یکتا ہے ہم اس کو نہ با صفت قرار دے سکتے ہیں اور نہ
ہی بے صفت کہہ سکتے ہیں اور تو اسے نہ ہست سے تعبیر کرنا اور
نہ اس پر نیستی کا اطلاق کرنا (ہمارے آئمۂ دین نے) ہمیں یہی
تعلیم فرمائی ہے۔

ب۔ نبوّت | حکیم موصوف نے حقیقتِ نبوّت اور [illegible]
جیسے عمیق موضوع پر بھی اپنے دیوان میں بڑے حکیمانہ انداز میں
روشنی ڈالی ہے اور اس نکتے کو اجاگر فرمایا ہے کہ اس کائنات کی
بلندی و پستی میں ایسی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جن سے اہلِ دانش
کے لئے افضلیت کا فطری قانون واضح ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ستاروں
میں سے سورج، پرندوں میں سے باز، چرندوں میں سے اونٹ،
گھروں میں سے خانۂ کعبہ، کتابوں میں سے قرآن مجید، اعضائے [illegible]
میں سے دل، درختوں میں سے کھجور اور جواہرات میں سے یاقوت
افضل ہے:

چون یافتم از ہر کس بہتر تنِ خود را
گفتم زہمہ خلق کسی باید بہتر
چون باز زمرغان و چو اُشتر زبہائم
چون نخل زاشجار و چو یاقوت زجوہر
چون فرقان ازکتب و چو کعبہ زبناہا
چون دل زتنِ مردم و خورشید زاختر ۱۷

ترجمہ: "جب میں نے اپنے جسم کو دیگر اجسام سے بہتر پایا تو میں نے
کہا کہ انسانوں میں سے بھی ایک افضل انسان ہونا چاہیئے۔ جیسے

پرندوں میں سے باز، چوپائیوں میں سے اونٹ، درختوں میں سے
کھجور، جواہرات میں سے یاقوت ہے۔
کتابوں میں سے فرقانِ حمید، عمارتوں میں سے کعبہ شریف،
جسم انسانی میں سے دل اور ستاروں میں سے سورج افضل ہے"۔
جب قانونِ فطرت کے مطابق ہر نوع میں سے ایک فرد کی
افضلیت واضح ہوئی تو پھر نوعِ انسان میں سے بھی ایک شخص
ایسا ہونا چاہیئے جو اپنے ہم نوع میں سے افضل ہو وہ افضل
انسان پیغمبر ہی ہوتا ہے جس کے تصرّف میں خدائے عالم نے
تمام مخلوقات کو دیا ہے اور اس کی ذات کو ربّانی قوتوں کا منبع
قرار دیا ہے اور سب سے عظیم روح جس کو روح القدس یا
نورِ خدا کہا جاتا ہے اسی پیغمبر کی ذات سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور
[illegible] کا القاء بھی تو اسی روح یا نور ہی سے ہوتا ہے جس کو
اصطلاحِ دین میں وحی کہا جاتا ہے۔ آپ نے اس نکتے کو یوں
بیان فرمایا ہے:

نورِ ازلی را چو دلش راست بپذرفت
اللہ زمین شد کہ ندید ند مثالش
وز برکت آں نور فرو خواند قرآن را
بنشتہ بر افلاک و بر و بحر و جبالش
وین نور بر اولادِ نبی باقی گشتہ است
کز نفس پیمبر بہ وصی بود وصالش ۱۸

ترجمہ: جب قلبِ رسولؐ نے نورِ ازلی کو درست معنوں میں قبول
کیا تو وہ روئے زمین کا مالکِ مطلق بنا اور انسانوں میں اس کی
مثال ہی نظر نہیں آتی۔

اور اسی نُور کی برکت سے رسولِ کریمؐ نے قرآنِ پاک کو پڑھا جو آسمانوں، بحر و بر اور پہاڑوں کے صفحات پر مرقوم تھا۔
اور اب بھی یہ (ازلی) نُورِ آلِ رسُولؐ (کے سلسلے) میں باقی ہے جو رسولؐ کی ذات سے (نص کے ذریعے) اس کے وصی کو ملا ہے۔
دیوانِ اشعار میں ختمِ نبوّت کا واضح تصوّر بھی ملتا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے:

خدای مُہرِ نبوّت نمود باز بہ خلق
ازان رسولِؐ نکوُ مخبر و نکو منظر
محمد اسم ابوالقاسم آن گزیدۂ حق
بجاہ و مرتبہ از جملہ انبیاء برتر
چراغِ دولتِ دینِ محمّدیؐ افروخت
بہ شرق و غرب بہ آفاق ہم بہ بحر و بہ بر
زدود نُورِ جمالش زدہر ظلمتِ کُفر
زدند رایت عالیش نیز درِ محشر ١٩

ترجمہ: خدائے بزرگ و برتر نے ہمارے حسین و جمیل اور سچے خبر دینے والے رسولؐ کے بعد مخلوقات کے لئے نبوّت پہ مُہر لگادی یعنی آنحضورؐ پر ختمِ نبوّت کی۔
آپؐ کا اسم مبارک محمّدؐ (اور کنیت) ابوالقاسم ہے اور آپؐ خدا کے وہ برگزیدہ رسول ہیں کہ عزّت و فضیلت میں تمام انبیاء و رُسل سے برتر ہیں۔
حق تعالیٰ نے دینِ محمّدیؐ یعنی سلطنتِ اسلام کا چراغ دنیا کے شرق و غرب سے لے کر بحر و بر تک میں روشن کر رکھا ہے۔
جمالِ محمدیؐ کے نُور نے زمانے سے کُفر (و ضلالت) کی تاریکی

[ار]شاد یا ہے اور آپؐ کی شان و شوکت کا عَلَم میدانِ محشر میں بھی [لہ]را دیا گیا ہے۔

ج۔ امامت توحید و نبوّت کی طرح امامت بھی دیوانِ اشعار کا مرکزی موضوع رہا ہے بلکہ پورا دیوان امام و امامت کے فضائل و مناقب کا مجموعہ ہے۔ آپ کے نزدیک امامت بھی علیٰ منہاج النّبوۃ ہے۔ آپؐ نے نبوّت کی افضلیت کے لئے جو معیار تسلیم کیا ہے۔ وہی معیار امامت کے لئے بھی دُرست مانتے ہیں۔
شیعہ اسلام کے تصوّرِ امامت کے مطابق جس نورِ الٰہی کے ظہور نے انبیاءؑ کو خلعتِ نبوّت سے سرفراز فرمایا تھا وہ تاجدارِ ختمِ نبوّت کے بعد خدا نے بجھایا نہیں بلکہ آج بھی "نُورٌ علیٰ نُور" کے قانون کے مطابق ایک امامؑ کے بعد دوسرے امامؑ سے ظہور پذیر ہے اور اُسی نور کا چراغ لے کر نبیؐ کے بعد آلِ نبیؐ کا امام انسانیت کی ہدایت کا فریضہ انجام دیتا ہے آپ اسی امامؑ کو ڈھونڈنے کی تاکید کرتے ہیں:

بجوی امامِ ہمامی زاہلبیتِ رسولؐ
کہ خویشتنت چنوئی ہمام باید کرد
اگر ترا نبود ناصحی امام امروز
بسی کہ فردا "ای وای مام" باید کرد ٢٠

ترجمہ: تو اس عالی مرتبت امامؑ کو ڈھونڈلے جو رسولِ خداؐ کے اہلِ بیت میں سے موجود ہے، تجھے اسی امامؑ کے اتباع میں خود کو امامؑ ہی کی طرح عالی مرتبہ بنالینا چاہیئے۔
اگر آج دنیا میں تیرے لئے کوئی نصیحت کنندہ امام موجود نہ ہو تو کل پھر قیامت کے دن "ای وای مام" یعنی کاش میری ماں نے مجھے

جنم نہ دیتی کا نعرہ لگانا چاہیئے"۔ کیونکہ بغیر امامؑ کے کل قیامت کے دن خدا کے حضور جانا " یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ " (۱۷ : ۷۱) یعنی اس دن ہم تمام لوگوں کو اُن کے امامؑ کے ساتھ بلائیں گے"۔ کے حکم کی واضح خلاف ورزی ہوگی جو بہت بڑے خسارے کا باعث ہے۔

آپ نے دیوانِ اشعار میں مختلف انداز و اسالیب سے امامت کی مدح و ثناء کے موتی بکھیر دیئے ہیں۔ آپ کے نزدیک امامت نبوّت کی وراثت کا نام ہے اور وراثت کے معنی ایک کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں جانے والی چیز کے ہوتے ہیں، جو شریعت یا کتاب یا منصبِ ہدایت نبوّت کی ملکیت تھی صاحبِ نبوّت کے بعد وہ ملکیت آلِ نبیؐ کو منتقل ہوئی:

دینِ خدای مِلکِ رسولؐ است وخلقِ پاک
امروز اُمّتانِ رسولؐ اند رعیّتش
گرسوی آلِ مرد شود مالِ اُو چرا
زی آلِ اُو نہ شُد زپیمبر شریعتش
آلِ پیمبر است تُرا پیش رَو کنون
از آلِ اُو متاب نگہدار حرمتش
فرزند اوست حُرمتِ او چون نداریش
پس خیرہ خیر اُمید چہ داری بہ رحمتش ۲۱

ترجمہ: (خدا کا) دینِ رسولؐ کی ملکیت ہے اور تمام مخلوقاتِ عالم رسولؐ (خدا) کی اُمّت اور اس کی رعیّت ہے۔
(اگر قانونِ خداوندی کے مطابق) ایک مسلمان مرد کی

وراثت کی وارث اس کی اپنی اولاد ہوسکتی ہے تو پھر رسولِ خدا کی وراثت (قرآن، اسلام اور اُمّت) کی وارث آلِ رسولؐ کیوں نہیں بن سکتی ہے۔

اس وقت آلِ رسولؐ ہی تیرا امام و پیشوا ہیں تو اُن (کی امامت) سے منحرف نہ ہونا اور اُن کی عزّت و حُرمت کا خاص خیال رکھنا۔ وہ (امامِ زمانہؑ) رسولِ خداؐ ہی کے فرزند ہیں تو اُن کا احترام کیوں نہیں کرتا ہے اور بغیر احترامِ امامؑ کے، خدا کی رحمت پر کیا اُمید رکھتا ہے۔

آپ نے امامت کے منصبِ عظمیٰ پر نص کے ذریعے فائز ہونے والے اپنے عصر کے امام کی جس فصاحت و بلاغت سے مدح سرائی کا حق ادا کیا ہے اس نے آپ کی شہرت کے پھریرے کو بامِ ثریّا پر لہرا دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے امام الوقت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

زی خازنِ علم و حِکَم و خانۂ معمور
با نامِ بزرگ آنکہ بدو دہر معمّر
زی طالعِ سعد و درِ اقبالِ خدای
فخرِ بشر و بر سرِ عالم ہمہ افسر
مانندِ جگر گوشۂ جدّ و پدرِ خویش
در صدر چو پیغمبر و در حرب چو حیدر
ای صورتِ علم و تنِ فضل و دلِ حکمت
ای فائدۂ مردمی و مفخرِ مفخر
حقا کہ بجز دستِ تو بر لب نہ نہادم
چون بر حجرالاسود و بر خاکِ پیمبر ۲۲

ترجمہ : وہ (امام الوقت) علم و حکمت کا خزانچی اور بیت المعمور کی زندہ صورت ہے جس کے عظیم نام کی برکت سے زمانہ آباد ہے۔

وہ نیک طالع کی عملی شکل اور خدا کی طرف سے عطا ہونے والے اقبال کا دروازہ ہے وہ فخرِ بنی آدم اور ساری دنیا کے سر پر سجنے والا تاج ہے۔

وہ اپنے نانا بزرگوار (محمد مصطفٰےؐ) اور والد (علی مرتضٰیؑ) کا ہم صفت بھی ہے اور جگر بند بھی، وہ مجلسِ علمیہ میں مسندِ محمدؐ پر متمکن ہے تو میدانِ حرب و ضرب میں حیدرِ کرّار کا ہم رنگ ہے۔

اے علم کی صورت، فضل کے پیکر اور حکمت کے دل! اے انسانیت کے مفاد! اور اے قابلِ فخر ہستیوں کے لئے قابلِ فخر ہستی!

خدا کی قسم میں نے تیرے بابرکت ہاتھ کے سوا کسی اور ہاتھ پر بوسہ نہیں دیا ہے اور بوسہ بھی اس عقیدت و احترام سے دیا ہے جس عقیدت کے ساتھ میں نے حجرالاسود اور روضۂ رسول کی مٹی پر دیا تھا"۔

د۔ تصوّرِ سزا و جزا آپ نے دیوان میں جا بجا تصوّرِ آخرت اور جزا و سزا کے قانونِ خداوندی کو بڑے محکم دلائل سے اُجاگر کر دیا ہے اور زور دے کر بتایا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیاوی زندگی ایک خواب یا کھیل تماشا سے زیادہ اہمیّت نہیں رکھتی ہے۔ لیکن یہ بازی گاہِ عالم ایک اعتبار سے آخرت کی ابدی زندگی کے ساز و سامان کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ بحکم رسولِ صلعم "اَلدُّنْيَاءُ مَزْرَعَةُ الْآخِرَة

یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ ۲۳

آپ نے اپنے اشعار میں قرآنِ کریم کے اُن تصوّرات کو اجاگر کیا ہے جن میں جنّت کا تعلق ایمان و حسنات سے ہے تو جہنّم کا تعلق کفران و سیّئات سے ہے گویا ہمارے جزا و سزائے آخرت کا انحصار ہمارے اپنے اچھے اور بُرے اعمال پر ہے۔ ہم اپنی کشتِ زارِ حیات میں جس عمل کی بھی تخم ریزی کریں گے قانونِ مکافاتِ عمل کی رُو سے اسی کا حاصل ملے گا۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہم اپنی زندگی کے کھیتوں میں سیّئات کی تخم ریزی کریں اور فصل حسنات کی اٹھائیں اور حسنات کی تخم ریزی کرنے کی صورت میں سیّئات کی فصل اٹھائیں :

درین الفنج گہ جویند زادِ خویش بیداران
کہ ہم زادست برخوانہا و ہم مال است در کانہا
بماند تشنہ و درویش و بیمار آنکہ نلغنجد
درین ایّام الفغدن شراب و مال و درمانہا
گرانا ید گران امروز رفتن بررہِ طاعت
گران آید مران کس را بروز حشر میزانہا
بہ نعمتہا رسند آنہا کہ ورزیدند نیکیہا
بہ شدتہا رسند آنہا کہ بشکستند پیمانہا
خداوندِ جہان باتش بسوزد بدفعالان را
برین قائم شدہ ست اندر جہان بسیار بُرہانہا ۲۴

ترجمہ : ہوشیار لوگ اس جائے اندوختن (دنیا) سے اپنے لئے اُخروی زندگی کا ساز و سامان مہیا کرتے ہیں اسی دنیا کے دسترخوان پر سفرِ آخرت کا توشہ رکھا ہوا ہے اور اسی دنیا کے

کان سے متاعِ آخرت ملتی ہے۔

کل جزا کے دن وہ آدمی تشنہ کام، محتاج اور بیمار رہے گا جس نے کمانے کے دنوں میں خورد و نوش اور دوا حاصل کرنے میں غفلت برتی ہے۔

جس آدمی کو آج دنیا میں اطاعتِ الٰہی کے راستے پر چلنے میں دشواری محسوس نہیں ہوئی ہے۔ کل قیامت کے دن اسی آدمی کا میزان بھاری رہے گا۔

وہ لوگ (جنّت کی ابدی) نعمتوں تک پہنچنے میں کامیاب رہیں گے جنھوں نے نیک اعمال انجام دیئے ہیں اور وہ لوگ ابدا شدائد و آلام سے دوچار ہوں گے جنھوں نے خدا کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالا ہے۔

اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو (جہنّم کی) آگ میں جلا دے گا اور اس (قانون کی حقّانیت) پر دنیا میں بہت سے دلائل قائم ہو چکے ہیں۔

ہ۔ عقل و خِرَد آپ کی نثری تصانیف کی طرح دیوانِ اشعار بھی فضیلتِ عقل و خرَد کی داستانوں سے لبریز ہے۔ معاملہ دنیا کی فلاح و صلاح کا ہو یا آخرت کی نجات و رستگاری کا، اس میں عقل و خرِد کا ہی عمل دخل ہے۔ آپ کے نزدیک عقل سے مراد وہ جوہر ہے جو جوہرِ مُبدَع یعنی عقلِ کل کا پرتو ہے جس نے کائنات کی بلندی و پستی کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے اور موجوداتِ عالم میں سے انسان کے اختصاص و امتیاز کا راز بھی اسی عقلِ کلّی کی فیضان پذیری میں مضمر ہے۔

صانع حکیم نے انسانی وجود کی ترکیب میں اس بات کا خاص

التزام رکھا ہے کہ وجودِ انسانی سے عقلی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہو گویا ہر انسانی وجود میں اسی عقلِ کلّی کا پرَتو موجود ہے جو انسان کے لیے حصولِ خیر و سعادت کی راہ میں رہبر و رہنما کا کردار ادا کرتا ہے:

راست آن است رہِ دین کہ پسندِ خرد است
کہ خرد اہلِ زمین را ز خداوند عطاست
خرد آن است کہ مردم ز بہا و شرفش
از خداوند جہان اہلِ خطابست و ثناست
خرد از ہر خللی پشت و ز ہر غم فرح است
خرد از بیم امان است و ز ہر درد شفاست
خرد اندر رہ دنیا سرہ یار ست و سلاح
خرد اندر رہ دین نیک دلیل است و عصاست ۲۵

ترجمہ: دین کا سچّا راستہ وہی ہے جو عقل کے لئے پسندیدہ ہے اور عقل ہی اہلِ زمین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیّہ ہے۔

عقل اس جوہر کا نام ہے جس کی قدر و منزلت کی بدولت خداوندِ عالم نے حضرتِ انسان کو مَورَدِ خطاب قرار دیا ہے اور اس کی مدح و ثناء بیان فرمائی ہے۔

عقل ہر خلل سے بچنے کے لئے پشت پناہ اور ہر غم سے رہائی کا سامان ہے، عقل انسان کے لئے ہر خوف سے امان اور ہر درد کا درمان ہے۔

عقل جہاں دنیاوی زندگی کے راستے میں ایک بے عیب دوست اور ایک معتبر ہتھیار ہے وہاں عقل دین کے راستے پر ایک عمدہ رہنما اور ایک مضبوط عصا بھی ہے۔

ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں :

خرد رہ نمایدش زی خندیش
از یرا خرد بس مبارک عصاست

ترجمہ : عقل انسان کو رضائے الٰہی کا راستہ دکھاتی ہے اس لئے وہ (رضائے الٰہی کے راستے پر سفر کرنے والے انسان کے ہاتھ میں) ایک بڑا بابرکت عصا ہے۔

۹۔ تنزیل و تاویل شیعہ اسلام میں بالعموم اور اسماعیلی مذہب میں بالخصوص اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن و شریعت کے دو رُخ ہیں یعنی اس کی ایک ظاہری شکل اور دوسری باطنی معنی، قرآن و شریعت کی ظاہری صورت کا نام تنزیل دیا گیا ہے اور باطنی معنی و مفہوم کا نام تاویل ہے چنانچہ صانع حکیم نے اشیائے کائنات کی تخلیق میں ظاہر و باطن کا تصوّر قائم کر رکھا ہے۔ اس دنیا کی ہر شے سے دلیل ملتی ہے کہ ظاہر و باطن یا تنزیل و تاویل کا تصوّر کس قدر ناقابل تردید ہے مثلاً انسان کا جسم ظاہر اور رُوح باطن ہے یا دریا کا کھارا پانی ظاہر اور اس کی تہہ میں موجود موتی باطن ہیں جو عام طور پر باہر سے نظر نہیں آتے ہیں لیکن کسی چیز کا وجود مخفی ہونے سے اسکے وجود کے انکار ممکن نہیں۔ پس قرآن و شریعت کی تاویل بھی جسم کی روح یا دریا کی تہہ میں مخفی موتی کی طرح الفاظ و عبارات اور احکام و فرائض کی تہہ میں پوشیدہ ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں :

دین راتن است ظاہر و تاویل رُوح اُو
تن زندہ جز بروح بگیتی کجا شد ست ۲۷

ترجمہ : دین کے ظاہر یعنی تنزیل جسم کا درجہ رکھتی ہے اور تاویل

روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا میں روح کے بغیر جسم کہاں زندہ رہ سکتا ہے۔ آگے جاکر فرماتے ہیں :

دریائے سخنہا سخنِ خوب خدا یست
پُر گوہرِ باقیمت و پُر لُوءِ لُوءِ لالا
شوراست چو دریا بمثل ظاہرِ تنزیل
تاویل چو لوءِ لوست سوی مردم دانا
اندر بنِ دریاست ہمہ گوہر و لُولُو
غوّاص طلب کن چہ دوی بر لبِ دریا
اندر بنِ شوراب زبہر چہ نہادست
چندین گہر و لُولُو دارندۂ زیبا ۲۸

ترجمہ : خدا کا بہترین کلام (قرآن مجید) تمام کلاموں کا دریا ہے جو بیش قیمت اور چمکیلے موتیوں سے بھرپور ہے۔

قرآن کی ظاہری تنزیل دریا کے کھارے پانی کی مثال ہے اور اس کی تاویل دانا انسان کے نزدیک موتی کی طرح ہے۔

سارے موتی دریا کی تہہ میں موجود ہیں (تُو ان موتیوں کے حصول کے لئے) غوطہ خور کی تلاش کر یونہی دریا کے کنارے مارے مارے کیوں بھاگ رہا ہے۔

(تجھے معلوم ہے؟ کہ) خداوندِ عالم نے (تنزیل کے) کھارے پانی کی تہہ میں (تاویل کے) ان بیش قیمت موتیوں کو کیوں چھپا رکھا ہے؟

حاصلِ کلام یہ کہ دیوانِ اشعار کی بے پناہ خصوصیات ہیں۔ آپ نے دین کی اساسیات سے لے کر مومنانہ زندگی کے اعلیٰ و ارفع اقدار تک پر اس حسن و خوبی سے مکرّر روشنی ڈالی ہے کہ اس تکرار

کا احساس ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ پڑھنے والے تو اس کو قندِ مکرر سمجھتے ہیں اور یقیناً صاحبانِ دین و دانش کو آپ کے حکیمانہ اشعار ابدی حقائق کی طرف متوجہ اور عاقبت اندیشی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

درحقیقت دیوانِ اشعار نغماتِ قدسیہ کا مجموعہ ہے جو اپنے اندر الہامی پیغام لئے ہوئے ہے۔ خود حکیم موصوف کے اپنے اقوال
اشعارِ ناصری "زبورِ داؤدی" کی خصوصیت کے حامل ہیں: ۲۹

ای پسر! شعرِ حجت از برکن : کہ پُر از حکمت است ہمچو زبور

ترجمہ: اے میرے بیٹے! جس قدر ہو سکے حجت کا شعر زبانی حفظ کرلے کیونکہ حجت کا شعر زبورِ داؤدی کی طرح حکمت و معنویت سے بھرپور ہے۔

شاید یہ حکیم ناصرِ خسرو رحمۃ اللہ علیہ جیسے شاعروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "اِنَّ لِلّٰہِ کنوزًا تحتَ العرشِ و لسانُ الشعراءِ مفاتیحُھا" ۳۰ یقیناً عرش کے نیچے خدا کے بے پناہ خزانے ہیں اور شاعروں کی زبان اُن خزانوں کی چابیاں ہیں"۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صاحبِ دیوانِ اشعار کی مذہبی حیثیت کیا ہے۔
چنانچہ آپ خود اپنی مذہبی حیثیت کا اعلان کرتے ہیں: ۳۱

تو ای حجتِ مؤمنانِ خراسان : امامِ زمان را امین و دلیلی

ترجمہ: اے سرزمینِ خراسان کے مؤمنوں کے حجت! تو امام الوقت (کے اسرارِ امامت) کا امین اور اُس کا دستِ راست ہے۔

جو شخصیت اپنی ذات میں اسرارِ امامت کی امین اور امامِ زمانہؑ کی دستِ راست ہو اس کے کلام کی اہمیت کا اندازہ اس کی اس روحانی بلندی سے کیا جاسکتا ہے۔

پس متذکرہ بالا بیانات اور شواہد کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ دیوانِ اشعار حقائق و معارف کا ایک متلاطم سمندر ہے جس کی ہر اٹھنے والی موج سے دین و دانش کے انمول موتی بکھر جاتے ہیں۔ دامن وسیع چاہیئے تاکہ دین و دانش کے ان موتیوں کو سمیٹا جاسکے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اس دیوان کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور نوجوان نسل کی راہِ زندگی میں تعلیماتِ ناصری کا چراغ جلایا جائے تاکہ حق شناسی و سعادتمندی کے راستے پر چلتے وقت دُرست رہنمائی اور صاف و شفاف روشنی میسّر ہو۔ بقول حکیم

اگر بخوانی تو اشعارِ ناصرِ خسرو (ق) : رسد بجانِ تو زان نورِ علمِ دین پرتو
خداشناس شوی راہِ دین بیاموزی : اگر تو بر سخنِ ناصری شوی پیرو ۳۲

ترجمہ:- اگر تو ناصرِ خسرو (ق) کے اشعار کو پڑھے گا تو ان سے تیری روح کو علمِ دین کے نور کی شعاع پہنچے گی۔
اگر تو اقوالِ ناصری کا پیرو کار رہے گا تو تو خداشناس بھی بن جائے گا اور دین کا راستہ بھی سیکھے گا۔

اس مقالے میں دیوانِ **اشعار** کے بے پناہ موضوعات میں سے صرف چند چیدہ موضوعات پر اختصار سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم تھے وہ موضوعات جن کا تعلق اخلاقیات، علم و دانش، تقویٰ و پارسائی، حق جوئی و حق شناسی، دنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری، حق کی تائید، باطل کی تردید اور انسانی زندگی کے اعلیٰ و ارفع اقدار وغیرہ سے ہے اس مقالے کی ظرفیت سے باہر ہیں اگر ان موضوعات پر حاوی اشعار کی تفسیر و تشریح پر قلم اٹھایا جائے تو ہزاروں

صفحات رقم کئے جا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ حضرت پیر ناصر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے شغف رکھنے والے دانشورانِ گرامی اپنی توجہات کو اس جانب مبذول فرمائیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ دیوانِ اشعار ص ۵۴۳ مصحح مینوی و محقق
۲۔ " " "
۳۔ پیش گفتار دیوانِ اشعار ص ۶ "
۴۔ " " ص ۱۵ "
۵۔ دیوانِ اشعار ص ۵۴۳ مصحح تقوی

۶۔ خوانِ اخوان ص ابجدی "ی"
۷۔ یادنامۂ ناصر خسرو ص ۲۹۳
۸۔ " " ص ۳۹۹
۹۔ چہل قصائد ناصر خسرو ص ۱۲، ۱۳
۱۰۔ تحلیل اشعار ناصر خسرو ص ۳۰
۱۱۔ دیوانِ اشعار ص ۱۰۹ مصحح محقق و مینوی
۱۲۔ " " ص ۲۵۱ " " "
۱۳۔ " " ص ۲۱۱ " " "
۱۴۔ " " ص ۲۰۱ " " "
۱۵۔ " " ص ۵۱۸ " " "
۱۶۔ " " ص ۳۱ " " "
۱۷۔ " " ص ۵۰۸ " " "
۱۸۔ " " ص ۲۰۷
۱۹۔ " " ص ۱۸۷ " " "
۲۰۔ " " ص ۱۵۹ " " "
۲۱۔ " " ص ۱۷۹ " " "
۲۲۔ " " ص ۵۱۵ " " "
۲۳۔ احادیث مثنوی ص ۱۶۸ بحوالہ احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۴
۲۴۔ دیوانِ اشعار ص ۴۴۴ مصحح مہدی محقق
۲۵۔ " " ص ۲۱ " " "
۲۶۔ " " ص ۴۲۹ " " "
۲۷۔ " " ص ۵۳ مصحح سید نصر اللہ تقوی
۲۸۔ " " ص ۵ مصحح مینوی و محقق
۲۹۔ " " ص ۱۵۲ مصحح سید نصر اللہ تقوی
۳۰۔ ماہنامہ سروش فارسی ص ۲۰
۳۱۔ دیوانِ اشعار ص ۴۰۴ مصحح تقوی
۳۲۔ کتاب المناقب ص ۳۲ دیوانِ اشعار قلمی ص ۱

کتابیات

۱- ابومعین ناصر خسروؒ — دیوانِ اشعار
موسسۂ انتشارات وچاپ دانشگاہ تہران ایران

۲- ایضاً — خوان الاخوان
از انتشارات کتابخانۂ بارانی تہران - شاہ آباد

۳- پروفیسر مہدی محقق — تحلیل اشعار ناصر خسروؒ
انتشارات دانشگاہ تہران ۱۰ ایران

۴- عبداللطیف - ڈاکٹر — احادیثِ مثنوی
مطبوعۂ پیکیجز لمیٹڈ۔
شاہ راہِ رومی لاہور سال ۱۹۷۵ء

۵- دانشگاہ فردوسی دانشکدۂ ادبیات انسانی — یادنامۂ ناصر خسروؒ
مؤسسۂ چاپ انتشارات دانشگاہ فردوسی مشہد ایران

۶- شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان - کراچی — کتاب المناقب
سالِ اشاعت ۱۹۸۶ء

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کا نظریۂ عقل

(از جان عالم خاکی)

انسانی تاریخ میں اگر عقل کی اہمیت اور اس کے کردار پر غور کیا جائے تو اس کے ہمہ جہت پہلوؤں کا احاطہ کرنا ناممکن ہوگا کیونکہ انسانی کوششوں کا جو بھی میدان ہے خواہ وہ فلسفہ ہو یا ریاضی، صنعت و حرفت ہو یا تہذیب و تمدّن، سائنس ہو یا ٹیکنالوجی غرض زندگی کے ہر شعبے میں عقل کی کارگری اور جلوہ نمائی نظر آتی ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ خداوند ربّ العزّت نے اس کو اس قدر لاتعداد اور لامحدود تخلیقی قوتوں سے نوازا ہے جن سے جتنا زیادہ استفادہ کرتے جائیں گے اسی قدر یہ زیادہ نکھرتی اور کھلتی جائے گی۔

عقل کی اہمیت کے بارے میں اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ جس کے بارے میں خود حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ

"اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالیٰ الْعَقْلَ قَالَ لَہٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ فَقَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَعَزَّ عَلَیَّ مِنْکَ، بِکَ اُثِیْبُ وَبِکَ اُعَاقِبُ"[۱]

(ترجمہ) جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ عقل ہے۔ (پیدا کرنے کے بعد) اللہ نے فرمایا، آگے آ، تو وہ آگے آئی، پھر فرمایا پیچھے ہٹ، تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا اپنی عزت اور جلال کی قسم میں نے اپنے نزدیک تجھ سے بڑھ کر کسی دوسری چیز کو زیادہ عزت والا نہیں بنایا۔ میں تیرے ہی ذریعے (لوگوں کو) ثواب دوں گا اور تیرے ہی ذریعے عذاب دوں گا۔"

غرض انسانی زندگی میں عقل کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے ہر شعبۂ زندگی میں ہم ہر لمحے عقل کے محتاج ہیں اور اس کا کردار غیر متنازعہ ہے۔

تاہم جب عقل کے کردار کو مذہب کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ بعض حلقوں میں عقل کو خوش آمدید نہیں کہا گیا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں (اور میں یہاں پر مذہب کو دین کے متبادل کے طور پر استعمال کر رہا ہوں) عقل کے کردار پر بہت زیادہ بحث و تمحیص کے نتیجے میں عمومی طور پر دو بڑے طبقے یا رویے وجود میں آئے ہیں ایک وہ طبقہ جو مذہب کے معاملات میں عقل کے دخل سے انکار کرتا آیا ہے۔ اس طبقے کو مختلف ناموں مثلاً رجعت پسند ORTHODOX یا FUNDAMENTALIST یا TRADITIONALIST اور دوسرا طبقہ ترقی پسند یا جدت پسند MODERNIST یا HETRODOX کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ مذہب کے ساتھ ساتھ عقل کے کردار پر بھی زور دیتا ہے اسلامی تاریخ میں کبھی اور یہاں تک کہ آج بھی ان دو طبقوں کے درمیان ایک سرد جنگ جاری رہی ہے۔ اور آج صورت حال یہ ہے کہ یہ دونوں طبقے بالکل الگ الگ ماحول میں پروان چڑھے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سماجی اور سیاسی لحاظ سے دونوں مکمل طور پر ایک دوسرے کے

... بر سر پیکار نظر آرہے ہیں۔

اس مسئلے کی طرف عالمِ اسلام کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ... امام سلطان محمد شاہؑ نے خبردار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ

"اگر موجودہ رویہ جس میں علماء کو ایک طرح کے خطوط پر اور ... سائنسی نسل کو دوسرے خطوط پر تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رہا تو ... برقرار رہے گی اس لئے کہ اس سے مسلمان قوم کی روح میں عقل اور مذہب کے اندازِ نظر میں دوئی پیدا ہوگی۔" ۲؎

سامعینِ کرام: جب ہم اس پسِ منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے طریقے یا مذہب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اسماعیلی مذہب میں عقل اور مذہب کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے ——— ہمارے اماموں، داعیوں اور پیروں نے ہر زمانے میں مومنین کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ اپنی عقل کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔

عقل اور مذہب کے اس رشتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا حاضر امامؑ نے ۱۱ نومبر ۱۹۸۵ء کو آغا خان یونیورسٹی کی رسمِ افتتاح کے موقعے پر فرمایا کہ

"مذہب اور عقل کے مابین تعلق مسلمانوں کے لئے ہمیشہ بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔۔ الٰہی عقل یعنی عقلِ کل انسانی عقل سے ماوراء بھی ہے اور اس کو مطلع بھی کرتی ہے یہ عقل ہی ہے جو انسان کو ایمان کے متقاضی ان دو مقاصد یعنی اللہ کی عطا کردہ کائنات پر غور و فکر اور خود شناسی کے حصول کی جدوجہد کے قابل بناتی ہے۔ یہ عقل کی روشنی ہی ہے جو ایک مکمل انسان کو انسان نما حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ مذہبی شخص جو عقلی جستجو میں

ناکام رہتا ہے وہ غالباً اللہ کی تخلیق کی محدود سمجھ ہی حاصل کر پاتا ہے
درحقیقت یہ انسان کی عقل ہی ہے جو اسے اس جستجو سے متعلق اس
کی نظر میں وسعت پیدا کرنے کے قابل بناتی ہے"۔

یہی وہ پس منظر ہے جس کے سیاق میں ہم نے سیمینار کیلئے اس موضوع کا انتخاب کیا
فلسفۂ عقل پر سیّدنا پیر ناصر خسروؔ نے اپنی کتابوں مثلاً خوان الاخوان،
وجہ دین، زاد المسافرین، دیوان اور جامع الحکمتین میں بالواسطہ یا
بلاواسطہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ میں جو کچھ آپ کی خدمت
میں پیش کر رہا ہوں اس کی بنیاد انہیں کتابوں پر ہے۔

پیر نامدار سب سے پہلے عقل و علم کی تعریف کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ چیزوں کو ان کی اصل حالت میں جاننے والی قوت
کا نام عقل ہے یہ ایک جوہرِ بسیط ہے جس کے ذریعے لوگ اشیاء
کا ادراک کرتے ہیں۔ [۳۱]

سیّدنا کا فرمانا ہے کہ عقل ہی انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی
ہے، دیوان میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہر جانور بہ جملہ سخنگوی جانور۔ زانست پادشاہ کہ براو عقل پادشاہ
چون تو خدای خرشدی از قوت خرد پس عقل بہرہ ای ز خدای است نول...

یعنی تمام جانوروں پر حیوانِ ناطق (یعنی انسان) اس لئے بادشاہ
ہے کہ اس پر عقل بادشاہ ہے۔ جب تو عقل کی قوت سے حیوان
کا مالک بنا ہے تو سچ بات یہ ہے کہ عقل اللہ کی طرف سے ایک
نوازش ہے۔

خوان الاخوان میں عقل کی اہمیت کے بارے میں سیّدنا
حضور اکرمؐ کی وہ حدیث بیان کرتے ہیں جس کو میں نے آپ کی
خدمت میں شروع میں پیش کیا کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی

اور وہ عقل ہی ہے اور یہ کہ اللہ نے اس کو اشرف ترین مقام
دیا ہے۔

مذکورہ کتاب میں سیّدنا مزید فرماتے ہیں کہ عقل کی ماہیت
ایک کے عدد کی طرح ہے۔ جس طرح ایک کا عدد کسی سے ماخوذ
نہیں اور سارے اعداد اسی سے وجود میں آتے ہیں۔ اسی طرح
عقل بھی ایک ایسی چیز ہے جو کسی چیز سے وجود میں نہیں آئی
بلکہ خود اس سے ہر چیز وجود میں آئی ہے۔ [۳۳]

یہی وجہ ہے کہ سیّدنا کے بقول ہر انسان کا معاد بھی عقل ہی
ہے۔ اس لئے کہ بقول کُلّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ ۔ ہر چیز اپنے
اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

سیّدنا عقل کے ساتھ ساتھ علم کی ماہیت اور اس کے
ساتھ عقل کے تعلق پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

سیّدنا فرماتے ہیں کہ علم چیزوں کو ان کی حقیقی حالت میں
جاننے کا نام ہے جبکہ عقل چیزوں کو ان کی حقیقی حالت میں
جاننے والی قوت کا نام ہے۔ جامع الحکمتین میں آپ فرماتے
ہیں: "علم فعلِ عقل است کہ مردم بعقل اندریابد مر چیز ہارا چنانکہ
(آن) چیز ہا است [۳۴] ــــ یعنی علم عقل کا فعل ہے جس کے
ذریعے لوگ چیزوں کو جیسی کہ وہ ہیں پہچان لیتے ہیں۔

اب اس فرق کے جاننے کے بعد ہم ایک اور پہلو کی طرف
آتے ہیں جس میں نامدار حجّتِ بدخشان و خراسان عقل و علم کے
علاوہ عقل و جسم کے رشتوں کی وضاحت فرماتے ہیں۔

اپنی مایۂ ناز کتاب وجہ دین میں انسان کی کیفیت بیان
کرتے ہوئے سیّدنا وضاحت کرتے ہیں کہ انسان دو چیزوں یعنی

جسم اور عقل کا مرکب ہے اور ان میں سے پہلی چیز یعنی جسم تو فنا پذیر
ہے جبکہ دوسری چیز یعنی عقل فنا ہونے والی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے
والی ہے۔ پس اس اعتبار سے جو چیزیں اُس کے جسم سے وابستہ ہیں
وہ فنا پذیر اور جو اُس کی عقل سے وابستہ ہیں وہ ابدی ہیں۔
پس انسان جو کچھ جسم کے لحاظ سے کمائے گا وہ اس دنیا میں
رہے گا اور جو چیز عقل کے لحاظ سے کمائے گا وہ اس کے ساتھ
دائمی طور پر رہے گا۔ [9]

اس سلسلے میں سیّدنا ایک بہت اچھی نصیحت فرماتے ہیں
کہتے ہیں کہ اس دنیا میں جتنی ظاہری نعمتیں ہیں وہ کسی صاف
آئینے میں دکھائی دینے والی حسین صورتوں کی طرح ہیں لیکن
جس طرح شفّاف آئینوں میں حسین صورتیں دیکھی تو جا سکتی ہیں
مگر وہ ہاتھ نہیں آتیں اسی طرح دنیاوی نعمتیں دیکھی تو
جا سکتی ہیں مگر وہ ہمیشہ کے لئے ہاتھ آنے والی نہیں ہیں بلکہ
فنا پذیر ہیں۔ پس دانا شخص وہ ہے جو اس عمرِ فانی میں ایسی
چیزیں کمائے جو حیاتِ جاودانی میں کام آئیں۔ [10]

ان ہمیشہ رہنے والی چیزوں میں دو چیزیں خاص طور پر
اہم ہیں۔ ایک علم اور دوسری اطاعت۔ پیر فرماتے ہیں ؏

بدو چیز بر مابشاید ش بستن — کہ زی اہلِ شیعت سیم نیست آن را
دو چیز است بندِ جہان علم و طاعت — اگرچہ کساد است مر ہر دو آن را [11]

یعنی اس دنیا کے پاؤں کو دو چیزوں (علم و اطاعت)
سے باندھ لینا چاہیے چونکہ شیعانِ حق کی نظر میں ان دونوں
کے ہوتے ہوئے کوئی تیسری چیز ہے ہی نہیں علم اور اطاعت
دو ایسی چیزیں ہیں جو دنیا کے پیر باندھنے کے لئے بندھن کی حیثیت

رکھتی ہیں اگرچہ کہ دنیا میں ان دونوں کی کساد بازاری ہے۔

سیّدنا کے فلسفے کی رُو سے علم کے معنی بہت وسیع ہیں
اور علم میں سب سے پہلے ظاہری علوم آتے ہیں جو انسان اپنے حواسِ
ظاہر اور حواسِ باطن سے حاصل کرتا ہے اور جن میں اس کائنات
کے بارے میں تحقیق و تدقیق کی گئی ہو۔ جیسا کہ سیّدنا فرماتے ہیں۔

"اے میرے بھائی! جان لو کہ عالمِ فطرت کی شناخت کا علم
انتہائی بلند درجہ کا ہے اور اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں اس لئے
کہ جسمانی عالم جس کی بنیاد طبائع ہیں عالمِ روحانی کے لئے جسم کی
حیثیت رکھتا ہے اور جس وقت تک جسم معلوم نہ ہو شناختِ نفس
کی طرف قدم بڑھانا ممکن نہیں ہے چونکہ (روح کا) عمل جسم کے
ذریعے ظاہر ہوتا ہے تو لازماً اس جسمانی عالم ہی کے ذریعے عالمِ
روحانی کی شناخت ہو سکتی ہے اور جب عالمِ جسمانی اور عالمِ رُوحانی
دونوں کی شناخت حاصل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف
راستہ مل جاتا ہے اور اس کی عظمت اور جلال سے انسان واقف
ہو جاتا ہے جو شخص جسمانی عالم کو دیدۂ بصیرت سے نہیں دیکھتا
وہ اندھا ہے اور ایسا شخص آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ [12]

تاہم پیر کی نظر میں علمِ دین سب سے اہم اور قابلِ قدر علم
ہے اور علوم کی چوٹی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؏

سرِ علمہا علمِ دین است کان — مثل میوۂ باغِ پیغمبری است [13]

یعنی تمام علوم میں دین کا علم سر کا درجہ رکھتا ہے جس کی مثال
پیغمبرِ اسلام کے لگائے ہوئے باغ کے میوے سی ہے۔

اس وضاحت سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ پیر کس طرح دینی و دنیوی
علوم میں ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔

اطاعت سے کس کی اطاعت مُراد ہے؟

سیّدنا کی نظر میں اطاعت سے یقینی طور پر زمانے کے ہادی کی اطاعت مُراد ہے۔ اس لئے کہ ہادی مومن کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اپنی ہدایات کے ذریعے پروان چڑھاتا ہے دوسرے الفاظ میں مومن کی عقل کو جو حدِ قوّت میں ہے زمانے کا ہادی جس کی عقل حدِ فعل میں ہے اپنی تعلیم اور ہدایت کے ذریعے حدِ فعل میں آنے کی تربیت دیتا ہے۔[14]

پس پیر کی نظر میں عالم یا دانا شخص وہ ہے جس میں دینی و دنیوی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ زمانے کے ہادی کی تابعداری اور عبادتؑ کی عادت بھی ہو اور یہی وہ تابعداری ہے جس کے ذریعے مومن اعلیٰ درجات پا سکتا ہے۔ دیوان میں آپ فرماتے ہیں[15]

پرّت از پرہیز و طاعت کرد باید کز حجاز   جعفر طیّار بر عُلیا بدین طاعت پرید

یعنی تجھے تقویٰ اور اطاعت کے بال و پر بنانے چاہئیں کیونکہ سرزمینِ عرب سے حضرت جعفر طیّارؓ اسی اطاعت کے پروں سے پرواز کر گئے تھے۔

عقل اور بہشت

سیّدنا کے فلسفۂ عقل میں ایک اور اہم نکتہ عقل اور بہشت کی وحدت کے بارے میں ہے۔ سیّدنا کا فرمانا ہے کہ حقیقت میں عقل ہی بہشت ہے اور جہالت یا نادانی جہنّم کی طرح ہے۔ وجہِ دین میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اس حقیقت کی دلیل کہ عقل ہی بہشت ہے یہ ہے کہ انسان کی ساری سہولت، آرام و راحت عقل ہی سے ہے۔ آپ

دیکھ سکتے ہیں کہ انسانوں کو عقلِ کُل سے جو حصّہ ملا ہے اس کی وجہ سے انسانوں نے چوپایوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور ان پر برتر ہوئے ہیں کیونکہ ان چوپایوں میں عقل نہیں اور جو شخص زیادہ دانا ہے اُسے دنیا کوئی دکھ نہیں دے سکتی۔ دنیا کا کوئی غم اُس کی طرف آ نہیں سکتا اور اسے دنیاوی نفع و نقصان کی کوئی پرواہ نہیں۔ جبکہ نادان کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کے غم، دکھ اور طمع کی وجہ سے گویا مر ہی جاتا ہے۔ پس جب اتنی سی عقلِ جزوی کے ذریعے اس قدر دکھ اور تکلیف انسان سے اُٹھ گیا تو یہ حقیقتِ حال اس امر کی دلیل ہوئی کہ عقلِ کُل ہی حقیقت بہشت ہے کیونکہ اس کے اثر سے دنیا میں ساری نعمتیں اور راحتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔"[16]

اس مفہوم کو پیر دیوان میں ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں: شعر

علم و حکمت را طلب کن گر طرب جوئی ہمی   تا بشاخ علم و حکمت پُر طرب یابی رطب[17]

یعنی اگر تو صحیح معنوں میں حقیقی خوشی کا خواہاں ہے تو علم و حکمت کی تلاش کر تاکہ علم و حکمت کی اس تازہ ترین شاخ پر ہر حال مسرّتوں سے بھرا ہوا ثمرہ پالے۔ پھر جہالت یا نادانی کس طرح دوزخ کی طرح ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اب ہم یہ بیان کریں گے کہ دوزخ حدِ قوّت میں نادانی کی ماہیت سے ہے اور بہشت حدِ قوت میں علم کی صورت میں ہے اس لئے کہ دانا وہ عمل کرتا ہے جس میں خدا و رسول کی خوشنودی ہو تاکہ وہ اس فرمانبرداری کے ذریعے ابدی بہشت میں پہنچ جائے اور نادان وہ کام نہیں کرتا جس میں اس کی نجات پوشیدہ ہو۔ جس کی وجہ سے وہ جہنّم میں گر جاتا ہے۔"[18]

پس دنیا میں علم و حکمت کے حصول کی اہمیت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"پس جو شخص چاہے تو عملاً (علم و حکمت کے حصول کے لئے) دنیا میں رہتے ہوئے بہشت آباد کرے اور جو چاہے تو (اپنی نادانی سے) دوزخ آباد کرے۔ کیونکہ لوگ اسی دنیا میں کئے ہوئے اُن اعمال کے نتیجے میں جنت یا دوزخ میں جایا کرتے ہیں۔" [19]

پیر نامدار اس دنیا سے دانا اور نادان شخص کی بازگشت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"جو نفس زیادہ علمیت کے ساتھ اس جہان سے گزر جائے تو وہی نفس نفسِ کُل کے ساتھ موافقت کے زیادہ لائق ہوتا ہے اور وہی نفس ابدی راحت و نعمت میں رہتا ہے اور ہر وہ نفس جو اس دنیا سے نادان گزرے تو وہ نفسِ کُل کی پسند کے خلاف ہوتا ہے اور نفسِ کُل اس سے پرہیز کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پس جب اسے کوئی نادان نفس مل جائے تو وہ اس کو نہیں اپناتا اور ایسا نفس دائمی سختی اور عذاب میں رہ جاتا ہے۔" [20]

روشنائی نامہ میں ایک شعر میں اس نکتے کو یوں سمیٹتے ہیں۔ [21]

زِدانش زندہ مانی جاودانی ز نادانی نیابی زندگانی

یعنی علم ہی کے ذریعے تمہیں ہمیشہ کی زندگی (یعنی جنت) مل سکتی ہے جبکہ جہالت کے ذریعے تمہیں ہمیشہ رہنے والی زندگی نہیں مل سکتی۔

سیّدنا کے فلسفۂ عقل کا آخری پہلو عقل کی تربیت کا ہے۔ پیر نامدار کے فلسفے کے مطابق خداوند تعالیٰ نے عقل کی تربیت کا ایک جامع نظام بنا رکھا ہے بالکل اسی طرح جس طرح اُس نے

انسان کی مادّی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک مکمل نظام بنا رکھا ہے۔ پیر نامدار خوان الاخوان میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کو پانچ حواس اور ظاہری اُمور سے علم ملتا ہے [22] اسی طرح عقل کو بھی عالم علوی کے ان پانچ درجوں یا واسطوں سے تائید ملتی ہے اور وہ (پانچ درجے) یہ ہیں۔ [23]

(۱) عقلِ کل (۲) نفسِ کل (۳) جد (۴) فتح (۵) خیال

اور عالم دین میں ان کے متبادل یہ ہیں :

(۱) پیغمبر (۲) اساس (۳) امام (۴) باب (۵) حجّت

پہلا پانچ عالم علوی کے اعلیٰ و ارفع درجوں سے پہلے پیغمبر کو تائید ملتی ہے اور پیغمبر پھر اس تائید کو عالم دین کے پانچ حدود کو منتقل کرتے ہیں۔ پیر نامدار اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں جس میں حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ : [24]

اخذتُ من الخمسِ و اعطیتُ إلی الخمس [25]

یعنی میں نے پانچ درجوں سے (تائید) لی اور پانچ درجوں کے حوالہ کیا۔ سیدنا اس روحانی تربیت کو دنیاوی والدین کی تربیت کی مثال سے سمجھاتے ہوئے جامع الحکمتین میں وضاحت کرتے ہیں کہ :

(۱) جس طرح مادّی دنیا میں بچے ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُسی طرح عالم دین میں مومن اپنے روحانی ماں باپ یعنی دورِ نبوّت میں پیغمبر اور اساس اور دورِ امامت میں امام سے روحانی ولادت پاتے ہیں۔ جیسے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ انا وانت یا علی ابوا هذه الامّة۔ یعنی اے علی میں اور آپ اس اُمّت کے ماں باپ ہیں۔

(۲) جس طرح بچے دنیاوی ماں باپ سے پیدا ہونے کے بعد

ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ اسی طرح روحانی ماں باپ کی
دعوت و تربیت کے بعد مومنین ایک نئی زندگی پاتے ہیں [26]
جیساکہ قرآن میں ارشاد ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوا
لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ اِنَّمَا یُحْیِیْکُمْ۔ (۸:۲۴)

اے ایمان والو جب اللہ اور اس کے رسول تمہیں بلائیں تو
جواب دو اس چیز کے لئے جو تمہیں زندگی دینے والی ہے۔

(۳) جس طرح دنیاوی باپ کمائی کرکے خوراک گھر لاتا ہے
اور ماں اُسے نرم کرکے بچے کو کھلاتی ہے۔ اسی طرح عالمِ دین
کے باپ یعنی پیغمبر کی بتائی ہوئی حکمتوں کو اساس اپنے دور میں
اور امام کی دی ہوئی حکمتیں حجت یا پیر اپنے زمانے میں مومنین
کو آسان زبان میں سمجھاتے ہیں جس سے ان کی عقلی و روحانی پرورش
ہوتی ہے [27]

(۴) جس طرح دنیاوی ماں باپ بچے کو غلاظت سے دور
رکھ کر صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح عالمِ دین
کے ماں باپ یعنی زمانے کے پیغمبر یا امام مومنین کو کفر و گناہ
کی غلاظت سے پاک کرتے ہیں [28]۔ جیساکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ
یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ (۳:۱۶۴)۔

یعنی پیغمبر اُن پر آیتیں پڑھتا اور پاک و پاکیزہ کرتا ہے۔

سیّد ناصر خسروؒ کے نظریۂ عقل کے اس مختصر خاکے سے اندازہ
لگایا جاسکتا ہے کہ پیر نامدار کی نظر میں عقل مذہب کے لئے کس قدر
ضروری ہے تاہم پیر براہ راست بھی عقل اور مذہب کے رشتے
کی وضاحت کرتے ہیں۔ اُن کا فرمانا ہے کہ انسان کو مذہب
اس بنیاد پر دیا گیا ہے کہ اس کے پاس عقل ہے۔ ورنہ خدا اور نہ

ربّ العزّت تمام مخلوقات یعنی جمادات، نباتات، حیوانات،
چرند و پرند سب پر مذہب کو لازم کرتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں
کیا ہے۔ مذہب صرف انسانوں کے لئے ہے مزید یہ کہ خود انسانوں
میں بھی تمیز کی گئی ہے یعنی مذہب صرف اُن لوگوں پر فرض ہے
جو عقلمند ہیں۔ اور ان لوگوں پر فرض نہیں جو عقل سے عاری
ہیں۔ جیسے پاگل یا دیوانے۔ اور مذہب ان لوگوں پر بھی فرض
نہیں جن کی عقل خام ہے جیسے نابالغ بچے، اس پورے نکتے
کو سیّدنا ان اشعار میں سموتے ہیں۔ شعر

گفتند کہ موضوعِ شریعت نہ بعقل ست   زیرا کہ بشمشیر شد اسلام مقرر [29]
گفتم کہ نماز از چہ بر اطفال و مجانین   واجب نشود تا نشود عقل مخیّر

کہتے ہیں کہ شریعت کی بنیاد عقل پر نہیں ہے کیونکہ یہ تلوار
کے زور سے پھیلا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ایسا ہے کہ (مذہب یا)
شریعت کی بنیاد عقل پر نہیں ہے تو پھر بچوں یا دیوانوں پر
نماز اس وقت تک فرض کیوں نہیں جب تک کہ وہ عاقل نہ ہو جائیں؟

پس پیر کی نظر میں مذہب اور عقل کے رشتے کے لئے یہ
برہان قاطع ہے کہ مذہب انسان پر اُس وقت فرض ہوتا
ہے جب اُس میں عقل اپنی بلوغت کو پہنچے۔ اس سے یہ نتیجہ
واضح طور پر نکلتا ہے کہ مذہب اندھا دھند تقلید کا نام نہیں
بلکہ عقل کی روشنی میں اس پر عمل کرنا ہے۔ اس لئے پیر واشگاف
الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شعر

تقلید نپذیرم و حجت نہ نہفتم   زیرا کہ نشد حق بتقلید مشہّر [30]

یعنی میں نے تقلید کو کبھی نہیں اپنایا اور نہ ہی کسی دلیل
کو چھپایا کیونکہ حق کبھی بھی تقلید سے مشہور نہیں ہوا۔

اس نکتے کو مولانا حاضر امام نے نہایت ہی سلیس انداز میں سمجھایا ہے - آپ فرماتے ہیں کہ

" ہم چاہتے ہیں کہ تم سمجھو کہ ہمیں وہ مسائل پیش نہیں آئیں گے جو دوسرے مذاہب کو پیش آتے ہیں - تمہاری منطق اور تمہاری قوائے فکر کا تمہاری مذہبی تعلیمات سے ہم آہنگی پیدا کرنا ایک مسئلہ رہا ہے تم میں سے جنھوں نے اسلام کا نہایت ہی غور سے مطالعہ کیا ہے ، آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ہم حل کر سکتے ہیں " ۳۱

" تمہیں زندگی کے ہر میدان میں منطقی تصوّر رکھنا چاہیئے - اسلام کا حقیقی تصوّر یہ ہے کہ خود عقیدہ منطقی ہے اگر اسلام منطقی نہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا جو آج ہے - اسلام کا مرکزی نقطہ ہی منطقی ہے - یہ کوئی مداری کا کھیل نہیں ہے اس میں کوئی چیز غیر منطقی نہیں ہے یہ صاف ، واضح اور قابلِ فہم ہے " ۳۲

یہاں یہ بات خاص طور پر واضح ہونی چاہیئے کہ مذہب میں عقل کے کردار سے یہ مُراد نہیں کہ ہر شخص جس طرح چاہے مذہب اور مذہبی احکامات میں دخل اندازی کرے یا اُسے تنقید و تضحیک کا نشانہ بنائے - مذہب میں عقل کے کردار سے مُراد یہ ہے کہ اولاً مذہب بذاتِ خود عقلی اور منطقی ہے اس میں کوئی غیر عقلی اور غیر منطقی اصول نہیں جیسا کہ مولانا حاضر امام کے مندرجہ بالا فرمانِ مبارک سے واضح ہوتا ہے - ثانیاً یہ کہ عقل کے لئے کوئی پابندی نہیں کہ وہ مذہب اور اس کے اُصولوں کو ہمیشہ اندھا دُھند تسلیم کرے اور ان پر سوچنا اپنے لئے شجرِ ممنوعہ قرار دے - مذہب اپنے پیروکاروں کی مکمل حوصلہ افزائی

کرتا ہے کہ وہ دین اور اُس کے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں - اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی شخص کم علمی کی وجہ سے بقول " نیم حکیم خطرۂ جان نیم مُلّا خطرۂ ایمان " دین کے بعض معاملات یا احکامات کو غیر عقلی یا غیر منطقی پا سکتا ہے لیکن جوں جوں مومن عقل اور فہم کے لحاظ سے بالغ اور عاقل ہوتا جاتا ہے دین اُس کے لئے زیادہ سے زیادہ قابلِ فہم بنتا جاتا ہے - اس لئے کہ دین اور اس کے معاملات کو سمجھنا ایک طویل علمی عمل ہے جو زندگی بھر جاری رہتا ہے انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک معاملے کو الگ الگ بہت سے زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ چیزیں سمجھ میں آنے لگتی ہیں جو پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھیں -

بہرحال انسان جس قدر بھی علمی و عقلی ترقی کرے اس کا علم محدود اور اس کی عقل نا تمام رہتی ہے جبکہ جو ہستی دین کی مالک ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے اور اس کے نظام میں کوئی خامی نہیں ہو سکتی - اگر کسی کو کوئی خامی نظر آتی ہے تو اس شخص کے فہم کی کمی یا نا سمجھی یا نامکمل علم کی وجہ سے ہے جیسا کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

مثالِ من بسی بینی ولی از راہِ کج بینی
اگر تو راست بین باشی نہ بینی مثل و ہمتایم ۳۳

یعنی اگر تیری نظر ٹیڑھی ہے تو دنیا میں تجھے مجھ جیسے بہت نظر آئیں گے لیکن اگر تو حقیقت بین ہے تو تجھے مجھ جیسا کوئی بھی نظر نہیں آئے گا -

حوالہ جات

۱- خوان الاخوان ، ناصر خسرو ، ع - قدیم انتشارات کتابخانہ بارانی ، تہران ۱۳۳۸ ھ ، صفحہ ۹۱
۲- حضرت امام سلطان محمد شاہ نے ڈاکٹر زاہد علی صدر انجمن ... کے نام ایک خط میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا اور یہ خط فیڈرل کونسل برائے پاکستان کا مطبوعہ MESSAGE TO THE WORLD OF ISLAM, 1957 میں چھاپا گیا۔
۳- وجہ دین ، ناصر خسرو ، اردو ترجمہ : علامہ نصیر الدین نصیر ہنزائی ، حصہ اوّل صفحہ ۲۳ ، (اس مضمون میں وجہ دین کے تمام حوالے اسی اردو ترجمے سے لئے گئے ہیں) - جامع الحکمتین ناصر خسرو ، بتصحیح و مقدمہ فارسی و فرانسوی ، ہنری کوربین و دکتر محمد معین ، کتابخانۂ طہوری ، ایران ، ۱۹۸۴ء ، صفحہ ۲۴۹
۴- دیوانِ ناصر خسرو ، تصحیح شدہ مرحوم تقی زادہ ، ۱۳۴۱ ھ ، تہران ، صفحہ ۱۱۷ ، (اس مضمون میں اشعار کے تمام حوالے اسی ایڈیشن سے لئے گئے ہیں)
۵- خوان الاخوان ، صفحہ ۹۳
۶- وجہ دین - حصہ اوّل ، صفحہ ۵۰ ، خوان الاخوان ، صفحہ ۹۰ اور ۹۱
۷- ایضاً ایضاً ، ۳۳
۸- جامع الحکمتین ، صفحہ ۲۴۹ ، وجہ دین (اردو ترجمہ) حصہ اوّل ، صفحہ ۳۳ ، (سیدنا

علم و معرفت کے فرق کی بھی وضاحت کرتے ہیں لیکن میں نے اس مقالے میں اس بحث سے احتراز کیا ہے - اس لئے کہ یہ تصور کافی پیچیدہ ہے - اس بحث کے لئے دیکھئے خوان الاخوان صفحہ ۲۲۵ تا ۲۲۸)
۹- وجہ دین (اردو ترجمہ) حصہ اوّل صفحہ ۵۱ اور ۵۲
۱۰- ایضاً صفحہ ۵۱
۱۱- دیوان ، صفحہ ۲۷
۱۲- گشائش و رہائش ، ناصر خسرو ، سعید نفیسی تہران ۱۹۶۱ء ، صفحہ ۵۵
۱۳- دیوان ، صفحہ ۹۱
۱۴- وجہ دین حصہ اوّل ، صفحہ ۹ ، ۱۰
۱۵- دیوان ، صفحہ ۱۲۵
۱۶- وجہ دین ، حصہ اوّل ، صفحہ ۴۴
۱۷- دیوان ، صفحہ ۴۳
۱۸- وجہ دین ، حصہ اوّل ، صفحہ ۵۳
۱۹- ایضاً " " ۵۹
۲۰- ایضاً " " ۵۱
۲۱- روشنائی نامہ ، ناصر خسرو ، طبع شدہ بمع دیوانِ ناصر خسرو ، صفحہ ۵۳۱
۲۲- حواس ظاہر و باطن کے لئے دیکھئے زاد المسافرین ، ناصر خسرو ، انتشارات کتابفروشی محمودی ، طہران ، صفحہ ۱۶ تا ۲۶
۲۳- خوان الاخوان ، صفحہ ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ششش فصل ، ناصر خسرو ، تصحیح ایوانف قاہرہ ۱۹۴۸ء ، صفحہ ۳۵
۲۴- خوان الاخوان ، صفحہ ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ششش فصل ، صفحہ ۳۵

۲۵- جامع الحکمتین ، صفحہ ۲۰۹

۲۶- ایضاً صفحہ ۲۱۰

۲۷- ایضاً

۲۸- ایضاً

۲۹- دیوان ، صفحہ ۲۴۲

۳۰- ایضاً

۳۱- مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی دارالسلام ۹-۱۰-۱۹۵۸ء

۳۲- مولانا حاضر امام ، کراچی ۲۷-۹-۱۹۶۰ء

۳۳- کتاب المناقب ، شائع کردہ : شیعہ امامی اسماعیلیہ طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان ، مئی ۱۹۸۹ء صفحہ ۲

کتابیات

۱- جامع الحکمتین ، ناصر خسرو ، تصحیح و مقدمہ فارسی و فرانسوی پروفیسر کُوربین و دکتر محمد معین کتابخانۂ طہوری ، ایران

۲- وجہ دین ، ناصر خسرو ، اردو ترجمہ علامہ نصیرالدین نصیر ہنزوی حصۂ اوّل۔

۳- خوان الاخوان ، ناصر خسرو ، قویم ، انتشارات کتابخانۂ بارانی ایران ، تہران۔

۴- زادالمسافرین ، ناصر خسرو ، بوذرجمہری ، انتشارات کتابفروشی محمودی ، طہران ۱۳۴۱ھ (بالخصوص صفحہ ۷ تا ۲۶)

۵- شش فصل ، تصحیح ڈبلیو ایوانف ، قاہرہ ۱۹۴۸ء

۶- علمیاتِ ناصر خسرو ، غلام عباس ، اسماعیلی بلیٹن ، اپریل تا جون ۱۹۷۷ء ، صفحہ ۱۵ تا ۱۸

۷- دیوان اشعار ، ناصر خسرو ، تقی زادہ ، ۱۳۴۱ھ

۸- گشائش و رہائش ، ناصر خسرو ، با تصحیح و مقدمہ ، سعید نفیسی تہران ، ۱۹۶۱ء

۹- The Concept of Intellect and Theory of Intellectual Education according to the Fatimid Thinker, Nasir Khusraw by Dr. Perween S. Peerwani, ILM, Vol. 12, No 1, July, 1989, p. 15.

۱۰- Some Reflections on the Role of Intellect by Jan-e-Alam Khaki, Ismaili Mirror, January, 1990.

۱۱- جواہر حکمت ، منتخب از دیوان اشعار ناصر خسرو ، ترتیب و ترجمہ : فدا علی ایثار۔
شائع کردہ : ہز ہائی نس پرنس آغا خان شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان ۱۹۷۶ء

۱۲- کلام پیر ناصر خسرو ، انتخاب از دیوان اشعار ، ترتیب و ترجمہ : فدا علی ایثار۔
شائع کردہ : ہز ہائی نس ، پرنس آغا خان شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان کراچی ۱۹۸۷ء

۱۳- کلام پیر ناصر خسرو حصۂ دوم انتخاب از دیوان اشعار معہ ترجمہ ترتیب و ترجمہ : عالیجاہ فدا علی ایثار ہنزوی۔
شائع کردہ : شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان کراچی۔ مئی ۱۹۸۹ء

اسماعیلی دعوت میں پیر ناصر خسرو ق س کا کردار

(عزیز اللہ نجیب)

اسیرم نکرد این ستمگارہ گیتی : چو این آرزو جوی تن گشت اسیرم

(ترجمہ): یہ ظالم دنیا مجھے اپنے جال میں نہیں پھنسا سکی کیونکہ خواہشات کے پیچھے بھاگ دوڑ کرنے والا جسم میرا قیدی بنا ہے۔

چو من بادشاہ تن خویش گشتم : اگرچند لشکر ندارم امیرم

(ترجمہ): جب میں اپنے جسم (کی خواہشات) پر بادشاہ بن گیا ہوں یعنی خواہشات پر قابو پایا ہے۔ تو میں بادشاہ ہی ہوں اگرچہ میرے پاس فوج نہ بھی ہو۔

بتاج و سریر اند شاہان مشہر : مرا علم دین است تاج و سریرم

(ترجمہ): — دنیا میں بادشاہ اپنے تاج و تخت کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں مگر میرا تاج اور میرا تخت میرے دین کا علم ہے۔

چو من دست خویش از طمع پاک شستم : فزونی از این و از آن چون پذیرم

(ترجمہ): — جب میں اپنا ہاتھ طمع سے صاف صاف دھو چکا ہوں تو کسی سے کچھ پانے کی امید ہی کیوں رکھوں۔

بجان خردمند خویش است فخرم : شناسند مردم صغیر و کبیرم

(ترجمہ): مجھے اپنی عاقل اور دانا روح پر فخر ہے جس کی بدولت چھوٹے بڑے سارے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔

یہ اس معزز شخص کے الفاظ ہیں جن کے بارے میں آج اس مجلس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

اس مقالے میں مجھے اسماعیلی دعوت میں سیدنا پیر ناصر خسرو کے کردار کے بارے میں چند معروضات پیش کرنی ہیں۔ اسماعیلی دعوت کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہمارے داعیوں نے دعوت الحق کی خاطر ایثار و قربانی کی جو مثالیں پیش کی ہیں ان کی نظیر شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں ملے۔ ان کے کارناموں سے اسماعیلی تاریخ کے سنہرے باب بنے ہیں مگر میرا محدود علم اور تجربہ یہ کہنے پر مجھے مجبور کرتا ہے کہ کئی وجوہات کی بناء پر سیدنا پیر ناصر خسرو رح کو اسماعیلی دعوت میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ جب ہم آپ کی زندگی کو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و دعوت، علم و ادب میں علوِ مرتبت، تالیف و تصنیف اور حکمت و فلسفہ میں مقامِ ارفع، شعر و شاعری میں یکتائے زمانہ، انسان کے سماجی مقام اور آزادی کے لئے جد و جہد، اسماعیلی روایات و ادب پر بالعموم اور مرکزی ایشیاء کی روایات پر بالخصوص دیرپا اثرات کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو ہماری دعوت کی پوری تاریخ میں کوئی شخص اس قدر کثیر الجہت، عالمگیر اور قد آور نظر نہیں آتا جتنا کہ پیر ناصر خسرو ہیں اور کوئی نام ایسا نہیں جس کی تعریف و توصیف دوست و دشمن اور خویش و بیگانہ کی زبان سے مساوی طور پر ہو اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کے علمی مراکز میں ان کی قدر و منزلت میں اسی طرح اضافہ ہو۔ آپ کا اپنے بارے میں یہ کہنا واقعی بجا اور مناسب ہے :-

کسی کو بامن اندر علم و حکمت ہمسری جوید
ہمی خواہد کہ گل بر آفتاب روشن انداید

(ترجمہ) :۔ جو شخص علم و حکمت میں میرے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ گویا وہ آفتاب روشن کے چہرے پر گارا ملنا چاہتا ہے۔

من اندر جستنِ نیکو سخن تن را بفرسودم
سرم زین فخر در حکمت ہمی بر چرخ ازین ساید ؎

(ترجمہ) : میں نے (علم و حکمت کی) اچھی باتیں ڈھونڈتے ہوئے اپنے جسم کو فرسودہ کیا ہے ، یہی وجہ ہے کہ علم و حکمت میں اس فخر کی وجہ سے میرا سر آسمان کو چھو رہا ہے۔

پیر نامدار کے ان اشعار سے شاید بعض حضرات کو خودستائی کا شبہ ہو ، مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس کلام میں خودستائی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کی ترجمانی ہے جیسا کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری رقمطراز ہے۔ "فضل و کمال پر فخریہ اشعار لکھنا شعرائے عجم کا خاصہ ہے لیکن ناصر خسرو نے جو کچھ لکھا ہے بلا مبالغہ وہ ایک واقعہ ہے اور جامعیتِ علوم و فنون میں ناصر کا یہ مرتبہ ہے کہ اس کی مسند فلک او الجح بچھائی جائے۔" ؎۳

اب میں پیر نامدار کی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ اسماعیلی دعوت میں آپ کے مقام و کردار پر مزید روشنی پڑے۔

اہلِ علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ سیدنا پیر ناصر خسروؒ کو اسماعیلی مذہب وراثتاً نہیں ملا تھا۔ آپ کے آبائی مذہب کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کا آبائی مذہب اثنا عشری تھا جبکہ دوسرے محققین کا خیال ہے کہ آپ کے آباء و اجداد کا تعلق سُنّی مذہب

سے تھا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس زمانے میں خراسان پر سُنّی حکمرانوں کا غلبہ تھا۔ چونکہ حکیم ناصر خسروؒ ان حکمرانوں کے درباروں سے نہ صرف وابستہ رہے ہیں بلکہ ان کے دفاتر میں اہم عہدوں تک بھی پہنچے ہیں۔ چنانچہ کسی اثنا عشری عالم کو غزنویوں اور سلجوقیوں کے دربار میں ایسے اہم عہدوں پر فائز کرنا بعید از قیاس نظر آتا ہے۔ لہٰذا ان محققین کا خیال ہے کہ آپ کا آبائی مذہب سُنّی تھا۔

چنانچہ آپ کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ نے اسماعیلی مذہب کو وراثتاً یا تقلید کے طور پر قبول نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے اسماعیلی مذہب کو بیالیس سالہ زندگی کی تحقیق و جستجو کے نتیجے کے طور پر قبول کیا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب آپ کی ابتدائی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تلاشِ حقیقت کی خاطر اپنے سات سالہ سفر سے قبل آپ اُمراء اور سلاطین کے درباروں سے وابستہ رہے ہیں اور ان درباروں میں آپ اپنے ظاہری علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ آپ کی قدر و منزلت کی حد یہ تھی کہ لوگ کثرتِ احترام کی وجہ سے آپ کو "خواجۂ خطیرؒ" "ادیبؒ" اور "فاضل دبیرؒ" کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے دیوان میں جگہ جگہ اپنے اس جاہ و جلال کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں۔

بنامم نخواندی کس از بس شرف : ادیبم لقب بود و فاضل دبیر

(ترجمہ) : کثرتِ احترام کی وجہ سے لوگ میرا نام پکارنے کی بجائے مجھے "ادیبؒ اور" فاضل دبیرؒ کے القاب سے یاد کرتے تھے۔

مرا بود حاصل زیارانِ خویش : بہ شخصِ جوان اندرون عقل پیر ؎۵

(ترجمہ): اپنے دوستوں میں مجھے یہ شرف حاصل تھا کہ میرے جوان جسم کے اندر ایک پیر یعنی بالغ عقل موجود تھی۔

چنانچہ آپ کی زندگی کے اس پہلو سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسماعیلی مذہب کو آپ نے کسی دُنیوی عزّت، مقام یا مال و متاع کی خاطر قبول نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے اس مذہب کو اس لئے اپنایا کہ اس میں آپ کو حق و صداقت نظر آئی یہاں تک کہ آپ کے عقیدہ کی تبدیلی میں کسی داعی کی کوشش کا بھی عمل دخل نہیں، بلکہ آپ خود ہی اپنی سعی اور الٰہی تائید کی بدولت سرچشمۂ ہدایت و دعوت تک پہنچے۔ اس کے بعد ہی آپ کو اسماعیلی مذہب کی تعلیمات کی تربیت دی گئی۔ جب آپ کو اسماعیلی مذہب کے اصول و فروع کا پتہ چلا تو آپ نے اپنی گذشتہ زندگی کو "چاہ" یعنی تاریک کنوئیں کی زندگی اور "لیل السّرار" یعنی شبِ تاریک سے تشبیہ دی جیسا کہ فرماتے ہیں:

بچاہ اندرون بودم آنروز مَن : برآوردم ایزد بچرخ اثیر

(ترجمہ): اس دن (یعنی اسماعیلی مذہب قبول کرنے سے پہلے) میں تاریک کنوئیں میں تھا، مگر اب (یعنی اسماعیلی مذہب قبول کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ نے مجھے فلک اثیر تک پہنچا یا۔

حکیم ناصر خسرو کی زندگی کے حوالے سے یہاں ایک نہایت اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی ایک آیت میں ارشاد ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹ : ۶۹) "اور جن لوگوں نے ہمارے (دین) کے بارے میں کوشش کی ہم ضرور انہیں اپنا راستہ دکھلا دیں گے۔"

یہی آیت پیر ناصر خسروؔ کی زندگی پر بالکل صادق آتی ہے

آپ کی روح تلاشِ حقیقت میں بے چین تھی اور آپ اپنی نیّت میں مخلص تھے۔ چنانچہ خداوندی تائید آپ کے شاملِ حال ہوئی اور روزِ جمعرات ۶ جمادی الآخر ۴۳۷ھ کو جوزجانان میں ایک خواب میں آپ کو ایک شخص نے قبلہ کی طرف سفر کرنے کا حکم دیا۔ یہ خواب آپ کے لئے ایک جیتی جاگتی حقیقت تھی۔ چنانچہ آپ نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور سفرِ حج کی نیّت سے روزِ بدھ ۲۳ شعبان ۴۳۷ھ کو اپنے سات سالہ سفر کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں آپ کو قاہرہ میں امامِ زمانہ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السّلام کی ملاقات نصیب ہوئی اور آپ اسماعیلی مذہب سے مشرّف ہوئے۔

جب ہم پیر ناصر خسرو کے خواب کا ذکر کرتے ہیں تو اس امر کی تھوڑی سی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس خواب کی نوعیّت کیا تھی جو حکیم موصوف کے لئے تلاشِ حق کے سلسلے میں سات سالہ سفر کا محرک بنی۔ پیر کے بارے میں تحقیق کرنے والے بعض محققین کا خیال ہے کہ آپ نے اپنے سفرنامے کے آغاز میں جس خواب کا ذکر کیا ہے وہ واقعی کوئی خواب نہیں تھا بلکہ آپ نے یہاں کنایہ اور تقیہ سے کام لیا ہے نیز آپ نے جس قبلہ کا ذکر کیا ہے وہ بھی خانۂ کعبہ نہیں بلکہ مصر کے فاطمی خلیفہ حضرت امام المستنصر باللہ علیہ السّلام ہیں۔ ان کے خیال میں ناصر خسرو اس سے بہت پہلے اسماعیلی مذہب قبول کر چکے تھے۔[۷]

مگر راقم کے نزدیک یہ دعویٰ ثبوت پر مبنی نہیں ہے اور سفرنامہ کے متن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ سفرنامہ میں خوابِ چہل سالہ اور خوابِ دوشین کا الگ اور واضح ذکر موجود ہے۔ سامعین اور قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں سفرنامہ سے متعلقہ

عبارت کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو حسبِ ذیل ہے :-

" ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے کہہ رہا ہے (کہ اے ناصر!) یہ شراب کب تک پیتے جاؤ گے جو انسان کی عقل کو زائل کرتی ہے اگر ہوش میں رہو تو بہتر ہے ، میں نے جواباً عرض کیا کہ حکماء اس کے علاوہ کوئی ایسی شئ ایجاد نہیں کر سکے ہیں جو غمِ دنیا کو غلط کرے ، جواب دیا کہ بیخودی اور بیہوشی میں کوئی راحت ہوتی ہے ؟ اس شخص کو حکیم نہیں کہا جا سکتا ہے جو لوگوں کو بے ہوشی کی طرف بلائے بلکہ ایک ایسی چیز ڈھونڈنی چاہیئے جو عقل و ہوش میں اضافہ کرے ، میں نے کہا وہ چیز میں کہاں سے حاصل کروں ؟ اس نے کہا "جوئندہ یابندہ" یعنی جو ڈھونڈتا ہے وہ پا ہی جاتا ہے ، اور قبلہ کی طرف اشارہ کیا اور خاموش ہوا "۔

" جب میں خواب سے بیدار ہوا تو خواب کی ساری حالت مجھے یاد تھی اور مجھ پر اثر انداز ہوئی تھی ۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ شبِ گذشتہ کے خواب سے جاگ چکا ہوں اب چالیس سالہ خواب سے بھی بیدار ہونا چاہیئے ۔ میں نے سوچا کہ جب تک اپنے تمام افعال و اعمال کو تبدیل نہیں کروں گا حقیقی خوشی حاصل نہ ہوگی "۔

یہی ہے خواب کا قصّہ جس کا ترجمہ ہم نے پیش کیا ۔ اس کے بعد سفر کی تفصیل شروع ہوتی ہے ۔ یہاں قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ پیر نے صاف اور واضح الفاظ میں اس خواب کو " خوابِ دوشین " (یعنی گذشتہ رات کا خواب) کہا ہے جو ایک رویاءِ صادقہ ہے اور اپنی چالیس سال تک غفلت میں گزرنے والی عمر کو " خوابِ چہل سالہ " سے تعبیر کیا ہے چنانچہ اس صاف اور واضح بیان میں کسی قسم

کی قیاس آرائی اور تاویل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک رویاءِ صادقہ تھا جس کے نتیجے میں آپ کی زندگی کی کایا پلٹ گئی ۔

اس خواب کے نتیجے میں آپ اپنے سات سالہ سفر پر روانہ ہوئے ۔ یہ سفر جہاں خطرات و حوادث سے پُر تھا وہاں آپ کے لئے نہایت مبارک بھی ثابت ہوا ، اس لئے کہ آپ اپنے مقصود تک پہنچے ۔

پیر ناصر خسروؒ کے زمانے میں اسماعیلی دعوت کا ایک مخصوص طریق کار تھا ۔ اس زمانے میں دنیا دعوت کے بارہ جزیروں میں تقسیم کی گئی تھی اور ہر جزیرے میں دعوت کے انچارج کو " حجّت " کہا جاتا تھا ۔ چنانچہ اس وقت خراسان ، ماوراء النہر اور بدخشان کا علاقہ ایک جزیرہ شمار ہوتا تھا ۔ حجّتِ جزیرہ کے عہدہ پر ایک ایسا شخص فائز ہوتا تھا جو ظاہری اور باطنی علوم سے مزیّن ہونے کے ساتھ انتظامی اور سیاسی امور سے بھی اچھی طرح واقف ہو ۔ اس عہدے تک صرف وہ شخص پہنچ سکتا تھا جس نے دعوت کے تمام مدارج کو طے کیا ہو ۔ اسماعیلی تاریخ شاہد ہے کہ حجّتِ جزیرہ کے رتبے تک پہنچنے والے لوگوں میں سے اکثر نے تاریخِ دعوت پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں ۔ پیر ناصر خسروؒ سے پہلے اس جلیل القدر عہدہ تک پہنچنے والوں میں سے ہمیں سیّدنا حمید الدّین کرمانیؒ اور سیّدنا المؤیّدؒ جیسے دانشوروں کے نام ملتے ہیں ۔ کرمانی وہ شخص ہیں کہ جب ۴۰۸ ھ میں نظامِ دعوت میں بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے امام حاکمؑ نے دار الحکمۃ کو بند کیا تو اس بحران سے دعوت کو نکالنے کے لئے آپ ہی کو بلایا تھا اور آپ نے بڑی خوش اسلوبی

سے دعوت کو از سرِ نو منظم کیا اور دار الحکمۃ کو دوبارہ کھولا۔ سیدنا المویدؒ کا علمی رتبہ اور برتری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امامؑ نے آپ کو علم کا وہ پہاڑ قرار دیا جس پر چڑھنے والے تھک جاتے ہیں۔" ۹

سیدنا ناصر خسروؒ کے علاوہ اس عہدے پر پہنچنے والوں میں سیدنا عبدالملک ابنِ عطاش اور سیدنا حسن صباح جیسی نامور ہستیاں بھی ہیں جن کے کارناموں سے اہلِ علم اچھی طرح واقف ہیں۔ چنانچہ حکیم ناصر خسروؒ کی ظاہری اور معنوی صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مصر پہنچ کر تین سال سے بھی کم عرصے میں آپ حجّتِ جزیرہ کے درجے تک پہنچے۔ جب آپ قاہرہ گئے تھے تو یہ نہ صرف فاطمی خلافت کی ظاہری شان و شوکت کا زمانہ تھا بلکہ اسماعیلی دعوت بھی اپنے عروج پر تھی۔ سیدنا المویدؒ جیسے شخص دعوت کے انچارج تھے۔ علماء اور دعاۃ کی کوئی کمی نہ تھی مگر اس زمانے میں خراسان جیسے حسّاس علاقے کے لئے جو نہ صرف فاطمی خلافت کے سیاسی حریفوں کا مرکز تھا بلکہ شیعیت اور اسماعیلیوں کے مخالفوں کی بھی آماجگاہ تھی آپ کو حجّت کے عہدے کے لئے منتخب کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ امام الوقت کو آپ پر کتنا بھروسہ تھا۔ حجّت کا منصب ایک ایسا مقام ہوتا تھا جو پورے جزیرہ کے مذہبی، سماجی، مالی اور سیاسی امور کا نگرانِ اعلیٰ ہوتا تھا۔ حجّت کے ماتحت سینکڑوں داعی ہوتے تھے۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی نگرانی کی تمام تر ذمہ داری حجّت پر ہوتی تھی۔ پوری دنیا میں اس رتبے کے صرف بارہ حجّت ہوتے تھے جن کا ظاہری اور باطنی رابطہ براہِ راست امام کے ساتھ

ہوتا تھا باقی تمام افرادِ دعوت ان کے ماتحت ہوتے تھے۔

بلاشبہ حکیم ناصر خسروؒ اس منصب کے لئے ہر لحاظ سے موزوں تھے۔ آپ ایران میں غزنوی اور سلجوقی درباروں سے منسلک ہونے کی وجہ سے اس زمانے کے سیاسی اور مذہبی اتار چڑھاؤ کا ایک وسیع تجربہ رکھتے تھے اور سلجوقی دربار میں وزیر مالیات یا آج کل کی اصطلاح میں اکاؤنٹنٹ جنرل ہونے کی بدولت انتظامی اور مالی امور میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف مروجہ علوم میں آپ کی دسترسی کا ثبوت دیتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اپنے مشن کے ساتھ نہایت وفادار، مخلص اور صادق تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امامِ زمانہؑ نے نو وارد ہونے کے باوجود آپ ہی پر بھروسہ کیا اور خراسان جیسے حسّاس اور نازک علاقے میں تبلیغ و دعوت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی اور جس طرح آپ پر بھروسہ کیا تھا اسی طرح آپ نے بھی اپنی ذمہ داری پوری کی اور اسماعیلی دعوت کی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے۔

جب آپ جمادی الآخر ۴۴۴ھ بمطابق ۲۴ ر اکتوبر ۱۰۵۲ء کو قاہرہ سے اسماعیلی مذہب کے حلقہ بگوش اور اسماعیلی دعوت میں حجّت کے عظیم مرتبے پر فائز ہو کر ایران واپس پہنچے اور اپنے مشن کا آغاز کیا تو سب لوگ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے۔ خراسان کے فقہانے آپ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا اور عوام النّاس کو آپ کے خلاف مشتعل کیا۔ گھر بار جلا ڈالے اور آپ کو ترکِ وطن پر مجبور کیا جیسا کہ آپ دیوان میں فرماتے ہیں۔

فرعون روزگار ز من کینہ جوی گشت : چون من بعلم در کفِ موسیٰ عصا شدم

(ترجمہ): جب میں علم کے ذریعے عصائے موسیٰ کی طرح بنا تو زمانے

کا فرعون میری مخالفت اور انتقام پر کمربستہ ہوا۔"

عیبم ہمی کنند بدانچم بدوست فخر : فخرم بدآنکہ شیعتِ آلِ عبا شدم

(ترجمہ): لوگ اس چیز پر مجھے طعنہ دیتے ہیں جس پر مجھے فخر ہے مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں آلِ عبا یعنی اہلِ بیتِ رسولؐ کے دوستداروں میں شامل ہوا ہوں۔

از بہر دین ز خانہ براندند مرمرا : تا با رسولؐ حق بہ ہجرت سوا شدم[10]

(ترجمہ): دین کی وجہ سے مجھے (میرے مخالفوں نے) گھر بار سے بھگایا ہے یہاں تک کہ رسولِ خداؐ کی طرح میں نے بھی (دین کی خاطر)، ہجرت کی راہ اختیار کی ہے۔

القصہ ناصر خسروؒ کو اسماعیلی دعوت کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ آپ نے دیوان میں بار بار اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جب آپ بھی دوسروں کی طرح عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے تو سب آپ سے خوش تھے اور عزّت و احترام کرتے تھے۔ میر و وزیر سے لے کر عوام النّاس تک قدر و عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر جب آپ کی چشمِ باطن کھل گئی اور اہلِ بیتِ رسولؐ کی دعوت کا بیڑہ اٹھایا تو سب آپ کے دشمن بن گئے اور آپ پر کفر و الحاد کے فتوے لگانے لگے۔ ایک ایرانی محقق آپ کی ان مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ فاطمینِ مصر نے ناصر خسرو کو ایک نہایت بھاری اور خطرناک ذمّہ داری سپرد کی تھی اگر انہیں کسی اور علاقے میں بھیج دیتے تو کم از کم لوگوں کو ان کے ماضی کا علم کبھی نہ ہوتا اور آپ بڑے آرام سے اپنے تبلیغی کاموں میں مصروف رہتے مگر بلخ اور خراسان کے

دوسرے شہروں میں آپ کے لئے یہ مشکل تھی کہ سارے دوست احباب اور امیر و وزیر کے کارندے دیکھ رہے تھے کہ جو شخص کل تک ان کے ہم خیال تھے، اُن کے مذہب پر تھے اور ان کے شہر و دیار کے امیروں اور وزیروں کے محترم حاشیہ نشینوں میں سے تھے اچانک تبدیل ہو کر ان کے شہر واپس لوٹے ہیں۔ اور اپنے گذشتہ مذہب کو ہی پسِ پشت نہیں ڈالا اور گذشتہ ایام میں جن چیزوں کی ستائش کرتے تھے اب ان کی برائی ہی کرتے ہیں بلکہ کاملاً ایک مخالف سمت کے ساتھ وابستہ ہوئے ہیں اور اپنے شہر و دیار میں بے باک فاطمیم فاطمیم یعنی میں فاطمی ہوں میں فاطمی ہوں کے ترانے گاتے ہیں اور خراسان و بلخ کی بدگوئی کرتے جہاں انہوں نے پرورش پائی تھی[11]۔ روسی مستشرق برتلس رقمطراز ہیں کہ ناصر خسرو نے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصّہ خراسان میں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ میں صرف کیا اور اسماعیلی مذہب کے اصول و عقائد سے متعلق کئی رسالے یادگار چھوڑے۔ انہوں نے اسماعیلی مذہب کی نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا[12]۔ یہی مستشرق آپ کے ساتھ ہونے والی دشمنیوں اور ان دشمنیوں اور مخالفتوں کے مقابلے میں آپ کے عزم و استقامت کا ذکر یوں کرتا ہے۔ "آپ ناصر خسرو کا اصل خیال اور بنیادی مقصد مکمل طور پر واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جاہلوں کے تمام تر ظلم و ستم اور تکالیف و آزار کے باوجود (ان کا نصب العین یہ تھا کہ) علم حق اور دینِ حق کی ترویج و اشاعت ہو۔"[13]

آپ نے اپنے نصب العین کے حصول کی خاطر نظم و نثر

ہر دو صنفِ سخن سے کام لیا۔ نثر کی کئی کتابوں کے علاوہ آپ نے اپنی شاعری کو بھی دعوت الحق کے لئے وقف کیا۔ دیوان میں اس امر کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔ [14]

مرمرا بر راہ پیغمبر شناس   شاعرم مشناس گرچہ شاعرم

(ترجمہ): مجھے پیغمبر کے راستے پر سمجھو یعنی میں دعوت الحق کا فریضہ ادا کر رہا ہوں مجھے شاعر مت سمجھو اگرچہ میں شاعری بھی کرتا ہوں۔

ناصر خسروؒ کی کتابیں خواہ منظوم ہوں یا منثور آپ اپنے حقیقی نصیب العین یعنی دعوت الحق کی نشر و اشاعت کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ ایک ایرانی عالم غلام حسین یوسفی اسماعیلی دعوت کے ساتھ آپ کی وابستگی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ناصر خسرو کی غیر معمولی اور استوار شخصیت اس وقت نمایاں تر ہوتی ہے جب ہم اس کی استقامت اور ایثار کو اس کے عقیدے کے تناظر میں دیکھتے ہیں ایک ایسا شخص جس نے اپنے خاندان منصب پیشہ اور مستقبل کو اپنے مذہب کی خاطر داؤ پر لگایا ہے۔ اور دربدری، مایوسی اور بے انتہا مصائب پر راضی ہوا ہے اس کا محرک ایک مضبوط ایمان کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یہی باطنی اور حقیقی قوت تھی جو بلا اور بدبختی کی امواج، جسم و جان کی پریشانی اور ویرانی کی حالت میں بھی اسے مژدہ سناتی تھیں کہ (امام کی محبت نے) اس کی عقل کو سیاہ پتھر سے دُرِّ شہوار میں تبدیل کیا ہے۔ اس لئے زمانے کی ان مصائب کی اسے کوئی پرواہ نہیں۔ شاعر کا بیدار وجدان اس بات کا باعث بنا تھا کہ اصولوں پر وہ کبھی سودے بازی نہیں کرے گا۔ بھوکا مگر مردانہ وار زندگی گزارنے کو کمینے لوگوں

کے ہاتھ سے طعام کھانے پر ترجیح دے گا۔ یہ ایمان کی آواز تھی جو اس کے باطن سے بلند ہوتی تھی۔ ناصر خسرو اور ان لوگوں کے درمیان کتنا فرق ہے جو اپنے ضمیر کے برعکس بقول خود ناصر سوا کی طرح رُخ بدلتے رہتے ہیں اور چوپائیوں کی طرح گھاس پھوس یعنی دنیوی مفادات کے پیچھے پھرتے رہتے ہیں۔" [15]

اسی طرح تاریخ ادبیات در ایران کا مؤلف ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا اسماعیلی دعوت کے ساتھ پیر کی وابستگی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ناصر خسرو کی دعوت کا پہلو اس بات کا باعث بنا ہے کہ وہ مذہبی افکار کو بیان کرتے وقت بالکل ایک داعی اور مبلغ کی طرح تبلیغ کو مدِنظر رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بعض قصائد کی تمہید کا آغاز جن مقدمات سے کرتا ہے ان سے جو نتائج اخذ کرتا ہے ان میں سے اکثر ایسی باتوں سے ملتے جلتے ہیں جو ایک مبلغ دعوت کی کسی مجلس میں بیان کرتا ہے۔۔۔ اصولاً ناصر خسرو ان چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا جو عام طور پر شاعروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ مثلاً مظاہرِ حُسن و جمال اور ماحول کی دلفریبیاں وغیرہ۔ اس کی نظر اکثر عقلی حقائق اور دینی اصول و عقائد پر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فطرت کی توصیف کو بھی عقلی اور مذہبی مباحث میں قدم رکھنے کے لئے تشبیہات کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ناصر خسروؒ فطرت کی مناظر نگاری سے غافل تھے۔ اس لئے جس خوبصورتی کے ساتھ اپنے اشعار میں موسم، دن رات، آسمان اور ستاروں کی مناظر نگاری کی ہے اس کی نظیر فارسی شعراء کے کلام میں بہت کم ملتی ہے۔" [16]

آپ کے نزدیک اسماعیلی طریقہ کی دعوت کی غرض و غایت یہ تھی کہ انسان امامِ زمانہ کی معرفت اور اطاعت کے توسط سے درجۂ ملکوتیت تک پہنچ جائے۔ تخلیقِ عالم کا مقصد یہ ہے کہ علم کے ذریعے انسانی نفوس کی تکمیل و تزکیہ ہو مگر اس مقصد کے لئے لازم ہے کہ امامِ زمانہ کی اطاعت کی جائے۔ انسان بحدِ قوت فرشتہ ہے جب وہ رسول اور اس کا وصی یعنی امامِ زمانہ سے بذریعۂ کتاب یعنی قرآنِ کریم دعوت قبول کرتا ہے اور اس علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو بحدِ فعل فرشتہ بن جاتا ہے۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام انسان اور عالمِ علوی کے مابین واسطے ہیں۔ جو شخص دعوت الحق کو قبول نہیں کرتا وہ اس دنیا میں بحدِ قوت فرشتہ نہیں بن سکتا اور جو شخص اس دنیا میں بحدِ قوت فرشتہ نہیں بن سکتا، وہ عالمِ آخرت میں بحدِ فعل فرشتہ نہیں بن سکتا"۔ [17]

یہاں یہ نکتہ ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ناصر خسرو صرف دوسری دنیا کی باتیں کرکے لوگوں کو زہدِ خشک اور ترکِ دنیا کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ آپ انسان کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس دنیا میں اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ دین، آخرت اور روحانیت تک پہنچنے کے لئے اس دنیا کی حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ایک آدمی اگر عالمِ محسوسات سے چشم پوشی کرتا ہے تو وہ عالمِ معقولات اور عالمِ روحانیت تک کیسے پہنچ سکتا ہے، اپنی کتاب کشائش و رہائش میں اس مسئلے کی وضاحت آپ یوں کرتے ہیں: "اے میرے بھائی! جان کہ عالمِ فطرت کی شناخت کا علم انتہائی بلند درجہ کا علم ہے اور

اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ جسمانی عالم، جس کی بنیاد طبائع ہیں، عالمِ روحانی کے لئے جسم کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تک جسم معلوم نہ ہو شناختِ نفس کی طرف قدم بڑھانا ممکن نہیں ہے چونکہ (روح کا) عمل جسم کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے تو لازماً اس جسمانی عالم ہی کے ذریعے عالمِ روحانی کی شناخت ہو سکتی ہے اور جب عالمِ جسمانی اور عالمِ روحانی دونوں کی شناخت حاصل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف راستہ مل جاتا ہے اور اس کی عظمت و جلال سے انسان واقف ہو جاتا ہے۔ جو شخص جسمانی عالم کو دیدۂ بصیرت سے نہیں دیکھتا وہ اندھا ہے اور ایسا شخص آخرت میں بھی اندھا رہے گا"۔ [18] البتہ آپ کی نظر میں لازم ہے کہ انسان جسمانی عالم کو اپنا دائمی ٹھکانہ نہ سمجھے اور عالمِ آخرت اور عالمِ روحانیت کو یکسر فراموش نہ کرے جیسا کہ دیوان میں فرماتے ہیں:

منزلِ تو عالم است روشن و باقی : نیست ترا عالمِ فرودین مسکن

(ترجمہ): تیرا اصل مقام عالمِ روحانی ہے جو روشن اور غیر فانی ہے، یہ جسمانی عالم تیرا حقیقی اور دائمی مقام نہیں ہے۔

شمع خرد بر فروز در دل و بشتاب
با دلِ روشن بسوی عالمِ روشن

(ترجمہ) دل میں عقل کی شمع روشن کر اور روشن دل کے ساتھ اس روشن عالم کی طرف جانے کی کوشش کرو۔

در رہ عقبیٰ بہ پای رفت نشاید
بلکہ بجان و بعقل باید رفتن

(ترجمہ): آخرت کا راستہ پاؤں سے طے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ

راستہ عقل اور روح کے ذریعے طے ہو سکتا ہے۔

توشۂ تو علم و طاعت است درین راہ
سفرۂ دِل را بدین دو توشہ بیاگن

(ترجمہ): اس راستے میں تیرا زادِ راہ علم اور بندگی ہے لہٰذا اپنے دل کے دسترخوان کو اس زادِ راہ سے آباد کرو۔

بارِ گران بہ نزدِ من توبہ و طاعت
بارِ بیفگن اَمَل دراز مینفگن[19]

(ترجمہ): میری نظر میں توبہ اور بندگی کا بوجھ تم پر گراں گزرتا ہے اس بوجھ کو ہلکا کرو، لمبی لمبی امیدیں مت باندھو۔

جب ہم مختلف علوم میں آپ کی دسترسی کو دیکھتے ہیں جن سے اسماعیلی دعوت کی نشر و اشاعت میں آپ نے کام لیا ہے تو مولانا حاضر امامؑ کا وہ خطبہ یاد آتا ہے جو آپ نے سندھ یونیورسٹی میں ۶ ر فروری ۱۹۷۰ء کو جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر دیا تھا۔ مولانا حاضر امامؑ نے دعوتِ اسلام کی ذمہ داری اٹھانے والے افراد کے لئے ایک لازمی شرط کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔ "اب میں اسلامی معاشرے کے ایک اور پہلو کی طرف رجوع کرتا ہوں، ہمارے دانشور زعماء، ماضی میں مسلم معاشرے کا بیشتر اثر آفرین عنصر مذہبی رہنماؤں یعنی اماموں پیروں اور ملاؤں سے جنم لیتا تھا۔ مذہبی رہنماؤں اور امرائے سلطنت کے درمیان یہ تشخص حکمران اور مذہب دونوں کے لئے ایک مسلسل ذریعۂ قوت تھا۔ آج کتنے مُلّا اور امام دُنیوی تعلیم کی یونیورسٹیوں میں داخل ہو کر دُنیوی علوم کی اسناد حاصل کرنے کے مشتاق ہیں اور اس کے برعکس کتنے یونیورسٹی گریجویٹ ہیں جو اپنی اسناد حاصل

کرنے کے بعد مذہبی گروہ یا مذہبی پیروکاروں کی رہنمائی کی طرف توجہ کرتے ہیں"۔[20]

ایک عالم دین کے جن اوصاف کا ذکر مولانا حاضر امامؑ کی اس تقریر میں ہے ناصر خسرو اُن اوصاف اور کمالات کے مجسم تھے۔ ایک طرف تو آپ دُنیوی علوم میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے تو دوسری طرف علومِ دین کے زیور سے آراستہ تھے جس کی بدولت آپ نے اسماعیلی دعوت کی تاریخ میں اپنا بے مثال کردار ادا کیا اور قرنِ پنجم ہجری سے آج تک اسماعیلی دعوت آپ کے افکار اور تعلیمات کے زیر اثر رہی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ماضی قریب تک وسطی ایشیا کے اسماعیلی داعیوں اور مبلغوں نے آپ ہی کے نام سے امامِ زمانہ کی طرف دعوت کی ہے۔ یہاں تک کہ بعض داعیوں نے دعوت کی کئی کتابیں لکھ کر آپ کے نام سے منسوب کیں۔ آج وسطی ایشیاء کی اسماعیلی جماعت کے مذہبی ادب میں بیسیوں منقبت، قصیدے اور کئی رسالے پائے جاتے ہیں جو اگرچہ حکیم ناصر خسرو کے قلم سے نہیں مگر دوسروں نے لکھ کر آپ کے نام سے منسوب کئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خطۂ زمین کے اسماعیلیوں نے آپ کے نام کو مقبولیت کے لئے ایک سند سمجھا ہے اور ہر اس بات کو دل و جان سے قبول کیا ہے جو حکیم موصوف کے نام سے منسوب ہو۔

ناصر خسروؒ کے افکار کے اس خطۂ زمین پر اس قدر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں کہ بعض اثنا عشری علماء نے بھی اس علاقے میں آپ ہی کے نام کو استعمال کر کے درپردہ اثنا عشری مذہب کی تبلیغ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ اس میں انہیں

کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے اس کا ثبوت ہمارے چراغنامہ کے وہ متعدد نسخے ہیں جن میں نہایت زیرکی سے دست اندازی کی گئی ہے۔ ان نسخوں میں ایک طرف تو اس رسم کو سیّدنا پیر ناصر خسروؒ سے منسوب کرنے کی روایت کو برقرار رکھا گیا ہے اور دوسری طرف بڑی ہوشیاری سے اس میں دوازدہ اماموں کے نام اور غیبتِ امام کا تصوّر شامل کیا گیا ہے اور اسے ناصر خسروؒ سے منسوب کیا ہے۔ یہاں تک کہ چراغ نامہ کی بعض داخلی شہادتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود شمس سبزواری نے بھی بعض علاقوں میں ناصر خسرو کے نام سے دعوت کی ہے (اگرچہ اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے) مثلاً چراغنامہ میں ہمیں ایک نظم کے آخر میں یہ شعر ملتا ہے:

ای شمس اگر خواہی عیان دیدار آن شاہِ جہان
گہ آشکارو گہ نہان در دعوتِ ناصر بیا [21]

(ترجمہ): "اے شمس اگر تجھے شاہِ جہان یعنی امامِ زمانہ کے دیدار کی تمنا ہے تو کبھی اعلانیہ طور پر اور کبھی چھپ چھپا کر بھی ناصر خسرو کی دعوت میں شامل ہو جا۔"

یہ سب کچھ اسی علاقے پر پیر موصوف کے ناقابلِ چیلنج اثر و رسوخ کا نتیجہ ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسماعیلی دعوت کی تاریخ میں بعض ایسی ہستیوں کے نام ملتے ہیں جن کی اطاعت اسماعیلی جماعت نے بالکل اسی طرح کی ہے جس طرح ائمہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور مُریدوں کے دلوں میں ان کے لئے بے انتہا احترام پایا جاتا ہے۔ ان میں سیّدنا پیر ناصر خسرو، پیر شمس اور پیر صدر دین جیسے لوگ ہیں اور اسماعیلی دعوت کی تاریخ میں ان کو جو مقام حاصل

ہوا ہے وہ بے مثال ہے۔ لاکھوں اسماعیلی ان کی بدولت خاندان نبوّت و امامت کے حلقہ بگوش ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اقوال و تعلیمات کو بڑی عقیدت سے قبول کئے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ اس روحانی مقام و منزلت کی بدولت ہے جو امامِ زمانہ کی طرف سے ان بزرگوں کو ان کی بے لوث خدمت اور غیر مشروط اطاعت کی بدولت ملی تھی۔

سیّدنا پیر ناصر خسرو نے اپنی علمی اور ادبی کاوشوں کے علاوہ وسطی ایشیاء میں اسماعیلی دعوت پر ایسے اثرات چھوڑے ہیں کہ ایک ہزار برس تک ان علاقوں میں ان کے نام سے اسماعیلی دعوت کا چراغ جلتا رہا ہے اور اس علاقے کی جماعتوں نے ماضی قریب تک امامِ زمانہ کے ساتھ کسی ظاہری رابطے کے بغیر اپنے مقدس عقیدے کا تحفظ کیا ہے۔

اس مقالے کے آغاز میں میں نے عرض کی تھی کہ سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ کی شخصیت انتہائی قدآور اور کثیر الجہت ہے۔ چنانچہ اگر ہم اسماعیلی دعوت میں آپ کے مقام اور کردار سے قطعِ نظر بھی کر لیں تو بھی علمی اور ادبی اعتبار سے آپ کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ بمشکل کوئی عالم، مفکّر، شاعر یا مصنّف اس مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ آپ کے اس مرتبے کو روسی مستشرق برتلس اپنے ایک مقالے میں آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کرنے کے بعد ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔" اب یہ بات واضح ہے ۔۔۔۔ کہ صوفیوں نے بھی، اثنا عشری شیعہ نے بھی، اسماعیلیوں نے بھی اور دوسرے مذاہب اور اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے بھی، بدخشان میں بھی اور دوسرے ممالک

میں بھی، عرصہ نوسو سال سے، ناصر خسرو کو، آپ کی کتابوں کو، آپ کے افکار کو، آپ کی ہمّت کو، آپ کی انسان دوستی کو، اور لوگوں کی خیر خواہی کی خاطر آپ کی پیش قدمی کو قابلِ احترام اور لائقِ عزت سمجھا ہے اور ہر ایک نے اس بزرگ حکیم کی اپنی عقل کے مطابق تعریف و توصیف کی ہے۔ تقریباً گذشتہ ایک سو سال سے یورپی علماء کا آپ کے بارے میں احترام اور توجہ بھی بلاوجہ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں ناصر خسرو کی یونیورسل یعنی عالمگیر اہمیت کو ثابت کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱ دیوانِ اشعار، ص، ۲۸۸، ۲۸۹ (تصحیح سیّد نصر اللہ تقوی)
۲ دیوان اشعار، ص ۳۹، ۴۰ (تحقیق مہدی محقق، و مجتبیٰ مینوی)
۳ سفرنامہ، ترجمہ- عبدالرزّاق کانپوری، ص ۱۷
۴ سفرنامہ، ص ۷، ۱۷ (تحقیق دبیر سیاقی)
۵ دیوان اشعار، ص ۴۰۰، ۴۰۱ (تحقیق مہدی محقق، و مجتبیٰ مینوی)
۶ ایضاً، ص ۴۰۱
۷ آ- ی- برتلس، ناصر خسرو و اسماعیلیان، ص ۱۷۶، نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر پروین پیروانی کا غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی- ایچ- ڈی، ص ۵۰- ۵۱
۸ سفرنامہ، ص ۲ (تحقیق دبیر سیاقی)

۹ اقبال، شیخ محمد، تاریخ ائمہ، اسماعیلیہ (ج ۲) ص ۲۷
۱۰ دیوانِ اشعار، ص ۱۳۸، ۱۳۹ (تحقیق مجتبیٰ مینوی، مہدی محقق)
۱۱ جلال حسینی یادنامہ ناصر خسرو ص
۱۲ ناصر خسرو و اسماعیلیان، ص ۱۹۲
۱۳ ایضاً ص ۲۱۱
۱۴ دیوانِ اشعار، ص ۴۷۱ (تحقیق مہدی محقق و مجتبیٰ مینوی)
۱۵ یادنامہ ناصر خسرو ص ۶۲۳
۱۶ صفا، ڈاکٹر ذبیح اللہ، تاریخ ادبیات در ایران، ص ۵۵
۱۷ جامع الحکمتین ص ۱۴۱، ۱۴۴
۱۸ گشائش و رہائش ص ۵۵
۱۹ دیوان اشعار، ص ۱۶۹ (تحقیق مہدی محقق و مجتبیٰ مینوی)
۲۰ مولانا حاضر امام خطبہ جلسہ تقسیم اسناد، سندھ یونیورسٹی ۶ فروری ۱۹۷۰ء
۲۱ (مرتب) حاجی قدرت اللہ بیگ، دعوتِ ناصری
۲۲ یادنامۂ ناصر خسرو ص ۱۱۵، ۱۱۶

سیّدنا پیر ناصر خسرو ق س کی نظر میں تصوّرِ امامت

(الواعظ سیّد موسیٰ الہاشمی)

تصوّرِ امامت کو اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی مکاتبِ فکر میں عقیدۂ امامت ایک مشترکہ مسئلہ رہا ہے۔ خواہ اس کے انعقاد میں اُمّت کی صوابدید کا عمل دخل ہو یا اربابِ حل وعقد کا فیصلہ یا یہ اللہ تعالیٰ کے امر و تائید اور نصِ رسول صلعم سے قائم ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت و وصال کے بعد مسلمانوں میں وہ ہم آہنگی نہ رہی جو آپ کی زندگی میں مسلم اُمّت کے درمیان تھی۔

امامت کا تصوّر اپنی افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے ایک دائمی حقیقت ہے جس کی وجہ سے ہمارے کئی داعیوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان داعیوں میں حجّت خراسان سیّدنا حکیم ناصر خسرو ق س کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ ہر بات کو عقلی دلیل سے ثابت کرنا سیّدنا کا طُرّۂ امتیاز تھا۔ کسی چیز کے اخذ و قبول میں آپ تقلید کے قائل نہیں تھے۔ ہمیشہ تحقیق و تدقیق سے کام لینا آپ کی فطرت کا خاصا تھا۔ جبکہ اکثر لوگ معقولات اور منقولات کو باہم متضاد خیال کرتے ہیں۔ مگر آپ جہاں قرآن اور حدیث سے کسی بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں وہاں ہر بات کو عقلی استدلال سے بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

گفتم کہ نماز از چہ بر اطفال و مجانین : واجب نشود تا نشود عقل مجیر[۱]

(ترجمہ): میں نے کہا۔ کہ اگر دین میں عقل و خرد ناگزیر نہیں ہے تو پاگلوں اور بچوں پر نماز کیوں واجب نہیں۔

چونکہ اسلام میں بچّے اور پاگل احکام اور عباداتِ الٰہی کے مکلّف نہیں اور نہ ہی قابلِ مُوَاخذہ ہیں کیونکہ بچّے عقلی لحاظ سے نابالغ ہوتے ہیں جبکہ پاگل فاترالعقل ہوتا ہے اور احکامِ الٰہی کی پابندی سے معاف متصوّر کئے جاتے ہیں۔ اس استدلال سے حکیم موصوف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر دین میں عقل کا عمل دخل نہ ہوتا تو پاگل اور بچّے احکامِ الٰہی کی پابندی سے مستثنیٰ قرار نہ دیئے جاتے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا جود و احسان ہے کہ اس نے عقلِ جزوی سے انسان کو نوازا۔ اور اُسی کی بدولت اُسے دوسری مخلوقات پر برتری اور فضیلت حاصل ہوئی۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (۱۷/۷۰)۔[۲]

(ترجمہ): "اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو بزرگی بخشی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور تری میں (سواریوں) پر اٹھایا۔ اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے بہتوں پر ہم نے انہیں بڑی فضیلت بخشی"۔

سیّدنا پیر ناصر خسرو ق س فرماتے ہیں کہ عالمِ انسانیت اس عقلِ عطائی سے دینِ الٰہی کا متحمّل ہوا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

عقل عطائیست ترا از خدائی : بر تنِ تو واجب دین زین عطائیست[۳]

(ترجمہ): کہ اے انسان! خدا کی جانب سے تمہیں عقل عطا ہوئی ہے۔ جس کی بدولت تم دین کے متحمّل ہو گئے ہو۔

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں:

راست آنست رہِ دین کہ پسند خرد است

کہ خرد اہلِ زمین را ز خداوند عطا ست

(ترجمہ): دین کی راہ میں سچ تو وہ ہے جو عقل و خرد کے معیار پر پُورا اُترے۔ کیونکہ اہلِ زمین (انسانوں) کے لئے عقل اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی تصانیف تصوّرِ امامت کے اثبات میں عقلی اور قرآنی دلائل سے بھری پڑی ہیں۔ آپ نے خود جن حقائق و معارف کی روشنی میں اپنی دینی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ اس میں آپ کا مقصود ماسوائے امامِ زمانؑ کی معرفت کے اور کچھ نہ تھا۔

آپ نے اپنے تصوّرات کو اپنے دیوان کے ایک طویل قصیدے میں ظاہر کیا ہے، اور آج بھی یہ قصیدہ راہِ حق کے شیدائیوں کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتا ہے۔ اس کے منتخب اشعار کے حوالے سے میں یہاں آپ کے تصوّرِ امامت کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

جب میری عمر کی بیالیس منزلیں طے ہو گئیں تو مذاہب و حقائق کا شوق پیدا ہوا۔ مثلاً آسمان کیا ہے، گردشِ ایام اور موالیدِ ثلاثہ کسے کہتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی حقیقت میں نے علماء سے دریافت کی اور خود بھی مطالعہ کرتا رہا تو اس نتیجے پر پہنچا،

چون یافتم از ہر کس بہتر تنِ خود را : گفتم ز ہمہ خلق کسی باید بہتر

(ترجمہ): جب میں نے اپنے جسم کو سب (مخلوقات) سے بہتر پایا۔ تو دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تمام مخلوقات میں سے ایک

ایسی ذات کا ہونا لازمی ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہو۔

چون باز ز مرغان و چو اشتر ز بہائم

چون نخل ز اشجار و چو یاقوت ز جوہر

چون فرقان از کتب و چو کعبہ ز بنا ہا

چون دل ز تنِ مردم و خورشید ز اختر

(ترجمہ): طیور میں باز، چوپایوں میں اونٹ، درختوں میں کھجور، جواہرات میں یاقوت، مذہبی کتب میں قرآن، عمارات میں کعبہ، اعضائے انسان میں دل اور سیاروں میں آفتاب کو فضیلت حاصل ہے۔

پیر موصوف فرماتے ہیں کہ جب یہ خیال میرے دل میں راسخ ہوا، تو فلسفیوں سے تحقیقات شروع کی، اور مذہب شافعی، مالکی، حنفی کا بھی بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ میں نے سوچا کہ حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلعم نے ایک درخت کے نیچے اپنے صحابہ سے جو بیعت لی تھی جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث ہوئی اور اس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ٥ (۴۸/۱۸)

(ترجمہ): "یقیناً اللہ تعالیٰ کامل صفت مومنوں سے راضی ہو گیا جس وقت کہ انھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔"

اس لئے یہ بیعت، بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سیدنا پیر ناصر خسروؒ نے اس بیعت کو بنیاد بنا کر امامت کی ضرورت و اہمیت کو اِن اشعار میں بیان فرمایا ہے۔

یک روز بخواندم ز قرآن آیت بیعت

کایزد بہ قرآن گفت کہ بُد دست من از بر

آن قوم کہ در زیرِ شجر بیعت کردند
چون جعفر و مقداد و چو سلمان و چو بوذر
گفتم کہ کنون آن شجر و دست چگونہ است
آن دست کجا جویم و آن بیعت و محضر
گفتند در آن جا نہ شجر ماند و نہ آن دست
کان دست پراگندہ شد آن جمع مبتر ۵

(ترجمہ): میں نے ایک دن قرآن میں آیہ بیعت پڑھی جس میں خداوند تعالیٰ نے پیغمبر کی شان میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی، انہوں نے خدا کی بیعت کی۔ یعنی وہ قوم جس نے درخت کے نیچے بیعت کی مثلاً جعفر، مقداد سلمان اور ابوذر جیسے صحابہ تھے، میں تحقیق کرتا رہا کہ اس درخت اور ہاتھ کا کیا بنا ہے۔ اس ہاتھ اور جائے بیعت کو میں کہاں ڈھونڈوں۔

پیر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے میں نے دریافت کیا۔ انہوں نے جواباً کہا کہ وہ ہاتھ بھی بکھر گیا اور وہ لوگ بھی منتشر ہو گئے۔ آپ اپنی دقیق نظری سے اس پر استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

گفتم بہ قرآن در پیدا است کہ احمدؐ
بشیر و نذیر است و سراج است و منوّر ۹

(ترجمہ): میں نے کہا کہ قرآن میں تو یہ صاف ظاہر ہے کہ احمد مجتبیٰ صلعم خدائے برتر کی طرف سے اپنی امت کے لئے بشیر و نذیر اور راہِ حق کے لئے روشن چراغ کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔

پیر فرماتے ہیں کہ اگر خدا کا یہ وعدہ ہے۔ تو پھر آج یہ نور کیوں نہیں۔ اس کا وجود دنیا میں ضرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خدا کا حکم اور کلام ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔
اسی موضوع بیعت کو زیرِ بحث لاتے ہوئے مزید فرماتے ہیں۔

ما دست کہ گیرم کجا بیعت یزدان
تا ہمچو مقدم نبود داد مؤخّر
ما جرم چہ کردیم سزا دیم بدان وقت
محروم چرائیم ز پیغمبر و مضطر ۱۱

(ترجمہ): اب ہم پیغمبر کی جگہ کس کی بیعت کریں جو خدا کے ہاتھ پر بیعت کا مرتبہ رکھے۔ تاکہ عدلِ الٰہی کے موافق اگلوں اور پچھلوں میں کوئی فرق نہ رہے۔ پھر بھی وہ ہاتھ نہیں ملا۔ تو ہم نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے جس کی بناء پر ہم اس وقت پیدا نہ ہوئے اور اب پیغمبر سے محروم ہو کر حیران و پریشان ہیں۔
جس طرح آنحضرتؐ کے زمانے کی اُمت اور ان کے صحابہ نے آپؐ کے دستِ اطہر پر بیعت کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی اور ان لوگوں کو وہ ہاتھ ملا جن کو خدا نے اپنا ہاتھ قرار دیا تھا۔ یہ عدلِ الٰہی کے منافی ہے کہ آپؐ کے زمانے کے لوگ اس سعادت سے باریاب ہوں اور پچھلی اُمت اس سے محروم رہے۔ بلکہ یہ سعادت اب بھی جاری ہے اور آج بھی اس جیسا ہاتھ ہونا چاہیئے جس پر بیعت کرنے سے پوری اُمت ایک ہی زمرے میں داخل ہو جائے تاکہ اگلوں اور پچھلوں میں کوئی امتیاز نہ رہے۔
یہ ایسے مبنی بر حقیقت احساسات اور تصوّرات تھے جن

کی بناء پر آپ اپنی باوقار شاہی ملازمت سے دستکش ہو گئے، گھر بار کو خدا حافظ کہا۔ اپنا سکھ اور چین کھو چکے۔ ان سوالات کی بناء پر روحانی طور پر آپ مریض ہو گئے۔ جس کا علاج لازمی تھا۔ اس لئے رختِ سفر باندھا۔ کشاں کشاں سُوئے درمان بڑھتے رہے۔ آخرکار آپ کی زندگی کا وہ باسعادت دن بھی آیا۔ جس کی آپ کو تمنا اور آرزو تھی۔ وہ منظر جو کبھی مقدادؓ، جعفرؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ کے حصّے میں آیا تھا۔ اس میں آپ بھی برابر کے شریک ہوئے۔ جس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

دستم بکفِ دستِ نبی داد به بیعت
زیرِ شجرِ عالی و پُر سایه و خرم ۱۱

یعنی انہوں (المؤید) نے میرے ہاتھ کو امامِ زمانؑ کے دستِ مبارک تک پہنچا کر بیعت کرائی۔ جو ایک بلند، سایہ دار اور پھل دار درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ اس کے بعد جو حقائق آپ پر منکشف ہوئے۔ اور روحانی عالم کے ساتویں آسمان کی جو سیر کی۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بر جانِ من چو نورِ امامِ زمان بتافت
لیل السّرار بودم و شمس الضحیٰ شدم
نامِ بزرگ امامِ زمان است ازیں قبل
من از زمین چو زہرہ بدو بر سما شدم ۱۲

یعنی جب میری جان پر امامِ زمان (کے فیضانِ باطن) کا نور چمکا تو نتیجتاً میں روشن سورج بن گیا جبکہ اس سے قبل میری حیثیت شبِ تاریک کی تھی۔ امامِ زمان ہی خدا کا اسمِ اعظم ہے۔ میں اسمِ اعظم کے ذریعے زہرہ (خاتون) کی طرح زمین کی

پستی سے آسمان کی بلندی پر پہنچا۔

ایسے امام کی طرف رجوع اور اتباع کے لئے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سُوئی آن باید رفتنت که از امرِ خدائی
بر خزینهٔ خرد و علمِ خداوند در است ۱۳

(ترجمہ): تجھے اس (امامؑ) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جو کہ خدائے احکم الحاکمین کے حکم سے عقل و علمِ الٰہی کے خزانے کا دروازہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کی رشد و ہدایت کے لئے جو قانون وضع کیا ہے۔ اس قانون کے ماتحت (وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵:۲۴) اور کوئی اُمّت ایسی نہیں مگر یہ کہ اس میں کوئی ڈرانے والا ہو گزرا ہو۔) کے مصداق نبوّت و ولایت کو لازم کیا۔ اور ہر دور میں ان کو مبعوث فرما کر اس عمل کو جاری رکھا۔ اس قانون کی اتباع کرتے ہوئے آنحضرت صلعم نے حضرت مولا علیؑ سے یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ فرما کر اپنی نبوّت کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور علیؑ اور ان کی ذریت کے ذریعے سلسلۂ ہدایت کو جاری رکھا۔ ان حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیّد ناصر خسروؒ فرماتے ہیں:

جُز او دانی کرا هارون اُمّت
چو باشد مصطفیٰ فرزندِ عمران
اگر هارون ز موسیٰ ترجمان بود
که حجّت گفت بر فرعون و هامان
علی را ترجمان وحی پندار
هم آن معنی هم این معنی در و دان ۱۴

(ترجمہ): علیؑ کے سوا تم کس کو اُمّت (محمدیہ) کا ہارون قرار دیتے ہو۔ جبکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی اُمّت کے موسیٰ ہیں۔

اگر ہارون اپنے وقت میں حضرت موسیٰؑ کا ترجمان تھا۔ جو دینِ موسوی کی حقانیت و ایمان پر حجّت قائم کرتا تھا۔

پس علیؑ کو بھی وحیِ الٰہی کا ترجمان مانو۔ جو ہم رنگی ہم آہنگی موسیٰؑ اور ہارونؑ میں پائی جاتی تھی وہی محمدؐ اور علیؑ میں تصور کرو۔

نیز حجّت خراسان سیّدنا پیر ناصر خسروؒ اپنی کتاب "وجہ دین" میں تصوّرِ امامت کے ثبوت میں دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"انسان کی فضیلت اس کی عقل کی وجہ سے ہے۔ اِس عقل کی دائمی علمی پرورش کے لئے ایک عالم و مربّی کا ہونا ایسا ہی لابُدی اور ضروری ہے۔ جس طرح حیوانات کو کھانے پینے والی روح کی بخشش سے ان کی پرورش کے لئے رہتی دنیا تک آسمان، ستاروں اور عناصر اربعہ کو گھاس پات اور نباتات اُگانے پر مامور کیا گیا، تاکہ حیوانات کی جسمانی نشو و نما برقرار رہے۔ اور ان کی حاجت روائی ہو سکے۔

جس طرح تمام حیوانات کو چھوڑ کر صرف انسان ہی کے لئے عقل کو لازم کیا گیا۔ اُسی طرح تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف ایک (واحد) شخص کو وہ علمِ الٰہی عطا ہو جو اُن عقول کی علمی پرورش کر سکے اور وہ علم عطائی ہو نہ کہ اکتسابی۔ اکتسابی ہونے کی صورت میں ہر فردِ بشر اپنی کوشش سے اس تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر اور ہادی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اِس لئے ایک خاص الخاص ہستی اس کے لئے مخصوص ہو۔

چونکہ تمام اجناس میں سے حیوان ایک جنس ہے اور انسان اِس

جنس کے تحت ایک نوع ہے۔ جو جنس کی ایک چھوٹی قسم ہے۔ اور ایک شخص اس نوع کی ایک چھوٹی قسم ہے۔ جب حیوان کو جنس میں سے اس کی چھوٹی قسم (نوعِ انسان) عقل کے لئے مخصوص ہوئی۔ تو لازم آتا ہے کہ انسان کی نوع میں سے اسکی چھوٹی قسم (ایک شخص) ان مطاق عقول کی علمی پرورش کے لئے مخصوص ہو تاکہ یہ ترتیب از روئے دلیل درست ہو۔ اور جو شخص ان عقول کی علمی پرورش کے لئے مِن عند اللہ ہوا وہ پیغمبر ہے۔ جب تمام حیوانات میں سے انسان کی نوع عقل کے لئے مخصوص ہونے پر تعجب نہیں تو ایک شخص پیغمبری کے لئے مخصوص ہونے میں کیا تعجب ہے"۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۝ سورت ۷ آیت ۶۳

(ترجمہ): "کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو، کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم میں سے ایک شخص کے توسط سے کوئی یاد دہانی آگئی۔ تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے"۔

پیر فرماتے ہیں۔ پس وہ شخص اپنے دور میں پیغمبر اور ہر زمانے میں اُن کے وصی اور امام ہیں۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے نوعِ انسانی اس (امام) سے خالی نہیں۔

حوالہ جات

۱- حکیم ناصر خسرو قبادیانی دیوانِ اشعار تصحیح شدہ مرحوم تقی زادہ صہ ۲۴۲
۲- تفسیر المتقین انصاف پبلشنگ کمیٹی لمیٹڈ لاہور۔
۳- حکیم ناصر خسرو قبادیانی دیوانِ اشعار تصحیح شدہ مرحوم تقی زادہ صہ ۹
۴- " " " " " " " " " " " صہ ۱۸
۵- ناصر خسرو دیوانِ اشعار تصحیح شدہ مرحوم تقی زادہ صہ ۲۴۰
۶- " " " " " " " " " " " " " "
۷- القرآن المبین تفسیر المتقین انصاف پبلشنگ - لاہور
۸- ناصر خسرو قبادیانی دیوانِ اشعار تصحیح شدہ مرحوم تقی زادہ صہ ۲۴۰
۹- " " " " صہ ۲۴۱
۱۰- " " " " "
۱۱- " " " " صہ ۲۴۶
۱۲- " " " " صہ ۳۵۸
۱۳- فدا علی ایثار جواہرِ حکمت شائع کردہ ایچ آر ایچ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان صہ ۶۵
۱۴- فدا علی ایثار کلام پیر ناصر خسروؒ صہ ۱۸

پیر ناصر خسروؒ کی اخلاقی تعلیمات پر ایک نظر

تحریر: ممیر بانُفش خان

دینِ اسلام ایک آفاقی نظام ہونے کی حیثیت سے زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور ایک ایسا منفرد اخلاقی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے کہ اس کے دائرے میں رہتے ہوئے انسان رضائے الٰہی کے عین مطابق ایک کامیاب اور بامقصد زندگی گزار سکتا ہے۔ یہ اخلاقی ڈھانچہ ہی ہے۔ جو اس کو اپنے مقصدِ حیات کے حصول کی طرف راہِ مستقیم پر لگا دیتا ہے اور اس راستے پر چل کر ہی وہ اپنی دنیاوی زندگی جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انمول تحفہ اور ابدی زندگی کے لئے ایک کھیتی ہے میں عملی، فکری اور روحانی مدارج طے کرتے ہوئے زندگی کے بامِ عروج تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن مجید اسلامی اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اور سیرتِ رسولؐ جملہ مکارمِ اخلاق اور صفاتِ حمیدہ کی مظہر ہے۔ حضرت محمدؐ کی سیرت کو قرآنِ حکیم میں اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم کی حسین و جمیل صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ آپؐ اخلاق کے عظیم مرتبے پر ہیں اس لئے آپ کی سیرت فکر و عمل کے لئے خوبصورت نمونہ ہے۔

آنحضرتؐ نے جس معاشرے میں جنم لیا اس میں شرک و بت پرستی کے علاوہ کئی سماجی اور اخلاقی برائیاں تھیں اور ایک عام انسان کو راہِ راست سے ہٹانے کے لئے ان میں کافی جاذبیت موجود تھی۔ ایسے معاشرے میں آپؐ نے ایک ایسی زندگی گزاری

کہ دشمن کو کبھی آپ کی پاکیزہ زندگی پر انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکا۔ قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ آپؐ نے جس معاشرے میں جنم لیا اور پرورش پائی اور اس معاشرے کی برائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپؐ خُلقِ عظیم کے عظیم مرتبے پر سرفراز ہوئے یہ کوئی اتفاقی امر نہیں ہو سکتا بلکہ منشائے الٰہی کا تقاضا ہی یہی تھا کہ آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا جائے۔

قانونِ الٰہی جس میں تبدیلی نہیں ہوتی کے مطابق ہر زمانے میں بنی نوعِ انسان کی رشد و ہدایت اخلاقی تہذیب و تحسین اور دنیاوی معاملات میں رہنمائی کے لئے انسانِ کامل کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ انسانِ کامل ہی ہے جس میں دوسرے انسانوں کے لئے حسین نمونہ موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مثالی انسان انبیاء اور آئمہ علیہم السّلام ہوتے ہیں۔

حضرت محمدؐ خاتم النّبیین ہیں۔ اور تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ اور آپؐ کی ذات اسلامی تعلیمات کا ایک بہترین عملی نمونہ تھی اس لئے لوگوں کے لئے اس کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ آپ کے منصبِ نبوّت و رسالت کا تقاضا انسان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینا، اس کا تزکیہ کرنا اور اخلاق کی تکمیل کرنا ہے۔ جس کی ضرورت پہلے کی طرح آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ کائنات میں ہر چیز تغیّر پذیر ہے۔ انسان اپنی ذات میں خود کائنات ہے اس لئے وہ بھی تغیّر پذیر ہے۔ نشو و ارتقاء کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے اور اس عمل میں انسان میں ذہنی اور معاشرتی تبدیلی کے ساتھ اس کے اخلاقی اور معاشرتی اقدار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی اخلاقی تعلیمات کو فعّال اور

حرکی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کا عملی اظہار زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور اقدار کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ اور اس کو عملی اور حرکی بنانے اور زمان و مکان کے مطابق اُن کی تشریح کے لئے امامِ زمانؑ کی ضرورت رہتی ہے۔ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی اخلاقی تعلیمات کا جائزہ اس پسِ منظر میں لیا جا سکتا ہے۔

پیر ناصر خسروؒ اپنے وقت کے ایک عظیم دانشور ہیں۔ آپ کا علمی کمال یہ ہے کہ آپ نہ صرف اپنے وقت کے مروّجہ علوم پر دسترس رکھتے ہیں بلکہ آپ کو کئی زبانوں پر بھی عبور حاصل رہا ہے۔ آپ کا بیدار ذہن علمی جستجو میں ہمیشہ مصروف رہتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

ز ہر نوعی پسندیدم ز دانش
نشستم بر درِ او من مجاور
نماند از ہیچ دانش کہ من ازان
نہ کردم استفادت بیش و کمتر

ترجمہ:- جس قسم کے علم کے بارے میں کبھی میں نے سنا تو جا کے میں اس علم کے در کا مجاور بنا۔ مجھ سے کوئی ایسا علم باقی نہیں رہا جس سے میں نے کم و بیش فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔ ان اشعار کے مصداق سیّدنا نے کئی اصنافِ علوم پر قلم اُٹھایا ہے۔ جن میں سے اخلاقیات بھی ایک اہم موضوع ہے۔

سیّدنا کی اخلاقی تعلیمات صرف آپ کی تصانیف تک محدود نہیں رہی ہیں بلکہ وسطی ایشیاء کے بے شمار اسماعیلیوں میں سینکڑوں برسوں سے ایک عملی اور فعّال روایت کی حیثیت سے جاری ہیں۔ اس کا اندازہ ان علاقوں میں مروّجہ اسماعیلی

روایات اور پیر کی شخصیت کے حوالے سے ان گنت اخلاقی کہانیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس مقالے میں ہماری کوشش یہ ہوگی کہ پیر کے علمی ورثے سے چند مثالیں لے کر شرکائے سیمینار کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائیں کہ آپ کے دریائے علمی میں ایسے بے شمار موتی موجود ہیں جن سے جماعت اور بالخصوص نئی نسل کی مذہبی، علمی اور اخلاقی شخصیت مزیّن ہوسکتی ہے۔ یہاں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ یہ کام کسی ایک فرد یا ادارے کی ذمّہ داری نہیں ہے بلکہ ہم سب کو انفرادی و اجتماعی طور پر اپنی تخیلی اور تخلیقی قوتوں کو بروئے کار لاکر پیر کی علمی اور عقلی روایت کو زندہ کرنے اور اس میں موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئی روح ڈالنے کی ذمّہ داری قبول کرلینی چاہیئے۔

اس سے قبل کہ ہم سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی اخلاقی تعلیمات پر بحث کریں یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام میں حق پرستی، حق شناسی اور حق جوئی تین ایسے بنیادی اصول ہیں جن پر اسلامی اخلاقیات کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ان تین رہنما اصولوں کو نظرانداز کرکے انسانی اخلاق کی تشکیل و تعمیر دیرپا ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس کی مثال ایسی ہوگی جیسا کہ کوئی ریت پر عالیشان عمارت بنارہا ہو جو کسی وقت بھی اپنے مکینوں کو لے کر گر سکتی ہے۔ اس کے برعکس یہ تین اصول ایک ایسی مثلث کی طرح ہیں جس سے انسانی زندگی کے قالین کو کئی خوبصورت ڈیزائنوں سے سجایا جاسکتا ہے اور انہی اصولوں کو اپنانے سے ہی یہ عبوری زندگی انسان کے لئے تختِ سلیمان بن سکتی ہے جس پر بیٹھ کر وہ آفاق والنفس

کی سیر کر سکتا ہے۔ سیّدنا کی اخلاقی تعلیمات کا تعارف ہم اس تصوّراتی نقشے کی مدد سے کرنے کی کوشش کریں گے۔

حق پرستی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر امرِ الٰہی کے سُپرد کرے۔ لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے۔ جب تک انسان میں یہ بیداری نہیں آجاتی کہ دنیاوی زندگی عارضی ہے اور یہ ابدی زندگی کے سفر میں محض ایک گذرگاہ ہے۔ جہاں سے وہ کسی وقت بھی رخصت ہوسکتا ہے۔ پیر فرماتے ہیں:

دمی از حق مشو غافل درین راہ
چو می دانی کہ آید مرگ ناگاہ

ترجمہ:۔ اس راہ (دنیاوی زندگی) میں ایک لمحے کے لئے بھی حق سے غافل نہ ہوجانا۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ موت اچانک آتی ہے۔

اس بیداری کے ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ اپنے جسمانی اور روحانی معاملات میں تائید و نصرت کے لئے صرف حق تعالٰی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ سیّدنا کہتے ہیں:

از و خواہ استعانت در ہمہ کار
کہ چون او کس نباشد مر ترا یار
توکل در ہمہ کاری بر و کن
ز غیر او بگردان روو را و کن

ترجمہ:۔ اپنے تمام معاملات میں اس (حق) سے مدد طلب کر کیونکہ اس کے بغیر کوئی بھی تمہارا حقیقی معاون نہیں ہے۔ ہر کام میں اس پر بھروسہ کرو اور اپنا چہرہ ہر شے سے ہٹا کر صرف اس کی طرف کردو۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کے ان اشعار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حق پرستی کا شعار یہ ہے کہ انسان اپنے اندر نہ صرف یہ بیداری پیدا کرے کہ اس کی دنیاوی زندگی اس کی ابدی زندگی کو بنانے کا ایک نادر موقع ہے بلکہ اس میں ذہنی اور عقلی طور پر وہ وجدان پیدا ہو جس سے یہ سمجھ سکے کہ وہ حق کی طرف سے ہے اور حق کی طرف اس کو لوٹنا ہے اور پھر اپنی عبدیّت کے اس احساس کے ساتھ وہ تسلیم و رضا کا مقام حاصل کر سکے گا۔

دوسرا بنیادی اصول حق شناسی یعنی حق کی پہچان کا اصول ہے۔ حق پرستی حق شناسی کے بغیر اور حق شناسی عقل و دانش اور وجدان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عقل و دانش کی روشنی سے ہی حق پرستی کا راستہ مل سکتا ہے اور یہی صراط المستقیم ہے۔ جو انعام یافتہ لوگوں کا ہے۔ سیّدنا فرماتے ہیں:

غنیمت ہمنشینی با خرد دان : کہ اہل عقل را بگزید یزدان
ترا گر دوستی باید سزاوار : خرد را کار خود کن در ہمہ کار

ترجمہ:- یہ جان لو کہ عقلمند کے ساتھ دوستی غنیمت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عقل ہی کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم لائق دوستی دوست چاہتے ہو تو تم اپنے تمام معاملات میں عقل سے کام لے لو۔

سیّدنا کی تعلیمات میں عقل و دانش خیر محض ہے۔ یہ عقل ہی ہے جو چاہے بچّے کے پاس ہو یا بوڑھے کے، مرد کے پاس ہو یا عورت کے، دوست کے پاس ہو یا دشمن کے، یہ اُس کو تقدّم یا تقدّس بخشتی ہے۔ اس کی عکاسی ان اشعار سے ہوتی ہے:

ترا گر کودکی یار است و عاقل : بہ از پیری بود نادان و جاہل
عدوی عاقلت بہتر بسی زان : کہ باشد مر ترا صد دوست نادان
چو نادان زہد ورزد ہست ظلمت : ز دانا ذلت آید ہست رحمت

ترجمہ:- ایک عمر رسیدہ نادان اور جاہل کی بجائے ایک کم سن دانا سے دوستی بہتر ہے۔ سو نادان دوستوں سے تمہارے لئے ایک دانا دشمن بہتر ہے۔ اگر نادان پرہیزگاری کی تلقین کرے تو وہ بھی ظلمت ہے اور دانا کی طرف سے ذلت آجائے تو وہ بھی رحمت ہے۔

عقل و دانش کا راستہ اختیار کرنے اور دانشمندوں کی ہمنشینی پر سیّدنا جتنا زور دیتے ہیں۔ اُتنا ہی پُرزور الفاظ میں نادان اور جاہلوں کی صحبت سے دُور رہنے اور ان کی حوصلہ افزائی نہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

مکن با اہل جہل ای یار صحبت : کہ زان صحبت رسی ہر دم بمحنت
کہ چون نادان بیابد از تو قوّت : جہانی را در اندازی بمحنت

ترجمہ:- اے میرے عزیز! جاہلوں کی صحبت میں مت بیٹھو کیونکہ اس سے ہر دم مصیبت نازل ہوتی ہے۔ اگر نادان کو تمہاری وجہ سے قوّت ملے گی تو وہ بلا و مصیبت سے اس دنیا کو پاش پاش کر دے گا۔

پیر کی نظر میں دولت مند وہ ہے جو عقل و دانش کا مالک ہو اور عقلی طور پر بے بہرہ ہونا ہی اصل مفلسی اور تنگ دستی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

کسی کو عاقل آمد نیست درویش : کہ درویش آنک بےعقلست و بی کیش

ترجمہ: جس کے پاس عقل و دانش ہو وہ مفلس نہیں ہے بلکہ

مفلس وہ ہے جو عقل و ایمان سے عاری ہو۔

تیسرا اصول جو کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ وہ حق جوئی یعنی تلاشِ حق کا اصول ہے۔ پیر کا کہنا ہے:

ثبات دولت و دین راستی دان
ز کذب این ہر دو را کم کاستی دان

ترجمہ:- دنیا اور دین میں ثبات سچائی ہی کو سمجھ اور جھوٹ سے ان دونوں میں نقصان ہوتا ہے۔

سچائی کے راستے کی نشاندہی پیر یوں کرتے ہیں:

بدان رہی کہ نہ رفتند انبیاء نہ روی
ہر آنچہ تا بہ سقر آن لود بدو مگرو

ترجمہ:- اس راستے پر نہ چلنا جس پر انبیاء علیہم السّلام نہیں چلے۔ ہر وہ راستہ جو تمہیں جہنّم کی طرف لے جاتا ہے اس کو اختیار نہ کرنا۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی تعلیمات میں درود و صلوات کو کلیدی اہمیّت حاصل ہے۔ آپ کی نظر میں محمدؐ اور آپؐ کی آل پر صلوات بھیجنا صرف زبانی ورد کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ صلوات کے ذریعے سے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں محمدؐ اور آپؐ کی عترت یعنی امامِ زمانؑ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

انبیاء اور آئمہ علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے ضروری ہے کہ مومن اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرے جو رسول اللہؐ اور امام زمانؑ کے اوصاف ہیں۔ بالفاظِ دیگر مؤمن اپنی شخصیّت کو حضرت محمدؐ اور آپؐ کی آل کی شخصیت کے رنگ

میں رنگ دے۔ سیّدنا نے ایسی بے شمار صفاتِ حمیدہ کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ پیر فرماتے ہیں:

نکوئی جامۂ تست آن ہمی پوش
ہمیشہ در نکو نامی ہمی کوش
نکوئی گر کنی منت منہ زان
کہ باطل شد ز منت جود و احسان

ترجمہ:- تمہارا جامہ نیکی ہے اس کو ہر وقت پہنے رہنا اور ہمیشہ نیکی میں نام پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا۔ نیکی کر کے اس کا احسان نہیں جتانا کیونکہ ایسا کرنے سے جُود و احسان ضائع ہو جاتا ہے۔

عاجزی و انکساری ایک ایسی صفت ہے جس سے انسان اپنے حقیقی مقام یعنی مقامِ عبدیت کو پہچان سکتا ہے۔ مؤمن کے کردار اور گفتار میں عاجزی و تواضع ہو تو اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ رسول اکرم حضرت محمدؐ کی حدیث "انکساری میرا فخر ہے" سے عاجزی و ملنساری کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیر اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

تواضع مرترا دارد گرامی : ز کبر آید بدی در نیک نامی
مشو خود بین کہ آن باشد ہلاکت : وزان تیرہ بماند جان پاکت

ترجمہ:- تواضع و انکساری سے تمہارا مرتبہ بلند ہوگا جبکہ غرور سے تمہاری نیک نامی بد نامی میں تبدیل ہوگی۔ خود بینی سے گریز کرو کیونکہ اس میں ہلاکت ہے اور اس سے تیری پاک روح آلودہ ہو جاتی ہے۔

حدیثِ نبوی ہے کہ "وَ الصَّبرُ رِدَائی" صبر میرا لباس ہے۔

یہ کتنی پُر حکمت اور خوبصورت تشبیہہ ہے۔ چونکہ لباس زیب تن ہونے کے علاوہ انسان کو گرمی اور سردی کی شدّت سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح صبر بھی ایک ایسا لباس ہے جس سے انسان کی اخلاقی زیبائش ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کو مادّی، ذہنی اور روحانی مسائل اور مصائب کی شدّت سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ پیر فرماتے ہیں:

اگر صبرت بدل دریار گردد : ظفر آخر ترا دلدار گردد

ترجمہ:۔ اگر صبر تیرے دل کا ساتھی بنے تو آخر کار کامیابی و کامرانی تیرے شاملِ حال ہوگی۔

عیب پوشی کی بجائے عیب جوئی ہر زمانے میں انسان کی خصلت رہی ہے۔ اس کو دوسروں کی کمزوریاں بہت جلد نظر آتی ہیں۔ لیکن اپنی کمزوریوں کا اس کو احساس تک نہیں ہوتا۔ موجودہ دور میں یہ رویّہ اپنے عروج کو پہنچے ہوئے نظر آتا ہے۔ پیر نصیحت فرماتے ہیں۔

مکن عیب کسان تا میتوانی — کہ تو ای دوست عیب خود ندانی
مده بر عیب کس نادیده اقرار — وگر بینی بپوشان بهتر ای یار

ترجمہ:۔ جتنا تم سے ہو سکے کسی کی عیب جوئی نہیں کرنا کیونکہ اے میرے عزیز تمہیں اپنے عیب کا پتہ نہیں ہے۔ تم کسی کے عیب دیکھے بغیر اس کی شہادت نہیں دینا اور اگر کسی کے عیب جان کر اس پر پردہ ڈالو گے تو بہتر ہے۔

غصّے پر قابو پانا ایک عظیم انسانی صفت ہے۔ یہ ہر انسان کے بس میں نہیں ہوتا اس کے لئے قوّتِ برداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہی لوگ غصّے پر قابو پالیتے ہیں جو انبیائؑ اور آئمہ

کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ پیر کے الفاظ میں یہ پرہیزگاری کا راستہ ہے:

چو خشم آری مشو چون آتش تیز
کز آتش بخردان راہست پرہیز

ترجمہ:۔ جب تم کو غصّہ آجائے تو آگ بگولا نہ ہو جانا اور عقلمند لوگ اپنے آپ کو آگ سے بچاتے ہیں۔

خواتین، بچّوں اور بڑوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے اس سلسلے میں پیر فرماتے ہیں:

زنان را لطف و خوش خوئیست درکار
چو طفلان را بود شفقت سزاوار
سوی پیران بحرمت گر گرائی
تو در پیری ز پیران برسرائی

ترجمہ:۔ خواتین کو رحمدلی اور خوشخوئی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ بچّے پیار و محبّت کے حقدار ہیں۔ اگر تم بڑوں کے ساتھ عزّت و احترام سے پیش آؤ گے تو تم اپنے آپ کو بڑھاپے میں بزرگوں کی صفِ اوّل میں پاؤ گے۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی اخلاقی تعلیمات سے متعلق اب تک جو بحث ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی اخلاقیات کا مقصدِ اعلیٰ حق پرستی ہے اور حق پرستی کی معراج یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر منشائے الٰہی کے سُپرد کر دے۔ اس کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک انسان کا روحانی و عقلانی ضمیر روشن نہ ہو اور یہ روشنی صرف رشد و ہدایت اور عقل و دانش سے حاصل ہوتی ہے۔ عقل و دانش کا راستہ

وہی ہے جو عقلِ کُل . . . . کے مالک کا راستہ ہے جو اپنے زمانے کا رسول یا امام[۴] ہوتا ہے۔ اور انہی کے نقش قدم پر چل کر ہی انسان اپنی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ حاصل کرسکتا ہے۔ پیر کے اس فکر انگیز شعر کے ساتھ یہ بحث ختم کی جاتی ہے:

گنہ بخشا و عفو اندوز میباش
بخوشخوئی چو روشن روز میباش

ترجمہ:- تو گناہوں کو بخشنے والا اور عفو و درگذر کرنے والا بن جا اور اپنے اچھے اخلاق سے روزِ روشن کی طرح ہوجا۔ ۱۱

حوالہ جات

۱۔ حدیثِ نبوی ہے کہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔
۲۔ القرآن ۳۳ : ۲۱
۳۔ القرآن ۶۸ : ۴
۴۔ القرآن ۲۱ : ۱۰۷
۵۔ القرآن ۳۳ : ۶۲
۶۔ القرآن ۲ : ۱۲۹
۷۔ القرآن ۲۳ : ۶۰
۸۔ القرآن ۳۳ : ۵۶
۹۔ القرآن ۵ : ۶
۱۰۔ کتاب وجہ دین میں صلوات کی تاویل کے باب میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔
۱۱۔ روشنائی نامہ، ضمیمہ دیوان اشعار ص ۵۱۲ - ۵۱۷، تصحیح سید نصر اللہ تقوی۔

فارسی شاعری میں سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا مقام

★ ——— از قلم حضور مکھی عبدالحمید عبدالخالق

فارسی شاعری میں سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا مقام بہت بلند ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فارسی شعراء میں سے بہت کم ان کے مقام تک پہنچے ہیں۔

فارسی شاعری میں ناصر خسروؒ کے مقام کی بلندی کا ثبوت ان آرا سے ملتا ہے جو ایران کے دانشوروں نے ان کے بارے میں پیش کی ہیں۔ مثلاً دیوانِ ناصر خسروؒ قبادیانی میں مرحوم تقی زادہ نے لکھا ہے کہ ایران کے شاعروں میں سے شاید کوئی ناصر خسروؒ جیسا ملے گا کہ جس کے افکار و عقائد اور زندگی کے حالات تجزیہ اور تحلیل کے قابل ہوں اسی دیوان میں لکھا گیا ہے کہ ہمارے راستے کا ساتھی حکیم ناصر خسروؒ ابن حارث قبادیانی بلخی مروزی کا ملقب و متخلص حجت اور کنیت ابو معین مضبوط طبیعت والے شاعروں میں سے ہے اور فارسی زبان میں نہایت قیمتی شعر کہتا ہے۔

سفرنامہ ناصر خسروؒ میں ڈاکٹر محمد دبیر سیاقی نے لکھا ہے کہ ناصر خسروؒ "جب شعر کہتا ہے تو ایک ایسا دیوان بن جاتا ہے کہ جس میں موتی بھرے ہوئے ہوں اور موتی بھی نہایت ہی عمدہ اور کمیاب ہوں۔ اور جب بات کی تشریح کرنے لگتا ہے تو وہ ایک ایسی کتاب بن جاتی ہے کہ جس کے الفاظ پسندیدہ اور بامعنی ہوں۔

تحلیل اشعار ناصر خسروؒ میں ڈاکٹر مہدی محقق لکھتا ہے کہ "وہ (صفت) جو ناصر خسروؒ کو دوسرے شاعروں سے ممتاز بناتی ہے

(اس کے) ایمان کی پاکیزگی اور عقیدے کی صفائی ہے۔"

کتب خانہ مجلس (ایران) میں ایک دیوان قدیم، جامع مضبوط اور صحیح حالت میں موجود ہے جس کے شروع کے صفحے پر لکھا گیا ہے "دیوان افصح الشعراء سید ناصر خسروؒ" اس تحریر میں سیدنا ناصر خسروؒ کی صرف فارسی شاعری کا ذکر نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو دنیا بھر کے شعراء میں سے فصیح ترین شاعر قرار دیا گیا ہے (دیوان اشعار سید نصراللہ تقوی)

دیوان ناصر خسروؒ قبادیانی میں مرحوم تقی زادہ نے لکھا ہے کہ "آفتاب سرزمین ادبیات" اس تحریر میں سیدنا ناصر خسروؒ کو صرف سرزمین نظم کا سورج نہیں کہا گیا ہے بلکہ سرزمین نثر کا بھی سورج تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ ادبیات میں نظم اور نثر دونوں آجاتے ہیں مزید یہ کہ اس تحریر میں بھی صرف زبان فارسی کا ذکر نہ کرکے آپ کو مجموعی طور پر ادبیات کا سورج تسلیم کرلیا ہے۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ کا تعلق جیسا کہ مشہور ہے ایران سے ہے اس لئے فارسی شاعری میں آپ کے مقام کا تعین بھی ایران کے دانشور ہی کر سکتے ہیں۔ جن اہلِ علم کی رائے کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے ان کی رائے جب مملکت ایران سے چھپ کر سامنے آگئی تو یہ رائے ان کی ذاتی نہیں رہی بلکہ اہلِ ایران کی آواز بن گئی اس کے بعد اگر کوئی غیر ایرانی فارسی دان پیر موصوف کی شاعری پر کوئی اعتراض کرے بھی تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود اگر کوئی معترض اعتراض کرے تو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا کہ اس کی

وجوہات کیا ہیں۔

ہندوستان کے بعض فارسی دانوں کو سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی شاعری پر اعتراضات ہیں۔ ان سب کا ذکر کرنے سے مضمون طویل ہو جاتا ہے ان میں سے ایک شبلی نعمانی بھی ہے اس نے ایران کی شاعری پر شعرالعجم کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اسی کتاب میں پیر موصوف کی شاعری کو شاعری ہی تسلیم نہ کرتے ہوئے اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

اگر شبلی صاحب پیر نامدار کی شاعری کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے بعض پہلوؤں پر نکتہ چینی کرتے تو یہ بات قابل قبول تھی لیکن جس ہستی کو اہلِ ایران سرزمینِ ادبیات کا سورج مان لیں اور یہ سرے سے شاعر ہی نہ مانے اس کی فارسی دانی یا شعر فہمی کی دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا سبب کچھ اور ہو سکتا ہے جس کو معلوم کرنا ضروری ہے۔

یہ حقیقت اہلِ دانش سے مخفی نہیں ہے کہ بنو عباس اور بنو فاطمہ میں مخاصمت اور رقابت تھی۔ غزنوی، سلجوقی اور دیگر ترک حکمران بنو عباس کے طرفدار اور وفادار تھے اس لئے بنو فاطمہ سے دشمنی رکھتے تھے پس جو لوگ بنو عباس اور ترک حکمرانوں کو تسلیم کرتے تھے بنو فاطمہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے چونکہ سیدنا ناصر خسروؒ نہ صرف بنو فاطمہ کے طرفدار تھے بلکہ ان کے ایک سربرآوردہ داعی بھی تھے لہٰذا ان کی مخالفت بنو فاطمہ کی مخالفت کا منطقی نتیجہ تھی۔ لہٰذا شبلی صاحب کا پیر نامدار کو شاعر تسلیم نہ کرنا ان کی شاعرانہ کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اختلافِ مسلک کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

سیدنا ناصر خسروؒ کی شاعری کے بارے میں زیادہ صحیح تبصرہ وہی ہے جو فروزانفر مرحوم نے سخن و سخنوران میں کی ہے مثلاً ان کا کہنا ہے کہ ناصر خسرو قوی طبیعت والا استاد ہے اور نادر اسلوب کا مالک ہے اس کا کلام گہرا اور پُر معنی ہے اور اس کا اسلوبِ بیان نہایت فصیح ہے اور اس کا بیان حد درجہ سلجھا اور رواں ہے۔ دلائل اور قوانین علمی کو نظم کرنے میں خسروی اور سرخسی نے جو ابتدا کی تھی اس نے اس کو انتہا تک پہنچایا اور چونکہ شاعری کی فکر نہیں کرتا تھا اور دعوت کو پھیلانے اور عقیدے کو رائج کرنے کی خاطر شعر کہتا تھا اس لئے اس کے ابیات عقلی اور مذہبی دلائل کا مجموعہ بن گئے اور شاعرانہ ہیجان اور افکار سے خالی ہو گئے اور اگر اتفاقاً انہی افکار کی طرف متوجہ ہو جاتا تو وہ اس کی مذہبی اور فلسفیانہ روح کو انتہائی شدت کے ساتھ بدل دیتا اور اپنے آپ کو بھی پریشان کر دیتا اور یہی وجہ ہے کہ ہر قصیدہ جو مناظرِ فطرت میں سے کسی ایک منظر کی تعریف میں کہا گیا ہو۔ مثلاً بہار یا رات کی تعریف کی گئی ہو تو اس سے زمانے کے حالات کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا نتیجہ لیا ہے اور اسی وجہ سے عالمِ حقیقت کی فکر کرنا اور عالم مجازی کی پروا نہ کرنا اور فطرت کے دلکش مناظر پر غور کرنا ہر ایک کے لئے لازم قرار دیتا ہے جیسا کہ اکثر تم اس کے بہار کے قصیدوں میں سے کسی قصیدے کا ابتدائی حصہ پڑھتے ہوں گے اور ان عجیب تشبیہات کو بھی دیکھتے ہوں گے اور انتظار کرتے ہوں گے کہ وہ بھی دوسرے شعراء کی طرح ان موسموں کو غنیمت سمجھے اور شراب نوشی اور مطلب برآری کی طرف بلائے لیکن

اچانک آپ کے انتظار کے خلاف کہتا ہے بہار کی کیا قدر و قیمت ہے وہ بھی دوسرے موسموں کی طرح ایک موسم ہے اس کا بھی یہ سال گذشتہ سال کی طرح ہے گھومنے والے آسمان سے جو ہر رات ہمارا شکار کرنے کے لئے آتا ہے ڈرتے رہئے اور عمر کو غفلت میں نہ جانے دیں اور موسموں کے گذر جانے سے عمر کے گذر جانے کا اقرار کیا کرا اور مذہب اور قرآن پاک کی حقیقت کو حاصل کر۔ یہی موضوع اس کے اکثر قصائد میں پایا جاتا ہے اور مختلف صورتوں میں بار بار اور زیادہ تر فلسفیانہ دلائل سے لیکن ان تمام مدارج میں ناصر خسروؒ فارسی مفردات کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا ہے اور اگر اصطلاحات میں سے کسی ایک اصطلاح کو استعمال کر کے لطف اٹھاتا ہے تو اس کے سامنے دوسرا لفظ لاتا ہے اور استعمال کرتا ہے لیکن اسلوب علمی کو بدل نہیں دیتا اس سبب سے اس کا اسلوب انوری سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حکیم فلسفیانہ عقائد کو فلسفیانہ اسلوب میں نظم کرتا ہے نہ کہ فلسفیانہ اصطلاحات میں اور اسی طرح فارسی آثارِ علم کو وسعت دیتا ہے اور علمی زبان کی ساخت کے لئے ایک راستہ بنا دیتا ہے حالانکہ انوری کے اشعار بھی ان اعتقادات اور اصطلاحات پر مشتمل ہیں۔ اسلوب شعر میں حکیم کی قدرتِ طبع کا اندازہ یہیں سے کیا جا سکتا ہے۔

شعر کے معنی محسوس کرنا اور جاننا ہے لہٰذا شاعر سے مُراد وہ شخص ہے جو جانے اور محسوس کرے یوں تو محسوس کرنے کی صفت ہر انسان میں پائی جاتی ہے البتہ شاعر غیر معمولی حسّاس ہوتا ہے اس لئے ماحول کے جن اثرات اور واقعات کو عام لوگ

محسوس نہیں کر پاتے ہیں ان کو وہ منظوم اور موزوں انداز میں اس طرح پیش کر دیتا ہے کہ ان کی تصویر لوگوں کے سامنے آجاتی ہے اس کو شاعرانہ مصوّری یا محاکات بھی کہتے ہیں۔

ایک اچھے شعر میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں مثلاً سلاست روانی مضمون آفرینی خیالات کی بلندی جدّت اور منظر نگاری وغیرہ وغیرہ ان تمام خوبیوں میں سے کوئی خوبی بھی ایسی نہیں کہ جس کے نہ ہونے سے شعر شعر نہ رہے سوائے محاکات کے یعنی اگر محاکات یا شاعرانہ مصوّری نہ ہو تو شعر شعر نہیں رہتا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کی شاعرانہ مصوّری کیسی ہے۔ مثلاً آپ اپنے زمانے کے سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

برخاستم از جای سفر پیش گرفتم
نز خانم یاد آمد و نز گلشن و منظر

ترجمہ: میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سفر پر روانہ ہوا نہ مجھے گھر بار یاد آیا اور نہ باغ اور اس کا نظارہ۔

از سنگ بسی ساختہ ام بستر و بالین
وز ابر بسی ساختہ ام خیمہ و چادر

ترجمہ: اکثر و بیشتر میں نے اپنا بستر اور سرہانہ پتھر سے بنایا ہے اور اسی طرح میں نے اپنا خیمہ زیادہ تر بارش سے بنایا ہے۔

گہ دریا گہ بالا گہ رفتن بی راہ
گہ کوہ و گہی ریگ و گہی جوی گہی جر

ترجمہ: کبھی دریا کبھی چڑھائی کبھی بغیر راستے کے چلنا کبھی پہاڑ کبھی ریت کبھی ندی اور کبھی نالے (سامنے آگئے)

گہ حبل بگردن بر مانند شتربان
گہ بار بہ پشت اندر مانندۂ استر

ترجمہ: کبھی شتربان کی طرح گردن پر رسی رہی اور کبھی خچر کی طرح پیٹھ پر بوجھ رہا۔

گاڑیاں چلنے سے پہلے ہمارے علاقے میں سفر کی جو دشواریاں تھیں اُن سے تو ہم میں سے اکثر واقف ہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوچ لیجئے کہ آج سے ہزار سال پہلے پیر کے دور میں سفر کی دشواریوں کا کیا عالم ہوگا۔ سیّدنا حجّت خراسان کے اشعار سے اس کی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے اس سلسلے میں ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ آپ بہار کے بارے میں فرماتے ہیں:

آمد بہار و نوبت سرما شد
وین سالخوردہ گیتی برنا شد

ترجمہ: بہار آگئی اور سردی کا موسم چلا گیا گویا یہ بوڑھی دنیا جوان ہو گئی

بشکفت لالہ چون رُخ معشوقان
نرگس بسان دیدہ شیدا شد

ترجمہ: لالہ (کا پھول) معشوقوں کے چہروں کی طرح کھل گیا اور نرگس (کا پھول) عاشق کی آنکھ جیسا ہوگیا۔

تیرہ شد آب و گشت ہوا روشن
شد گنگ زاغ و بلبل گویا شد

ترجمہ: پانی تاریک یعنی گدلا ہوگیا اور ہوا صاف ہوگئی کوا خاموش ہوگیا اور بلبل بولنے لگی۔

بستان بہشت وار شد و لالہ
رخشان بسان عارض حورا شد

ترجمہ: باغ بہشت کی طرح ہوگیا اور لالہ حور کے چہرے کی طرح چمکنے لگا۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ کے اشعار میں رنگینی نہیں پائی جاتی ہے۔ رنگین اشعار نہ لکھ سکنا اور بات ہے اور نہ لکھنا اور بات، آپ کے سامنے دعوت کا عظیم مقصد تھا اس لئے آپ لوگوں کو دارِ فنا میں مگن رہنے دینے کی بجائے ملکِ بقا کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دلانا چاہتے تھے ورنہ آپ کو شاعری کے تمام اقسام پر عبور حاصل تھا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وقتِ خزاں بیادِ رزان شد دلم فراق
وقتِ بہار شاد بہ سبزو گیا شدم

ترجمہ: (کارِ دعوت کی ذمہ داری قبول کرنے سے قبل) خزاں کے وقت انگور کی یاد میں دل نے جدائی محسوس کی اور بہار کے وقت ہریالی اور گھاس سے خوش ہو گیا۔ اس شعر سے منظر نگاری کی طرف اشارہ ملتا ہے:

صد بندگی شاہ ببایست کردنم
از بہر یک امید کہ از وی روا شدم

ترجمہ: مجھے سو طرح سے بادشاہ کی غلامی کرنی پڑتی تھی صرف ایک امید کے لئے جو اسی سے پوری ہو سکتی تھی۔

اس شعر سے قصیدہ خوانی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آپ ہر صنفِ سخن میں شاعری کرنے میں نہ صرف دوسرے شعراء کی برابری کرتے تھے بلکہ ان سے آگے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

ادب را بمن بود بازو قوی
بمن بود چشم کتابت قریر

ترجمہ: ادب میں میرا بازو بہت قوی تھا۔ لکھائی کی آنکھ کا سرمہ میرے پاس تھا۔

بتحریر الفاظ من فخر کرد
ہمی کاغذ از دست من بر حریر

ترجمہ: میرے ہاتھ سے الفاظ کی تحریر کی وجہ سے کاغذ ریشم پر اپنے آپ کو فائق سمجھتا ہے اور فخر محسوس کرتا ہے۔

دبیری یکی خورد فرزند بود
نشد جز بالفاظ من سیر شیر

ترجمہ: انشا پردازی ایک طفل کی طرح تھی جو میرے الفاظ کے بغیر دودھ سے پیٹ نہیں بھرتی تھی۔

دبیران اسیر اند پیش سخن
سخن پیش طبعم بطبعت اسیر

ترجمہ: ماہرین تحریر کلام کے سامنے مقید ہوتے ہیں جبکہ کلام میرے مزاج کے سامنے فطرتاً مقید ہے۔

نہ بیند کہ پیشش ہمی نظم و نثرم
چو دیبا کند کاغذ دفتری را

ترجمہ: وہ نہیں دیکھتا ہے کہ اس کے سامنے میری نظم اور نثر کاپی کے کاغذ کو رنگین ریشمی کپڑا بنا دیتی ہے۔

بخوان ہر دو دیوان من تا بہ بینی
یکی گشتہ با عنصری بحتری را

ترجمہ: میرے دونوں دیوانوں کو پڑھو تاکہ دیکھ سکو کہ میں عنصری اور بحتری کا مجموعہ ہوں۔

سیدنا پیر ناصر خسروؒ مروجہ شاعری سے بہت جلد اُکتا گئے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

اگر شاعری را تو پیشہ گرفتی
یکی نیز بگرفت خنیاگری را

ترجمہ: اگر تو نے شاعری بطور پیشہ اختیار کی ہے تو دوسرے نے گانے بجانے کو پیشہ بنایا ہے (اس لئے تیرے پیشے اور اس کے پیشے میں کوئی فرق نہیں ہے)

صفت چند گوئی زشمشاد و لالہ
رُخِ چون مہ و زلفک عنبری را

ترجمہ: شمشاد و لالہ، چاند جیسا چہرہ اور مہکتی زلفوں کی کتنی تعریف کرو گے۔

بنظم اندر آری دروغ و طمع را
دروغ است سرمایہ مرکافری را

ترجمہ: جھوٹ اور لالچ کو شاعری میں جگہ دیتے ہو حالانکہ جھوٹ کفر کی پونجی ہے۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ مروّجہ شاعری سے اپنی توجہ ہٹانے کا سبب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فخر چہ داری بغزلہای نغز
در صفت روی بت سعتری

ترجمہ: اُن اچھی غزلوں پر کیا فخر کرتے ہو جن میں نفس پرست معشوق کی صورت کی تعریف کی گئی ہو۔

این نبود فضل و نیابی بدین
جز کہ فرومائگی و چاکری

ترجمہ: یہ کوئی بزرگی نہیں اور نہ اُن کے ذریعے سوائے پستی اور غلامی کے کچھ حاصل ہے۔

فخر تو آنست کہ دانی کہ چیست
علت این گنبد نیلوفری

ترجمہ: تمہارا فخر اس بات پر ہونا چاہیئے کہ اس نیلے رنگ کے آسمان کا سبب کیا ہے اس کو سمجھ سکے۔ اس سلسلے میں ہدایت دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ:-

شعر حجّت را بخوان و سوی دانش راہ جو
گر ہمی خواہی کہ جان و دل بدین مرہون کنی

ترجمہ: اگر تم اپنا دل اور جان دین کے پاس رہن رکھنا چاہتے ہو تو حجّت خراسان کے اشعار کا مطالعہ کیا کرو اور علم کی طرف راستہ ڈھونڈو۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ لوگوں کو اپنے اشعار پڑھنے کی ترغیب کیوں دلاتے ہیں؟ اس لئے کہ مروّجہ شاعری لہو و لعب اور شراب نوشی کی طرف دعوت دیتی ہے جبکہ ایسی لذتوں سے فائدہ اٹھانے والا نبی کے دین کی لذّت سے محروم رہتا ہے۔ حالانکہ نبی کے دین کی لذّت جسمانی لذّت سے بدرجہا بہتر ہے جیساکہ آپ فرماتے ہیں:

لذتِ علمی چو از دانا بجان تو رسد
زان سپس ناید بچشمت لذّت جسم لذیذ

ترجمہ: عالم سے علم کی لذّت جب تمہاری روح کو ملے گی اس کے بعد لذیذ جسم کی لذّت تمہاری نظر میں ہیچ ہوگی۔

یہاں پر عالم سے مُراد امام زمانہؑ ہے کوئی اور نہیں جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

بار شاخ علم یزدان بو تمیم
آن بعلم و حلم و حکم و عدل تام

ترجمہ: علمِ خداوندی کی شاخ کا میوہ ابوتمیم یعنی حضرت مولانا مستنصر باللہ علیہ السّلام ہیں۔ انہی پر علم، حلم، حکم اور عدل تام تمام ہے۔

جز براہ نردبان علم او
نیست راہی برین پرتو بام

ترجمہ: اس کی علمی سیڑھی کے راستے کے بغیر اس نورانی چھت تک کوئی راستہ نہیں۔

کسی کے ذہن میں یہ خیال آنا عین ممکن ہے کہ چونکہ سیّدنا پیر ناصر خسروؒ خود بھی حکیم تھے اس لئے علماء اور حکماء سے مراد یونان کے حکماء اور علماء کو بھی لیا ہو۔ اس سلسلے میں آپ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چون گشایشہای دینی راز لفظش بشنوی
سخرہ زان پس برگشایشہای افلاطون کنی

ترجمہ: جب دین کی گرہ کشائیوں کو خود ان کے الفاظ میں سنو گے تو اس کے بعد افلاطون کی تشریحات کا مذاق اڑاؤ گے۔

فخر جوید بر حکیمان جان سقراط بزرگ
گر تو ای حجت مرا ور اپیش خود ما زون کنی

ترجمہ: ای حجّت خراسان اگر تو سقراط کو اپنا ما زون تسلیم کرلو گے تو اس کی عظیم روح دوسرے حکماء کی روحوں پر فخر کرے گی۔

چہ چیز ند با کوہ علم کنون
حکیمان یونان صغار و کبار

ترجمہ: میرے علم کے پہاڑ کے سامنے یونان کے حکماء کی کیا

حیثیت ہو سکتی ہے چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ کے ان اشعار سے اسماعیلیوں کے خلاف وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو معترضین سمجھتے ہیں کہ اسماعیلی فلسفہ یونان سے بہت متأثر ہے۔

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ درحقیقت کن کو حکیم سمجھتے ہیں اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

شجر حکمت پیغمبر ما بود کزو
ہر یک از عترت او نیز درختی ببر ند

ترجمہ: حکمت کا درخت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جس سے اس کی اولاد میں سے بھی ہر ایک میوہ دار درخت ہے۔

کعبہ جان خلق پیکر اوست
حکمت ایزدی درو مہمان

ترجمہ: تمام مخلوقات کی روحوں کا کعبہ اس کا مبارک جسم ہے جس میں خدا کی حکمت مہمان ہے۔

حج کبرا اندو حکیمان جہانند
زیر از رہ حکمت قبلہ حکماء اند

ترجمہ: وہ حج اکبر اور دنیا کے حکیم ہیں کیونکہ حکمت کے ذریعے تمام حکیموں کا قبلہ ہیں۔

امام عالی مقامؑ کی مدح:

بہترین جانور ہمہ مردم
بہترین مردمان امام زمانؑ

ترجمہ: تمام جانداروں سے تمام انسان بہترین ہیں اور تمام انسانوں

سے زمانے کا امام بہترین ہیں۔

ہر جاکہ بوم تا بزیم من گہ و بیگہ
بر شکر تو رانم قلم و محبر و دفتر

ترجمہ : میں جہاں کہیں بھی رہوں اور جب تک رہوں موقع بے موقع تمہاری شکرگزاری میں قلم، دوات اور کاغذ استعمال کرتا رہوں گا۔

امام عالی مقام صلواۃ اللہ علیہ نے سیّدنا حجّت خراسان کو جو علم عطا کیا تھا اس کے بارے میں خود ہی فرماتے ہیں :

ازین قدر کہ امروز دارم بعلم
نبود ستم آن روز عشر عشیر

ترجمہ : جس قدر علم آج میرے پاس ہے اُس دن اِس کا ایک فیصد بھی میرے پاس نہیں تھا۔ یعنی امامِ زمانؑ کے دیدار سے جس قدر علم مجھے ملا ہے دیدار سے پہلے اُس کا ایک فیصد بھی میرے پاس نہیں تھا۔

با دل رنجور درین تنگ جای
مونس من حب رسولست و آل

ترجمہ : اس تنگ جگہ میں میرے غمگین دل کا ساتھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آلِ اطہار کی محبت ہے۔

دست من و دامنِ آلِ رسولؐ
وز دگران باز گسستم حبال

ترجمہ : میرا ہاتھ ہے اور رسولِ خداؐ کی اولادِ اطہار کا دامن اور ان کے علاوہ جو بھی ہیں میں نے ان سے اپنا رشتہ توڑ دیا ہے۔

اینک امامِ حق و امان زاہل روزگار
اینک حریم امین و خورشید بی زوال

ترجمہ : یہ ہیں امامِ حق اور زمانے کے لوگوں کے شر سے بچانے والے یہ ہیں امن کا گھر اور نہ ڈھلنے والا سورج۔

سایہ خدای اوست کہ با اوصفات اوست
سایہ خدای و نورِ خدا الیست بے مثال

ترجمہ : وہی خدا کا سایہ ہے کیونکہ خدا کی صفات ان کے ساتھ ہیں خدا کا سایہ اور خدا کا نور بے مثال ہے۔

معزول شد دو چیز جہان از دو چیز تو
از علم تو جہالت و از جود تو مطال

ترجمہ : دنیا کی دو چیزیں تمہاری دو چیزوں سے رو بزوال ہو گئیں یعنی آپ کے علم سے جہالت اور آپ کی سخاوت سے بخیلی :

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ حکمت کی تعریف میں فرماتے ہیں :

مرد خردمند بحکمت شود
تو چہ خردمند بہ پیراہنی

ترجمہ : مرد حکمت کے ذریعے عقلمند ہوتا ہے تو لباس کے ذریعے کیسے عقلمند ہو سکتا ہے۔

چو جانت قوی شد با یمان و حکمت
بیاموزی آنگاہ زبانہای مرغان

ترجمہ : جب تمہاری روح ایمان اور حکمت کے ذریعے طاقتور ہو گی تو اس وقت تم پرندوں کی زبان بھی سمجھنے لگو گے۔

آپ کے حکیمانہ اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی ہے :

زمین کرسی جسم آمد بدن کرسی جان آمد
دلت کرسی عقل آمد خرد کرسی الرحمٰن

ترجمہ : زمین جسم کی کرسی کے طور پر وجود میں آ گئی اور جسم

روح کی کرسی کے طور پر وجود میں آیا - تمہارا دل عقل کی کرسی کے
طور پر آیا اور عقل رحمٰن کی کرسی کے طور پر -
سیّدنا پیر ناصر خسروؒ علم دین کی اہمیت کے بارے میں
ارشاد فرماتے ہیں :

زندگی و شادی اندر علم دین است ای پسر
خویشتن را گر نہ مستی مست و مجنون چون کنی

ترجمہ: اے بیٹے زندگی اور خوشی علم دین کی بدولت ہے اگر تو مست و مدہوش نہیں ہے تو اپنے آپ کو مست اور دیوانہ کیوں بناتے ہو -

بر خلق جہان فضل بدین جوی ازیراک
دین است سر سروری و اصل معالی

ترجمہ: دنیا کے لوگوں پر دین کی وجہ سے بزرگی جتاؤ کیونکہ دین ہی سرداری کا راز اور بلندی کی بنیاد ہے -

دین فخر تو است و ادب و خط دبیری
پیشہ است چو حلاجی و درزی و کبالی

ترجمہ: دین تمہارے لئے فخر کا باعث ہے اور شعر و شاعری خوش نویسی اور انشاپردازی وغیرہ پیشے ہیں جیساکہ اُون دھننا، کپڑے سینا اور رسی بٹنا وغیرہ -

رحمت نہ خانہ ایست بلند و خوش
نہ جامہ ایست رنگین و پہنائی

ترجمہ: رحمت کوئی گھر نہیں جو بلند اور پسندیدہ ہو اور نہ کوئی لباس ہے جو رنگین اور آرام دہ ہو -

دین است و علم رحمت و خود دانی
این را اگر تو زاہل تولائی

ترجمہ: تجھے معلوم ہے کہ رحمت سے مراد دین اور علم ہی ہے یہ تجھے اس وقت معلوم ہوگا جب تو اہل بیت رسولؐ سے محبت کرے گا -

سیّدنا حجّت خراسان اطاعت کی افادیت کے بارے
میں ارشاد فرماتے ہیں :

خرد و جان سخنگوی گر از طاعت و علم
پر بیابند برین گنبد پیروزہ پرند

ترجمہ: بولنے والی جان اور عقل کو اگر اطاعت اور علم کے پر مل جائیں تو اس نیلے رنگ کے گنبد پر اُڑ کر پہنچیں گے -

گر از علم و طاعت بر آریم پر
ازین جا بچرخ برین بر پریم

ترجمہ: اگر علم و اطاعت سے پر پیدا کریں تو اس جگہ سے آسمان تک پرواز کریں گے -

معانی قرآن ہمی زان ندانی
کہ طاعت نداری ہمی مرشیان را

ترجمہ: قرآن کا مطلب اس لئے نہیں سمجھ سکتے ہو کہ چرواہے یعنی ہادی کی اطاعت نہیں کرتے ہو -

تا تن من طاعت او یافتہ است
دیو نگشتست بہ پیرامنم

ترجمہ: جب سے میرے جسم نے اس کی فرمانبرداری شروع کی ہے اس وقت سے دیو میرے وجود میں داخل نہیں ہو سکا ہے -

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ دنیا کی حقیقت کے بارے میں ارشاد فرماتے
ہیں -

جہانا من از تو ہراسان ازانم
کہ بس بدنشانی و بدہمنشینی

ترجمہ: اے دنیا میں تجھ سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ تو بدنشان اور بُرا ساتھی بھی ہے۔

خسیسی کہ جز باخسیسان نسازی
قرینت نیم من کہ تو بد قرینی

ترجمہ: تو بہت بخیل ہے اور بخیلوں کے بغیر کسی کا ساتھ نہیں دیتی ہے۔ میں تمہارا ساتھی نہیں ہوں کیونکہ تو بُرا ساتھی ہے۔

یکی بی خرد را بسر بر نشانی
یکی بی گنہ را بسر بر نشینی

ترجمہ: تو ایک بے عقل کو سر پر بٹھاتی ہے اور ایک بے گناہ کے سر پر چڑھ جاتی ہے۔

مقامِ انسان پر آپ دُرّ فشان ہیں۔

یکی گوہر آسمانیست مردم
کہ ایزد بہ بندی بہ بستش زمینی

ترجمہ: انسان ایک آسمانی گوہر ہے جس کو خدا نے ایک بند کے ذریعے زمین کے ساتھ باندھ رکھا ہے۔

وطن مر ترا در جہان برین است
تو ہرچند کامروز در تیرہ طینی

ترجمہ: تمہارا وطن عالم بالا ہے اگرچہ تو آج سیاہ مٹی میں ہے۔

بجان خانۂ حکمت و عدل و فضلی
بتن غایت صنع جان آفرینی

ترجمہ: روحانی اعتبار سے تو حکمت کا گھر عدالت اور بزرگی کی علامت ہے اور جسم کے لحاظ سے جان پیدا کرنے والے کی کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

کتابیات

دیوانِ اشعار
حکیم ابومعین حمیدالدین ناصر بن خسرو قبادیانیؒ — تصحیح سیّد نصر اللہ تقوی۔
شہریور ۱۳۳۹ چاپخانہ گیلان

دیوان ناصر خسرو قبادیانیؒ — تصحیح مرحوم تقی زادہ
نشر چکامہ تہران خیابان جمہوری کوچہ ممتاز
چاپ اوّل ۱۹۶۱

سفرنامہ
حکیم ناصر خسرو قبادیانی مروزیؒ — تصحیح دکتر محمد دبیر سیاق
چاپ گلشن، چاپ دوم ۱۳۶۳

تحلیل اشعار ناصر خسروؒ — مولف دکتر مہدی محقق
چاپخانہ دانشگاہ تہران شہریور ۱۳۴۴

شعر العجم حصّہ پنجم
مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۷ — مولف علامہ شبلی نعمانی

دبیر عجم (اردو خلاصہ) — مولف مولانا رشید احمد ایم۔ اے منشی فاضل
تاج بک ڈپو موہن لال روڈ۔ لاہور

سیّدنا پیر ناصر خسروؒ اور نظریۂ توحید

(از تیغون شاہ)

ذاتِ باری تعالیٰ کا اقرار کسی نہ کسی طرح تمام مذاہب میں کیا جاتا ہے کیونکہ انسان اپنی عملی زندگی میں ہر مرحلے پر یہ ماننے پر مجبور ہے کہ کوئی ماورائی ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں اس کی شکل و صورت اس کی زندگی اور موت اور اس کے ہر عمل میں کامیابی اور ناکامی ہے۔ وہ گردشِ لیل و نہار موسموں کی تبدیلی رات دن کے انقلابات اور موت و حیات کے مناظر ہر روز دیکھتا رہتا ہے پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ عقل رکھنے کے باوجود بے حس اور بے جان چیزوں کی طرح ان چیزوں سے غیر متاثر رہے۔ خود اس سے اپنی زندگی کے کاروبار اور نقل و حرکت میں اس کے شواہد اور مواقع ملتے ہیں کہ وہ اپنی پوری توانائی اور صلاحیت کو استعمال کرنے کے باوجود بعض دفعہ ناکام اور نامراد رہتا ہے اور کبھی خلافِ امید اسے کامیاب اور بامراد بناتی ہے۔ اس لئے یہ بات تسلیم کرنا غلط نہیں ہے کہ ہر مذہب نے کسی نہ کسی طرح انسان کو اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ کا اعتراف و اقرار صرف ذہنی اور نظریاتی ہی نہیں ہے بلکہ عملی زندگی سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وجودِ باری تعالیٰ کو تسلیم کرنے والے کا عمل اور زندگی اس شخص سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو اس ماورائی طاقت و اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے دونوں کے اعمال اور نتائجِ اعمال

میں بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔

اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ پر ایمان کی پہلی شرط "کلمۂ شہادت" زبان سے ادا کرنا ہے اور کلمۂ شہادت کی ادائیگی کے ساتھ مکمل یقین بھی لازمی ہے تو وہ شخص اپنے ذاتی اختیار سے دست بردار ہو کر ذاتِ باری کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے خود کو احکامِ خداوندی کے حوالے کر دیتا ہے اس لئے وہ اس کلمۂ شہادت اور خدائے واحد پر یقین رکھنے کے بعد دینِ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد وہ شخص اگر ایمان کے تقاضے پورے کرے گا تو وہ ثواب اجر کا مستحق ہوگا۔ اسے ظاہر ہے کہ اس اقرار اور یقین سے انسان کی دنیوی اور اُخروی زندگی یکسر بدل جاتی ہے اور اس کے بڑے دُور رس نتائج نکلتے ہیں جن کا ایک پہلو فکر و نظر اور عقل سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا پہلو عملی، انفرادی اور اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ افرادِ انسانی کی اصلاح کی ابتداء اس کی بنیاد سے کی جائے۔ اس لئے وہ عملِ صالح سے پہلے ایمان کی بنیاد کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی طرف توجہ دیتا ہے کیونکہ اگر بنیاد ہی مضبوط، مستحکم، سیدھی اور صحیح نہ ہوگی تو اس پر بنائی ہوئی عمارت ٹیڑھی اور کمزور ہوگی۔ اس لئے اسلام میں ایمان باللہ کو اعتقادی اور عملی نظام کو اولیت دی گئی ہے اور اس کے علاوہ جتنے عقائد ہیں سب اس کے تابع ہیں اور جس قدر مذہبی ہدایات اور اخلاقی احکام ہیں وہ سب اس مرکزی ایقان یا ایمان سے مستحکم ہوتے اور قوت حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تمام عقائد کا سرچشمہ عقیدۂ توحید ہے مثلاً ملائکہ

پر اس لئے ایمان لایا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے تابعدار و کارپرداز ہیں آسمانی کتابوں پر ایمان اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہیں، رسولوں پر اس لئے ایمان لازم ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، آخرت پر اس لئے ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ اللہ کے انصاف کا دن ہے۔

وجود باری تعالیٰ اور عقلی علوم

: وجودِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں اہلِ فلسفہ اور سائنس نے بڑی کدوکاوش کی ہے لیکن یہ ساری تحقیق اور کوششیں انسان کی کوئی رہنمائی نہ کر سکیں۔ انیسویں صدی میں یہ کہا جانے لگا کہ سائنس نے خدا کے تصوّر کو ختم کر دیا ہے لیکن اس دعوے کی خود سائنسدانوں نے تردید کر دی اور بقول سرجیمس جینز سائنس کا دریا اُلٹے رُخ پر بہنے لگا جیسا کہ پروفیسر ینگر نے درست کہا ہے " کائنات کی ابتداء اور انتہا تک مشاہدہ کی رسائی نہیں ہے اس لئے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ کسی ازلی اور ابدی وجود کا انکار کریں اسی طرح ہمارا یہ کام بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں "۔

توحید کے دلائل

: توحید کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر اجتماعی تنظیم اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ حاکمیت غیر منقسم ہو۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

ترجمہ : اگر ان دونوں آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا ہونے تو دونوں برباد ہو گئے ہوتے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ (۲۱/۲۲)

دوسرا اہم پہلو کائنات کے مختلف اجزاء میں موافقت کا پیدا ہونا ہے اور یہ موافقت صرف متضاد اور مخالف چیزوں میں ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر ایک چیز میں یہ موافقت اور نباہ موجود ہے۔ دنیا کی ہر چیز اور جلوہ کا حسن و جمال ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ ہمیں کوئی چیز بے مقصد نظر نہیں آتی ہے۔ ہر جگہ دل کو مسرور کر دینے والے اور آنکھوں کو نور بخشنے والے جلوے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (۳۲/۷) ترجمہ : جس نے ہر چیز کو جسے اس نے پیدا کیا بہت اچھا بنایا۔

خود وجود باری پر قرآنی دلائل سے ثابت ہے کہ وحی محمدی نے سب سے پہلے دعویٰ یہی کیا کہ کائنات کا ایک قادرِ مطلق اور خالق ہے اور صانع کائنات کا اعتراف کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے اور خود قرآن انسانوں سے مخاطب ہو کر احساس دلاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے ایسی حالت میں نکالا۔ کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم شکر ادا کرو (۱۶/۷۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے :

ترجمہ : کیا ہم نے زمین کو تمہارا فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ پوش ٹھہرایا اور ہم ہی نے دن کو روزی کے دھندوں کا وقت بنایا۔ (۷۸/۶-۱۰)۔

اور ساتھ اپنی عظمت کا احساس یوں بھی دلایا ہے :

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (۵۶ پ)

ترجمہ: ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا اور ہم اس بات سے عاجز نہیں۔

معزز خواتین و حضرات! چونکہ ہم عقیدۂ توحید کی باتیں کر رہے ہیں لہٰذا کائنات کے حوالے سے اپنی ذات کے حوالے سے اور خود قرآن کے حوالے سے ہم توحید کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ انسانی عقل اس خدا کی ماورائی طاقت کو کس طرح سمجھتی ہے اور انہی وجوہات کی بناء پر وقتاً فوقتاً توحید کے بارے میں مختلف مسائل لوگوں کے ذہنوں میں ابھرنے لگے جن کے نتیجے میں مختلف مکاتبِ فکر مثلاً معتزلہ اور اشاعرہ وجود میں آئے۔

پیر ناصر خسروؒ کے زمانے میں (یعنی قرن پنجم ہجری) تک مسلمان مفکروں کے درمیان کونیاتی اور مابعد الطبیعاتی مسائل پر بحث و جرح کرنا معمول بن چکا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیر ناصر خسروؒ سے قبل بہت سے اسماعیلی داعیوں نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھائے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا مخصوص انداز ہے مگر ناصر خسروؒ کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ یہ پہلا اسماعیلی داعی ہے جو فارسی زبان میں اس قدر وسیع پیمانے پر فلسفیانہ افکار کو ضبطِ تحریر میں لایا۔ اگرچہ آپ سے قبل کے کچھ داعی مثلاً سیدنا ابو یعقوب سجستانی وغیرہ کے آثار ضرور فارسی زبان میں موجود ہیں مگر یہ بہت محدود پیمانے پر ہیں۔ اس کے علاوہ جن داعیوں نے وسیع پیمانے پر فلسفیانہ مسائل پر بحث کی ہے مثلاً اخوان الصفا اور سیدنا

الکرمانی وغیرہ وہ سب عربی زبان میں ہیں۔

آپ کے افکار و آراء کی بے نظیر خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے مؤقف کی حمایت میں اپنے دلائل کو عقل و منطق کی اس ٹھوس اور مضبوط بنیاد پر استوار کیا ہے کہ ہر طبع سلیم اور صحیح عقل رکھنے والا انسان ان کو قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ آپ نے جہاں علم کلام سے متعلق مسائل کو قرآن شریف اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی ہے وہاں پر فلسفیانہ مسائل کو عقل و منطق کی زبان میں سمجھایا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں دین حق کو ہر طرح کی پیچیدگیوں سے پاک کر کے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ یہ عقل و منطق کے خلاف نہیں۔ انسان کی روحانی و جسمانی نجات دین کی پیروی میں ہے اور دین کی صحیح پیروی ہادیٔ زمانہ کی اتباع و اطاعت میں مضمر ہے۔ آپ کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ روح انسان کی بقاء علم توحید کے حصول میں ہے اور علم توحید بغیر میانجی (یعنی واسطہ) کے انسان حاصل نہیں کر سکتا ہے جو شخص بغیر میانجی (واسطہ) کے علم توحید کا دعویدار ہے وہ یا تو تشبیہہ میں پڑھ جاتا ہے یا تعطیل میں۔

جس طرح دوسرے مفکرین نے مختلف ادوار میں خالقِ کائنات کے وجود کا وجوب اور اس کی وحدت کے اثبات پر زورِ قلم صرف کیا ہے اسی طرح پیر ناصر خسروؒ نے بھی اپنی تصانیف میں جگہ جگہ اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ناصر خسروؒ اس بات کو نہایت وثوق سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ

بغیر کسی شک کے اس کائنات کا ایک خالق اور مدبّر ہے جو اپنی ذات و صفات میں قدیم ہے اور اس سلسلے میں نہ صرف اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل دیتے ہیں بلکہ دہریوں کے ان مخالف نظریوں کی تردید کی بھی کوشش کرتے ہیں جس میں وہ ارکان و موالید کا خالق افلاک و انجم کو قرار دیتے ہیں مثلاً پیرؒ اپنی مشہور کتاب زاد المسافرین میں خالقِ عالم کے وجود کے اثبات میں اپنے موقف کی تائید اس طرح کی ہے:

ترجمہ: پس اگر موالید کا خالق افلاک و کواکب ہے اور اگر عالم اپنے مجموعی طور پر موالید سمیت عالم ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بقول ان کے عالم کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کا مصنوع ہوگا اور یہ محال ہے کہ ایک ایسی قدیم ہو جس کا ایک حصّہ حادث ہو اور دوسرا حصّہ غیر حادث۔ جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ عالم کا ایک حصّہ جو کہ موالید ہے حادث ہے اور دوسرا حصّہ بھی حادث ہوگا۔ اگر عالم اپنی ذات کے ایک حصّے کا صانع ہوا تو یہ صانع ازل میں ناقص ہوا ہوگا چونکہ اس کا ایک حصّہ حادث ہے اور جو چیز ازل میں ناقص ہوتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے ناقص ہوتی ہے۔ [۱]

اپنی معرکۃ الآراء کتاب جامع الحکمتین میں ۳۶ صفحات اس اہم موضوع کے لئے وقف کئے ہیں اور اس موضوع کی اہمیّت کو یوں واضح کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں اور جب ہم درست (یعنی ثابت) کریں گے کہ خدا ایک ہے (تو اس سے) دہری اور ثنوی دونوں کے اقوال کی تردید ہوگی۔ [۲]

بالکل اسی انداز میں شش فصل میں فصل اوّل کا آغاز

یوں کرتے ہیں۔

انسانی روح کی بقاء توحید کی حقیقی پہچان میں ہے اور وہ باری سبحانہٗ تعالیٰ کی پہچان ہے جو کہ تشبیہ سے دور اور تعطیل سے پاکیزہ ہو اور بغیر تشبیہ و تعطیل کے اثبات سے یہ مراد ہے کہ تجھے معلوم ہو کہ باری سبحانہٗ تعالیٰ یکتا ہے۔ [۳]

سیّدنا ابو یعقوب سجستانی بھی اپنی کتاب کشف المحجوب میں ان ہی خطوط پر بحث کرتے ہیں۔ ان کا بھی کہنا ہے کہ اور مخلوق اوّل (عقلِ کُل) اور دوسری مخلوقات کے اوصاف سے خالق دُور ہے۔ مثلاً علم، جہل دہری اور خالقِ جوہر اوّل (عقلِ کلی) جوہر ثانی (نفسِ کلی) مرکب اجسام اور نفوس کے صفات سے ہر طرح اور ہر لحاظ سے دور ہے۔ [۴]

بالکل یہی نظریہ سیّدنا حمید الدین کرمانی کے ہاں ملتا ہے جب وہ کہتا ہے یقیناً اسے مخلوق کے اوصاف میں سے کوئی صفت نہیں پہنچتی اور وہ نہ جسم ہے اور نہ جسم کے اندر ہے اور نہ ہی کوئی عاقل اس کی ذات کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی صاحبِ حس اسے محسوس کر سکتا ہے وہ برتر خدا اپنی مناسبت میں ان تمام اشیاء سے حجاب میں ہے جو موجودات کے ادراک کا ذریعہ بنتی ہیں۔ [۵]

اور اس دعویٰ کے حق میں ہمارے داعیوں نے دوسروں کو ردّ کرنے کے لئے مختلف دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ اس بنیادی تصوّر کو سیّدنا ابو حاتم الرّازی اپنی مشہور و معروف کتاب اعلام النّبوۃ کی فصل ثانی میں ذکریا رازی کی آراء کی تردید میں یوں واضح کرتے ہیں" پس

یہ آیات اور قرآن میں ان جیسی اور بھی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہمیں خدا کی مخلوق اور خلقت پر غور و فکر کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ خلقت کی صفت اور عجائبات پر غور و فکر کریں اور اس کے ذریعے خدائی جل وعلیٰ کی ذات پر دلیل لیں درآنحالیکہ ہم اس کی کیفیت کو پا نہیں سکتے ہیں اور نہ ہم اُس پر محیط ہو سکتے ہیں اور جس کسی نے خدا کی خلقت کو چھوڑ کر اس خدا کی ذات کی کیفیت کے بارے میں سوچا وہ حیران ہوا۔ اور اس کی عقل بھٹک گئی اور اس خدا کی ذات کی کیفیت کو نہیں پاسکا اور نہ ہی اس پر محیط ہو سکا اس لئے کہ وہ عزت والا بلند پروردگار کسی مخلوق کے علم کے احاطے میں آنے سے بہت ہی برتر ہے۔ یہ اس لئے کہ اگر مخلوق خالق پر محیط ہوتی تو مخلوق خالق سے برتر ہوتی۔ اور خدا اس سے بہت ہی اعلیٰ ہے بلکہ مخلوق خالق کی ذات پر محیط ہونے سے عاجز ہے اور خالق اپنی تمام خلقت پر محیط ہے اس سے زمین و آسمان میں کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں اور بلاشبہ ہمیں خدا کی ذات کے بارے میں سوچنے سے منع کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خلقت پر غور و فکر کا حکم دیا گیا ہے اور جس نے اس امر کی مخالفت کی وہ ہلاک ہوا۔ اور یہ بالکل حق اور واضح ہے"۔ ۲۶

اسی طرح سیّدنا حمیدالدین کرمانی ایک اور جگہ راحۃ العقل میں لکھتے ہیں اگرچہ مخالفین نے بھی اور خاص طور پر معتزلہ نے اپنی مذہبی کتب کو اپنے مذہب کے ایسے اصولوں سے مزیّن کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے متّصف نہیں ہوتا"۔ ۲۷ لیکن معتزلہ صرف زبانی طور پر موحّدین کی سی

باتیں کرتے ہیں مگر دلوں میں ملحدین کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ اپنی ان باتوں سے نقص کی وجہ سے جبکہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صفات سے موصوف نہیں ہوتا۔ درآنحالیکہ وہ غیر خدا کے مستحق اوصاف کا خدا پر اطلاق کرتے ہیں مثلاً حیؔ، عالم۔ قادر وغیرہ ۲۸ اور اسی حقیقت کو پیر ناصر خسروؒ اپنی مشہور کتاب شش فصل میں یوں ذکر کرتے ہیں۔ انسانی روح کی بقاء اللہ تعالیٰ کی شناخت میں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شناخت اس کی تشبیہ اور تعطیل سے پاک ہو۔ اور تشبیہ اور تعطیل سے پاک توحید اس طرح ثابت ہو سکتی ہے کہ ہم خدا کو دانا، توانا تو ضرور مان لیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ دانائی اور توانائی اس کی وحدت کی علت ہیں چونکہ جس چیز کی کوئی علت ہو وہ خود اس چیز کی معلول ہوتی ہے۔ مگر باری سبحانہٗ تعالیٰ معلول نہیں بلکہ وہ جل جلالہٗ علتوں کا خالق ہے اس کی وحدت کی کوئی انتہا نہیں۔ جب ہم خدا کو واحد کہتے ہیں یا احد کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ کہ وہ گنتی کے اعتبار سے واحد ہے چونکہ ہر عدد کا ایک جُفت ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی جُفت نہیں بلکہ ہم اسے اس لئے واحد کہتے ہیں کہ اس نے عقل اوّل کو واحد پیدا کیا جس کے تحت لطیف و کثیف مخلوقات آتی ہیں۔ خدائے تعالیٰ علّت و معلول، صفت و موصوف، حد و محدود یہاں تک کہ ہستی و نیستی سے بھی برتر ہے چونکہ ہستی کی ضد نیستی ہے مگر خدا ضد سے ماورا ہے خدا کے ساتھ کسی چیز کی اضافت کرنا محال ہے اس لئے کہ اضافت قبول کرنا مخلوق کی صفت ہے لیکن اگر ہم خدا کی طرف کسی صفت کی اضافت کریں بھی

لیں تو یہ صرف مجازاً اور ضرورت کے طور پر جائز ہے ورنہ خدا ان تمام چیزوں سے ماوراء ہے۔ ۹؎

پیر ناصر خسروؒ جامع الحکمتین میں خالقِ کائنات کے اثبات اور اس کے واحد ہونے کے بیان میں یوں فرماتے ہیں۔

صانع کے اثبات میں ہم کہتے ہیں کہ تمام انسان اپنے گوناگوں اخلاق اور عقیدوں کے ساتھ دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک تو یہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے اور اس کا کوئی صانع اور خالق نہیں ہے اور نباتات اور حیوانات عقل و افلاک و انجم کی صنعت گری کا نتیجہ ہیں اور یہ عقل افلاک و انجم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ دوسرا گروہ جو صانع عالم کا قائل ہے اور وہ بھی دو گروہوں میں منقسم ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صانع عالم ایک نہیں بلکہ عالم کے ایک سے زیادہ صانع ہیں جیسے عیسائی جو یہ کہتے ہیں کہ صانع تین ہیں یعنی باپ بیٹا اور روح القدس" اور ثنوی کہتے ہیں کہ صانع دو ہیں ایک یزدان دوسرا اہرمن، یہ لوگ نور و ظلمت کو قدیم مانتے ہیں۔ اب رہا وہ گروہ جو یہ کہتا ہے کہ صانع عالم ایک ہے مگر صانع عالم کو ایک ماننے کے باوجود یہ گروہ پانچ فرقوں میں منقسم ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ صانع تو ایک ہی ہے مگر معبود ایک سے زیادہ ہیں مگر یہ لوگ بت پرست ہیں کہ خدا کے قائل تو ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ ہم بتوں کو خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے پوجتے ہیں چنانچہ خداوند تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۳۹/۳)

ترجمہ: یعنی جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کارساز بنایا ہے

(وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے ہیں مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں۔

اہلِ تاویل نے کہا کہ یہ قول ان افرادِ امّت کے قول سے مشابہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی عترت کے علاوہ بھی ان لوگوں کو دوست رکھنا چاہئے جن کے ذریعے ہم خدا سے قربت حاصل کر سکیں۔

دوسرا فرقہ مسیحوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ خدا تین ہیں اور تینوں ایک ہیں اور قابلِ پرستش ہیں۔ تیسرا فرقہ ثنویوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ قدیم دو ہیں لیکن معبود ایک ہے جو یزدان ہے۔ چوتھا فرقہ فلسفیوں کا ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ خلق کے لئے خدا کی پرستش لازم نہیں بلکہ پرستش کے بجائے خدا کی ذات، قدرت، عظمت اور اس کے مالک ہونے کا علم لازم ہے۔ پانچواں فرقہ موحدوں کا ہے جن کا کہنا ہے کہ خدا ایک ہے اور وہی معبود ہے۔ ۱۰؎

معزز خواتین و حضرات! جیسا کہ آپ نے سیدنا پیر ناصر خسروؒ کی بحث سنیں کہ توحید کے بارے میں مختلف مکاتبِ فکر میں اس کی ذات و صفات کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے داعیوں نے اور اماموں نے خداوند تعالیٰ کو ذات و صفات سے مبرّا قرار دے دیا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ خطبہ اوّل میں حضرت امیرالمومنینؑ نے یہی خطوط مقرر فرمائے ہیں جن پر ہمارے داعیوں نے عقیدۂ توحید کو پروان چڑھایا ہے مثلاً نہج البلاغہ میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

"تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں۔ جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے، نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اُسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں، اس کے کمالِ ذات کی کوئی حد معیّن نہیں، نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں، نہ اس کی ابتداء کے لئے کوئی وقت ہے جسے شمار میں لایا جا سکے، نہ اس کی کوئی مدّت ہے جو کہیں پر ختم ہو جائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا۔ تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں۔ دین کی ابتداء اس کی معرفت ہے کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے کمالِ تصدیق توحید ہے کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمالِ تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور یہ موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس نے الٰہی کے علاوہ صفات مانے اس نے ذات کا ایک دُوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی۔ جس نے دوئی پیدا کی اس نے اسی کے لئے جُز بنا ڈالا۔ اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اس کو قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اُسے قابل اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کر دی اور جو اُسے محدود سمجھا وہ اُسے دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا۔ جس نے کہا وہ کسی چیز میں ہے اس نے اُسے کسی شے کے

ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز پر ہے اس نے اور جگہ اس سے خالی سمجھا وہ ہے ہُوا نہیں موجود ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا، وہ ہر شے کے ساتھ ہے لیکن بطور ہمسر نہیں۔ وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے لیکن اس سے کنارہ کش نہیں وہ فاعل ہے لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں۔ وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جبکہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی وہ یگانہ ہے اس لئے اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر وہ پریشان ہو جائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جس سے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے بیتاب ہوا ہو۔"

خواتین و حضرات! اگرچہ حضرت امیرالمومنینؑ نے توحید کی حقیقت کو سمجھانے میں بندوں کے لئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اسی طرح حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوٰۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو "اسلام میرے مورثوں کا مذہب" میں یوں واضح کرتے ہیں۔ "دو باتیں یہودی وحدانیت کو اسلامی وحدانیت سے بنیادی طور پر مختلف کر دیتی ہیں۔ خدا تمام باتوں کے باوجود بنی اسرائیل کے لئے ایک قومی اور نسلی خدا بن کر رہ گیا ہے اور اس کی شخصیت اس کے اعلیٰ مظاہر سے جو کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہیں بالکل جدا ہو گئی ہے۔ ہندوستان اور چین ایسے دور افتادہ ملکوں میں عقیدۂ توحید کی خالص شکل شرک، بُت پرستی اور کثرت پرستی کی وجہ سے ایسی خراب ہو چکی تھی

کہ اسے الحاد سے ممیز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ مقبول اور افسانوی مذاہب سچی اور قطعی توحید سے پیدا ہونے والے مذہب سے بہت کم مشابہت رکھتے تھے۔ مسیحیت نے مسلمانوں کے لئے اپنی قوت اور معنویت زائل کردی تھی۔ اس لئے کہ اس نے اپنے عظیم اور عالی شان بانی کو انسانی حیثیت میں نہیں بلکہ خدا کی حیثیت میں دیکھا جو انسان کی شکل میں متجسم ہوگیا تھا چنانچہ اس بات کی قطعی ضرورت پیش آئی کہ محمدؐ پر جو دوسروں کی طرح ایک انسان تھے اُس تعلق کے بارے میں وحی نازل ہو — جو ذاتِ باری اپنی خلق کردہ کائنات سے ہے۔ اس طرح انسان نے جب ایک بار جوہرِ وجود کو کھو لیا تو چونکہ وہ خود اپنی روح کی قدر و قیمت جانتا ہے اس لئے اس کا یہ فرض ہے کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کرے۔ جو کائناتی روح کی طرف اس کی جزئی اور انفرادی روح کی مسلسل رہنمائی کرتا رہے اور اُسے اس کائناتی روح سے ملادے۔ جس کے غیر محدود مظاہر میں سے ایک مظہر وہ کائنات ہے جسے ہم اپنی محدود نگاہ سے اپنے مقدور کے مطابق دیکھ پاتے ہیں۔ پس اسلام کے بنیادی اصول کی تعریف ہوسکتی ہے کہ وہ یک حقیقیت MONOREALISM ہے۔ نہ کہ ایک وحدانیت MONOTHEISM [۱۲]

خواتین وحضرات! ہمارے اماموں نے خداوند تعالیٰ کو ایک حقیقت سے تشبیہہ دی ہے اور یہی وجہ ہے کہ حقیقت انسانی عقل سے ماوراء ہوتی ہے اور پیر ناصر خسروؒ اس حقیقت کا اپنی کتاب روشنائی نامہ میں یوں ذکر کرتے ہیں۔

بنامِ کردگار پاک داور : کہ ہست از وہم وعقل وفکر برتر
ترجمہ: باری سبحانہٗ وتعالیٰ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جو وہم وعقل اور فکر کی رسائی سے بالا و برتر ہے۔
ہمو اوّل، ہمو آخر ز مبدا : نہ اوّل بود و نے آخر مر ورا
لیکن وہی مبدا (یعنی عقلِ اوّل کی نسبت) سے اوّل بھی ہے اور وہی آخر بھی ہے مگر ذاتی طور پر نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔
خرد حیران شدہ از کنہ دانش : منزّہ دان ز اجرام و جہانش
ترجمہ: یعنی عقل و دانش اس کی ذات پاک کی حقیقت سمجھنے سے قاصر اور حیران رہ گئی ہے اس کو اجسام و اطراف کے تعیّن اور حد بندی سے پاک و برتر سمجھنا۔
کجا اورا بچشم سر تواں دید : کہ چشم جان توا ند جان جان دید
ترجمہ: سر کی آنکھ سے اس کو کہاں اور کیسے دیکھا جاسکتا ہے جبکہ روحانی آنکھ سے صرف جان کی جان نفس کلی کو دیکھا جاسکتا ہے۔
وراي لامکانش آشیاں است : چہ گویم ہر چہ گویم بیش ازاں است
ترجمہ: اس کا مقام لامکان سے ماوراء ہے۔ میں اس کی توصیف میں کیا کہوں۔ جو کچھ کہتا ہوں وہ اس سے بڑھ کر ہے۔
صفات و ذاتِ او ہر دو قدیم است : شدن واقف درو سرِ عظیم است
ترجمہ: اس کی ذات وصفات دونوں قدیم ہیں ان سے واقف ہونا ایک عظیم راز ہے۔ [۱۳]

مذکورہ بالا بیانات سے بہت جلد آپ کے اس موقف کو معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے خیال میں ان بنیادی مسائل کی کتنی اہمیت ہے۔ آپ نے علمِ توحید ہی کو ارواح بشر کی سعادت اور

نجات کا باعث سمجھا ہے۔ پیر موصوف نے ذاتِ باری کو تمام سلبی اور ثبوتی اوصاف سے منزّہ قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ باری سبحانہٗ ان اوصاف سے بالاتر ہے چونکہ کسی کو ثابت یا مسلوب اس وقت کیا جاسکتا ہے جس وقت اس پر عقل حاوی ہو لیکن ذاتِ خدا وند احاطہ عقل سے ماوراء ہے۔ لہٰذا سلب و ثبوت دونوں سے خدا کی ذات منزّہ ہے۔ [14]

حوالہ جات

۱۔ ناصر خسروؒ زاد المسافرین ص ۱۴۶-۱۴۷
۲۔ " جامع الحکمتین ص ۳۲ (اردو ترجمہ غیر مطبوعہ) مترجم جون ایلیا
۳۔ ششش فصل ص ۴
۴۔ ابویعقوب سجستانی کشف المحجوب چاپخانہ انستیتو ایران و فرانہ تہران ۱۹۴۹
۵۔ حمید الدین کرمانی راحۃ العقل ص ۴۲ دار الفکر عربی القاہرہ مصر ۱۹۵۲
۶۔ ابوحاتم الرازی اعلام النبوۃ ص ۳۹-۴۰ ایران انجمن شہنشاہی فلسفۂ ایران
۷۔ حمید الدین کرمانی راحۃ العقل ص ۵۲
۸۔ " " ص ۵۲
۹۔ ناصر خسروؒ ششش فصل ص ۴-۵
۱۰۔ " جامع الحکمتین (اردو ترجمہ غیر مطبوعہ) مترجم جون ایلیا
۱۱۔ حضرت علی علیہ السّلام نہج البلاغہ ص ۱۱۹ تا ۱۲۳ مترجم رئیس احمد جعفری شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز لاہور حیدرآباد کراچی
۱۲۔ حضرت امام سلطان محمد شاہؒ اسلام میرے موروثوں کا مذہب ص ۱۴-۱۵ مترجم جون ایلیا
۱۳۔ ناصر خسروؒ روشنائی نامہ مترجم علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
۱۴۔ " وجہ الدین مترجم علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

وجہِ دین پر ایک نظر

تحریر: حضور مکھی عبداللہ جان ہنزائی

بنامِ کردگارِ پاک داور : کہ ہست از وہم و فکر و عقل برتر
ہم او اوّل ہم او آخر ز مبداء : نہ اوّل بودہ نہ آخر مراورا

ترجمہ: باری سبحانہٗ و تعالیٰ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جو وہم و عقل اور فکر کی رسائی سے بالا و برتر ہے۔ وہی مبداء (یعنی عقل اوّل کی نسبت سے) اوّل بھی ہے اور وہی آخر بھی ہے۔ لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے نہ اس کی ابتداء ہے اور نہ انتہا۔

حمد و سپاس باری سبحانہٗ تعالیٰ کی ہے جس نے بنی نوع انسان کو عقلِ سلیم کی نعمت سے نوازا اور اس عقل کی رُو سے اپنی ذات والاصفات کی پہچان کرائی اور یہ پہچان نہ صرف ظاہری صورت میں ہوئی بلکہ آفاق و انفس کی گواہی سے انسان اس کے باطنی عرفان سے بھی مالا مال ہوا۔ چنانچہ علم و حکمت و معرفت کے متلاشی کائنات میں موجود اشیاء کی حکمتوں اور سربستہ رازوں کے جاننے پر تُلے رہے۔ اور دینِ فطرت کے بھیدوں کی گتھیاں سلجھانے میں محو رہے۔ لیکن ماضی کے جن بزرگان نے دین کا سہارا لیا ہے انہی پر حقیقتِ دین منکشف ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین و دنیا کے حقائق کا انکشاف صرف اُنھیں ہستیوں پر ہوا ہے جنھوں نے اس مادی دنیا میں رہ کر ہر ذی حیات و غیر ذی حیات شئے کو باطنی آنکھ سے

دیکھنے کا جتن کیا ہو۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش ہی سے اس کرّۂ خاک کے ہر قطعے میں اور ہر دور میں چند ایسی مخصوص ہستیاں گزری ہیں جنھوں نے انبیاء و اولیاء کے رنگ و روپ میں آکر اپنے دور کے لوگوں کی رہنمائی کی ہے۔ اور حقیقت دنیا و دین کی آگاہی دی ہے۔ علاوہ ازیں چند ہستیاں ایسی بھی گزری ہیں جنھوں نے ان انبیاء و اولیاء علیہم السّلام کی پیروی کی۔ انؐ کے نقشِ قدم پر چلے اور چشمِ باطن سے روحانی عالم کا مشاہدہ بھی اُنہیں نصیب ہوا۔ اور اپنی رُوحانی و دینی بصیرت سے لوگوں کو صحیح راستے کی نشاندہی کی اور اس پر چلنے کی تلقین کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم ان اہلِ معرفت و اہلِ دانش و بینش کے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اور خصوصاً ہم جو اہلِ باطن ہیں اور جن کے پاس ایک انسانِ کامل بصورت امام زمانہؑ ہمہ وقت موجود ہے۔ ہمیں ان باطنی علوم و مشاہدات کی بدولت اس ہادیٔ برحق کی پہچان حاصل ہوئی ہے۔

اسماعیلی دُعاۃ میں بہت سارے نامور داعی ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو علم و حکمت اور عقل و فہم میں یکتائے زمانہ تھے انہی میں سے سیّدنا حضرت پیر ناصر خسروؒ القبادیانی بھی ایک ایسی عظیم ہستی ہو گزری ہے جس نے دینِ فطرت کے عظیم اسرار و رموز اور حکمت و تاویل سے اہلِ علم کو روشناس کرایا اور یوں اپنے علم و فضل اور کشف و کرامات کو تائیدِ امام زمانہؑ کے ساتھ دنیائے اسماعیلیت میں اس علم و حکمت کا ایک گرانبہا خزانہ بطور ورثہ چھوڑا اور خصوصاً وسطی ایشیاء جو ان کے حلقۂ دعوت میں شامل تھا یہاں پر ان باطنی علوم و

حکمتوں کا پرچار کیا اور آج بھی یہ وسیع علاقہ ان کی ان تعلیمات کے زیرِ اثر ہے۔ اور ان کے اس علمی اثاثے سے یہاں کے لاکھوں اسماعیلی آج تک مستفیض ہو رہے ہیں اور اسماعیلی مذہب سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت پیرؒ کے ان علمی نوادرات میں سے ایک نہایت ہی نادر کتاب "وجہِ دینؒ" کے بارے میں آج کے اس مقالے میں کچھ تعارفی کلمات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

کتاب وجہِ دین دنیائے اسماعیلیت کے ایک ایسے نامور حکیم و فلسفی کا وہ عظیم شاہکار ہے جو اپنے علمی و تاویلی نکات نیز دینِ اسلام کے اسرار و رموز کے اعتبار سے دنیائے تاویل و حکمت میں فاطمی اسماعیلی نظامِ فکر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ یہ اس عظیم حکیم کی یادگار ہے جن کی زندگی حصولِ علم و حکمت میں بسر ہوئی اور جن کی زندگی کا ہر پہلو بذاتِ خود ایک دلچسپ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

سیّدنا حضرت پیر ناصر خسروؒ نے ایک دولت مند گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اور ان کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی تھی لیکن حصولِ علم و حکمت کی راہ میں عیش و عشرت ہرگز حائل نہ ہو سکی۔ چنانچہ بچپن ہی سے آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ اور اس کے بعد تمام علوم متداولہ عقلی و نقلی سے اپنے آپ کو مزیّن کیا جن میں خصوصاً علمِ عروض و قوافی، صرف و نحو، نجوم و ہیئت، اقلیدس و مجسطی وغیرہ شامل تھے۔ سلے اس کے بعد فقہ و حدیث کا خاص مطالعہ کیا اور فلسفۂ یونان پر بھی توجہ دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارسطو، افلاطون اور سقراط

کے نظریات سے استفادہ کیا[2] اس کے بعد مختلف مروّجہ زبانوں یعنی عربی، ترکی، یونانی اور عبرانی وغیرہ پر دسترس حاصل کی[3] فارسی تو ان کی مادری زبان تھی۔ چنانچہ اپنے علمی تبحّر کے بارے میں حضرت پیرؔ (ق س) کو یوں کہنا پڑا۔

منگر بدین ضعیف تنم زانکہ در سخن
زین چرخ پُر ستارہ فزونست اثر مرا [4]

ترجمہ: تو اس لاغر جسم کو نہ دیکھ بلکہ اس میں جو (علم و حکمت) کی باتیں ہیں وہ ستاروں سے بھرے اس آسمان سے بھی بہت آگے ہیں۔

سیّدنا موصوف (ق س) علوم متداولہ کے علاوہ تمام علوم الٰہیات اور مذاہبِ عالم سے بھی بخوبی واقف تھے چنانچہ آپ نے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ کا بھی بخوبی مطالعہ کیا تھا اور ان پر محققانہ نظر ڈالی تھی۔ جب آپ کی عمر شریف آدھی گزر گئی تو آپ ایک عدیم المثال حکیم، نامور فلسفی، متبحّر عالم و فاضل اور ایک عظیم شاعر کے رنگ و روپ میں دنیائے علم و حکمت اور ادب میں نمایاں ہوگئے۔ البتہ ان میں ایک اور نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ تقلیدی نہیں تھے بلکہ وہ کسی اور چیز کی تلاش میں رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھیں اسی تلاشِ حقیقت اور حصولِ حق و معرفت کی خاطر اپنے تمام جاہ و جلال اور ناز و نعمت کو ٹھکرانا پڑا اور بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس منزل کو پانے کے لئے انہوں نے صحرانوردی بھی کی اور ہر آزمائش سے گذرے لیکن ہمّت نہ ہاری۔ چنانچہ اسی تلاشِ حقیقت میں اُن کا سفرِ مغرب اور اس سے متعلق ان کا سفرنامہ اُس ہم جوئی

کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ چونکہ آپ حقیقت کے متلاشی تھے اور جوئندہ یابندہ کے بمصداق آپ کو سرزمین مصر میں یہ دُرِّ بے بہا بالآخر دستیاب ہوا۔ یہ دور فاطمی خلیفہ حضرت امام المستنصر باللہ علیہ السلام کا تھا۔ یہاں پر سب سے پہلے سیّدنا المؤید فی الدین شیرازی سے آپ کی ملاقات ہوئی اور انھیں کی وساطت سے حضرت امامؑ کے حضورِ اقدس میں شرفِ باریابی نصیب ہوا اور بالآخر امامؑ کی بیعت سے بھی فیضیاب ہوئے جس کے نتیجے میں آپ پر علمِ لدّنی اور کشف و کرامات کے دروازے وا ہوئے اور خواب میں جس روحانی طبیب کی طرف اشارہ ملا تھا آج وہ خود اس روحانی طبیب کے حضورِ اقدس میں موجود تھے اور یوں اُن کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو رہا تھا۔ وہ خود اس واقعے کے یوں معترف ہیں۔

ہر جانِ من چو نور امامِ زمانؑ بتافت
لیل السرار بودم و شمس الضحیٰ شدم [5]

ترجمہ:— جب میری جان پر امامِ زمانؑ کے نور کی کرنیں پڑیں تو میں قبلاً جو اندھیری رات کی مانند تھا پھر میں چمکتا ہوا سورج بن گیا۔

چنانچہ اس روحانی تائید کے بعد آپ نے جو علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور ان کا یہ علمی خزانہ جو بندگانِ علم و حکمت و ادب کے لئے لافانی ہے۔ آپ کی تصانیف میں خصوصاً دیوانِ اشعار، خوان الاخوان، گشائش و رہائش، جامع الحکمتین، روشنائی نامہ، شش فصل، سفرنامہ، بستان العقول، زاد المسافرین، وجہِ دین، دلیل المتحیرین، کنز الحقائق،

اختیار الامام، اور دیگر کتب و رسائل شامل ہیں۔

حضرت پیر ناصر خسرو قدس سرہٗ کی درج بالا کتب میں ان کے مرکزی موضوعات، ذاتِ باری تعالیٰ، تکوینِ کائنات (COSMOLOGY) علم و حکمت، نبوت، امامت اور حیات بعد الموت وغیرہ ہیں لیکن تنزیل و تاویل کے استنباط سے ارکانِ شریعت اسلام کی جو تشریح و تفسیر فرمائی۔ ہے وہ کتاب وجہِ دین میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ فقہی مسائل کی تشریح کی کتاب بھی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ کتاب وجہِ دین کے بارے میں چند محققین کی آرا پیش کی جاتی ہیں۔

جناب تقی زادہ کتاب وجہِ دین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"کتاب وجہِ دین میں احکامِ شریعت کو اسماعیلی طریق کے مطابق تاویلات اور باطنی عبارات میں پیش کیا گیا ہے اور یہ کتاب ۴۵۳ھ کے بعد لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں اس کا ذکر زاد المسافرین میں آیا ہے۔ سلے

مزید برآں جناب تقی زادہ رقمطراز ہیں:۔

"اس کتاب کا ذکر بیان الادیان میں بھی آیا ہے، مگر یہ کتاب اب نایاب ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس وجہِ دین کے دو نسخے شغنان (علاقہ پامیر روس) کے اسماعیلیوں میں ناصر خسروؒ کی دیگر کتب و رسائل میں جو ان سے منسوب ہوتے تھے روس کے فضلاء میں سے ایک باسم زارو بین کے ہاتھ لگے۔ ان میں سے یہ نسخے لینن گراڈ (پیٹرز برگ) میں ہیں۔ روس میں قیام کے دوران اُن نسخوں میں سے ایک نسخہ حاصل کیا اور اُسے ۱۳۰۶ھ میں برلن لے جایا گیا جہاں پر علامہ پروفیسر براؤن کی مالی مُعاونت سے

یہ کتاب "وجہِ دین" اس عکسی نسخے سے طبع ہوئی۔ یہ کتاب احکامِ شرعیہ کی تاویل پر مشتمل ہے اور جو باطنی عقائد سے متعلق ہیں"۔ کے

جہاں تک کتاب وجہِ دین کے نسخوں اور مختلف ایڈیشنوں و ترجموں کا تعلق ہے اس سلسلے میں اب تک تین قسم کے ایڈیشن دستیاب ہوئے ہیں اس کا ذکر بھی اس مقالے میں کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

جناب پروفیسر عبد الغنی مرزا ایف کی تحقیق کی روشنی میں اب تک وجہِ دین کے گیارہ نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ کتاب وجہِ دین کے نسخوں کے حصول میں کافی مشکلات حائل تھیں اولاً یہ کتاب سراسر اسماعیلی عقائد اور تاویلی پہلوؤں کی بناء پر غیر اسماعیلیوں کو اس کے مطالعے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔ دوئم یہ کہ یہ کتاب صرف اسماعیلی قائدین کے سوا کسی اور کے پاس ممکن نہ تھی لیکن پروفیسر زارو بین واحد شخص تھا جس نے بیسویں میلادی کے ابتدائی زمانے میں پامیر کے اسماعیلی معتقدین میں عمر گزاری اور وہاں کے قائدین کے ساتھ قریبی تعلقات و مراسم قائم رکھے۔ اس بناء پر یہاں کے لوگوں کی مقامی زبان بھی سیکھ لی۔ یہاں پر انھیں وجہِ دین کے دو نسخے ملے اور پھر اپنے وطن پیٹرو گراڈ واپس آکر ان دونوں نسخوں کو ایشیاٹک اکیڈیمی رشیاء کتاب خانۂ موزہ ای آسیائی اکادمی علوم روسیہ میں پیش کیا اور یوں کتاب وجہِ دین اصحابِ تحقیق کے ہاتھوں لگی۔ شہ

لیکن اسماعیلی عقائد کے اس منبع کو پہلی بار مرتب کر کے نشر کرنے کا سہرا مرحوم تقی زادہ کے سر ہے۔ جنھوں نے ۱۳۰۳ھ/۱۹۲۴ء میں کاویانی پریس برلن سے شائع کیا۔ اور

اس کا دوسرا ایڈیشن تہران سے ۱۹۶۹ء کا ہے ۔ جو کتابخانۂ طہوری سے شائع ہوا تھا ۔ اور اب اس کا جو تیسرا ایڈیشن سامنے آیا ہے یہ بہ تصحیح و تحشیہ مقدمہ از غلام رضا اعوانی ہے اور اس کا انگلش تعارف سیّد حسین نصر نے پیش کیا ہے جو انجمن شاہنشاہی فلسفۂ ایران شوال ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء کا چھاپ شدہ ہے ۔ اس موجودہ ایڈیشن کے بارے میں جناب سیّد حسین نصر لکھتے ہیں ۔

" یہ موجودہ اشاعت اس اہم کتاب کا تنقیدی ایڈیشن ہے ۔ اور پہلی بار اب تک موجود قدیم ترین نسخے سے استفادہ کیا گیا ہے جو ۱۰/۱۶ صدی قبل سے تعلق رکھتا ہے اس کی اصل بنیاد سینٹ پیٹر برگ کا نسخہ ہے اور ان نسخوں کی تفصیل یوں ہے ۔

(۱) آج تک موجودہ قدیم ترین نسخہ ۹۲۹ھ / ۲۳ھ سے تعلق رکھتا ہے جو برٹش میوزیم میں موجود ہے جس کا ذکر ڈبلیو ایوانوف نے (PROBLEMS IN NASIR-I-KHUSRAW'S BIOGRAPHY.) کے ص ۵۹ میں کیا ہے ۔

(۲) برلن ایڈیشن جس کی بنیاد ۱۳۲۹ء کا لکھا ہوا نسخہ ہے اور یہ سیّد شہزادہ محمد کے ہاتھ کی لکھائی ہے ۔

(۳) وہ نسخہ جو ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء کا ہے ۔ تہران یونیورسٹی میں مائیکرو فلم (MICRO FILM) کی شکل میں ملا اور یہ یونیورسٹی کی لائبریری کو ڈبلیو ایوانوف نے خود پیش کیا ۔ [9]

بہر حال غلام رضا اعوانی برلن ایڈیشن کو غلطیوں سے بھرپور قرار دیتا ہے ۔ [10]

جہاں تک کتاب وجہ دین کو دیگر زبانوں میں منتقل کرنے

کا سوال ہے آج تک کسی بھی یوروپی زبان میں اس کا ترجمہ منظرِ عام پر نہیں آیا ہے ۔ البتہ حضرت پیر کے اس علمی خزانے کو جناب علامہ نصیر الدین نصیر ہنزائی نے ۱۹۶۷ء میں اُردو زبان کا جامہ پہنایا ہے جو دو جلدوں میں ہے اور یوں عوام تک اس کتاب کی رسائی ہو گئی ہے ۔

وجہ دین کے مقدمے کو پڑھنے سے بھی اس کتاب کے بارے میں چند اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں ۔ مقدمے میں لکھا گیا ہے ۔

" کتاب کا موضوع خود اس کی بزرگی پر دلالت کرتا ہے ۔ جسے مؤلف نے اسماعیلی مذہب کے لئے لکھا ہے ۔ اور اگر کوئی ناصر خسروؒ کے عقائد میں ان کے فلسفہ و حکمتِ الٰہی جاننے کے لئے زاد المسافرین کی طرف دقّتِ نظر سے ملاحظہ کرے گا تو وجہ دین سے بھی انہیں عقائد کو استنباط کر سکے گا ۔ نیز اس کی فارسی (وجہ دین) کی عبارات کی ترتیب و ترکیب اور طرزِ تحریر بھی حکیم کی دوسری تصنیفات سے مکمل مشابہت رکھتی ہے ۔ اس طرح کے ہر ذوقِ سلیم رکھنے والا فارسی کی جدّتِ اسلوب کا (جو وجہ دین میں ہے) ناصر خسروؒ کی دیگر کتابوں سے موازنہ کرکے فوراً ادراک کر سکتا ہے ۔ [11]

پروفیسر حسین نصر اس کتاب کے بارے میں رقمطراز ہیں ۔

" ناصر خسرو کی دوسری فلسفیانہ تصانیف کی طرح یہ تصنیف بھی اسماعیلی مفکّرین مثلاً ابو حاتم الرازی ، ابو یعقوب السجستانی ، احمد ابن ابراہیم نیشاپوری ، حمید الدین الکرمانی اور المؤید فی الدین الشیرازی ، کے طویل سلسلۂ تصانیف میں سے ایک ہے ۔ جن کی تعلیمات ایک لحاظ سے ناصر خسروؒ کے ساتھ ہی نقطۂ عروج پر پہنچ گئیں ۔

ناصر خسروؒ کے ساتھ ہی فاطمی فلسفہ عقلی بلوغت اور ظاہری خوبصورتی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ ان کی تصانیف نے فارسی کی فلسفیانہ نثر اور اسلامی فلسفہ دونوں پر انمٹ نقش چھوڑا ہے۔ [۱۲]

اب ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ حضرت پیر خود اپنی اس کتاب کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

" میں نے اس کتاب کو تالیف کرنا اپنے ذمّے ایک اہم ترین فرض سمجھا جو شہادت، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، ولایت، امر و نہی وغیرہ جیسی شرعی بنیادوں کی تشریح و تاویل پر مشتمل ہو۔ اور ہم نے اس کتاب کا نام دین کا چہرہ رکھ دیا۔ اس لئے کہ انسان تمام چیزوں کو صرف ان کے چہروں سے ہی پہچان سکتا ہے، جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا، وہ دین کو پہچان لے گا اور پہچانتے ہوئے دین پر عمل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے عمل کے معاوضے کے قابل ہو سکے گا ......

وجہِ دین میں اکاونؔ گفتاروں کی تخصیص اس لئے رکھی گئی ہے کہ مسلمان دن رات میں جو نمازیں پڑھتے ہیں، ان کی رکعات کی تعداد بھی اکیاونؔ ہے۔ اور اس کتاب سے ان پر عمل شرعی کی تاویل ظاہر ہو جائے گی۔ ہم نے اس کتاب کو اکاونؔ گفتاروں پر مکمل کیا ہے۔ اور ان اعداد کو درست کیا جو سنت و فرض نماز کی رکعات کے اعداد پر تھے۔ جو دن رات میں ایک مومن کو فرض و سنّت کی ادائیگی میں ان گفتاروں کے حقائق کے جاننے میں خدائے تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو۔ [۱۳]

درج بالا ان چند اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے

کہ کتاب وجہِ دین واقعتاً حضرت پیر کے علمی تبحر کا نچوڑ ہے کیونکہ یہ کتاب انھوں نے اپنی عمر کے آخری حصّے میں تحریر کی ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ کتاب زیادہ مستند مانی جاتی ہے۔ اور خود حضرت پیر کو بھی اس کتاب کی تالیف کا زیادہ احساس تھا تاکہ علم تاویل کے ذریعے دینِ اسلام کا چہرہ پیش کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں حضرت پیر عمر کے اس حصّے میں زندگی گذار رہے تھے۔ جس وقت کہ آپ خود حجت، بدخشان و خراسان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو چکے تھے اور دعوت کے کام میں مصروفِ عمل تھے۔

علاوہ ازیں اس کتاب کے متن کے بارے میں پروفیسر سیّد حسین نصر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

" وجہِ دین تاویل کے سلسلے میں ناصر خسروؒ کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ انہوں نے اکاون (۵۱) گفتاروں میں مذہب کے ہر پہلو پر بحث کی ہے۔ جس میں قرآن مجید کی خاص خاص آیات کی تفسیر سے لے کر شرعی احکامات تک تفصیلاً بحث کی ہے۔ انھوں نے تاویل کے راستے کو اپنایا ہے۔ جس کے لفظی معنی کسی چیز کو اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹانا ہے۔ ظاہر سے باطن کی طرف، مذہب کے باطنی معنی کو ظاہر کرنا اور ظاہری آداب و رسومات کا باطنی روحانی زندگی سے تعلق پیدا کرنا مُراد ہے۔" [۱۴]

یہاں یہ بات مزید وضاحتاً بتانا مناسب ہوگا کہ اس پُر حکمت کتاب میں جس قدر ابواب ہیں۔ اور اُن میں جن آیات قرآنی و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے پیر ناصر نے استدلال کیا ہے، وہ صرف اہلِ علم و دانش کے لئے کافی ہیں اور یہی عقلی استدلال اور دین کا باطنی پہلو

دراصل حضرت حکیم ناصر خسروؒ کے نزدیک معرفت دین اور حصول ایمان ہے۔ کیونکہ قرآن کی ہر آیت و حدیث رسول مقبول صلعم، پیغمبران ناطقؑ، ائمہ برحقؑ، داعیان مذہب اور حجت خدا تعالیٰ کا وجود ثابت کرتی ہے۔ اس لحاظ سے سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ کا طرزِ تحریر عام تحریروں سے ہٹ کر خالص فلسفیانہ و حکیمانہ ہے اور انکا یہ استدلال بھی عقل و منطق کی بنیاد پر ہے۔

حضرت پیر کی فکر و نظر میں جو بات مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہ اُن کے نزدیک کسبِ علم اور معرفت دین ہے۔ اور یہی وہ اہم پہلو ہے جس کی وجہ سے وہ دیگر اہل علم و نظر میں ممتاز و مشخّص نظر آتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اس بارے میں جناب عبدالمحسن کے اُس مقالے کے حوالے سے حضرت پیرؒ کی مخصوص فکر و روش کو جامعاً پیش کیا جائے جو وجہِ دین کے حوالے سے "یاد نامۂ ناصر خسروؒ" میں شاملِ اشاعت ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ "حکیم ناصر خسروؒ کی مخصوص روش و فکر میں علم و ادب فلسفہ و دین اور عرفان وغیرہ باہم یوں گھل مل گئے ہیں۔ اور اُن اجزاء کی آمیزش سے انھوں نے اپنی سوچ کو یوں تشکیل دیا ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی جدا کیا جائے تو گویا ان کا کل فلسفہ اور ماہیت کو اُن سے جُدا کرنے کے مترادف سمجھا جائے گا۔ اور نتیجتاً ان کے فکر و نظر کی غلط ترجمانی بھی ہوگی"۔

چنانچہ موصوف اپنے مقالے میں معترف ہیں کہ حضرت حکیم ناصر خسروؒ نے ان تمام مختلف ممالک کے مقابلے میں حسّ و تجربہ استدلال و ذہنی فعالیت اور الہام و اشراق یعنی (INTUTION) کو سمعی و تشریعی متن سے التیام و اتحاد کرکے

رکھ دیا ہے۔ اور ان تمام اجزاء کو یکجا کرکے دکھایا ہے۔ ۱۵

بس یہی حضرت پیرؒ کی خوبی ہے کہ آپ نے ان تمام افکار و نظریات کو ٹھکرانے کی بجائے ان سب پر عمل کرکے ان کو ناگوں ذہنی و فکری اعمال و افعال کو ایک ہی حقیقت کے رنگ و روپ میں پیش کیا ہے۔ حتٰی کہ آپ نے ہندو داناؤں اور حکماء کا بھی ذکر کرکے ہندو مذہب کے دانشمندوں کو بڑے بڑے پرہیزگار میں شمار کیا ہے۔ ۱۶

چونکہ آپ جملہ علوم حسّی و ریاضی وغیرہ سے بخوبی بہرہ مند تھے اور علوم فقہ و حدیث اور علم الکلام و فلسفہ و منطق و استدلال سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے آپ نے ان جملہ مروّجہ علوم سے بخوبی استفادہ کیا۔ لیکن علوم رمزی و باطنی پر خصوصی توجہ دی اور خصوصاً ولیِّ زمانہ یعنی امام زمانؑ کو بطور حجّتِ خدائے تعالیٰ کامل اہمیت دی ہے اور اس ہستی کو اندرونی روشنی و الہام کا سبب گردانا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت پیرؒ نے ان مختلف آراء و افکار کو باہم ربط میں لاکر ان مختلف نظریات کا نچوڑ حاصل کیا ہے اور اسے اپنا ایمان و اعتقاد دینی سمجھا ہے اور پھر اسی جوہر کا نام صفائی باطن اور روشنی و الہام قرار دیا ہے اور یہی روشنی ان کے نزدیک نجات کا ذریعہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب وجہِ دین میں جو خاص پیغام ہے وہ علم و عمل ہے۔ اس لئے آپ ایک تو دانستنی یعنی حصولِ علم پر زور دیتے ہیں اور دوسرا انجام دہی یعنی عمل پر ہے۔ کتاب وجہِ دین کے مطالعے ہی سے یہ خلاصہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اہلِ دنیا کی باتوں کو سننا (۲) دین کے وظائف کو دوسروں کے لئے بیان کرنا۔

اور پھر جو چیزیں سیکھی ہیں وہ یوں ہیں۔

(۱) احکامِ دین یعنی دستورِ نماز، روزہ، حج کے باطن کو سمجھنا۔

(۲) علم وادب کا سیکھنا پھر دوسروں کو سکھانا۔

(۳) اور سب سے اہم بات علمِ توحید کا سیکھنا جو تمام حقائق کی بنیاد ہے۔ [illegible]

چنانچہ اس علم وکسبِ علم کے بارے میں حضرت پیرؒ نے کتاب وجہِ دین میں ایک جگہ بالصراحت سمجھایا ہے آپ نے علم کو بہشت اور جہل کو دوزخ قرار دیا ہے۔ آپ کے نزدیک جو بھی کام بغیر علم کے کیا جائے اس کا انجام انعام یا صلہ نہیں بلکہ سزا یا جرمانہ ہے اور پھر اس دلیل کے ساتھ آپ وضاحت کرتے ہیں کہ دینِ محمدیؐ پر علم کے ساتھ عمل کیا جائے۔ پس آپ بتاتے ہیں کہ جو شخص دینی عمل علم کے ساتھ سرانجام دیتا ہے وہ انعام کا مستحق قرار پاتا ہے اور یہ انعام اس شخص کے لئے بہشت کا مقام ہے اور جرمانے و سزا جو کہ دوزخ کی مثال ہے اس سے بچ سکتا ہے۔ [illegible]

پھر آپ نے علم وحکمت کو بیان کرتے ہوئے یہ سمجھایا ہے کہ جو شخص شریعت کا عمل علم و دانش سے سرانجام دیتا ہے دراصل وہی دانا ہے اور جس شخص کو حکمت مل گئی گویا اسے بہت زیادہ بھلائی مل گئی جس کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے یعنی " مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا " یعنی جس کسی کو حکمت مل گئی گویا اُسے خیرِ کثیر مل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ

نے جگہ جگہ حصولِ علم ودانش پر زور دیا ہے اور صرف ظاہری علم کو ٹھکرایا ہے، اس بارے میں دیوانِ اشعار میں بھی ایک جگہ بتاتے ہیں:

اگر تو از خرد جستجوئے بیزاری : نہ مردمی وز تو ما بجملہ بیزاریم

یعنی اگر تو عقل و جستجو سے بیزار ہے تو تُو مردوں میں سے نہیں ہے اور تجھ سے ہم سراسر بیزار ہیں۔

جہاں تک دین کے ظاہر و باطن کا تعلق ہے اس بارے میں حضرت پیرؒ نے مدلل بحث کی ہے، اس سلسلے میں آپ بتاتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا کلام اور رسولِ صلعم کی شریعت اپنے باطن ہی کی وجہ سے شریف تر ہے اور جو شخص اس کا باطن نہ سمجھتا ہو وہ دین کے کسی حصّے میں شمار نہیں ہوتا اور رسولؐ اس سے بیزار ہیں یعنی بموجب فرمانِ خدائے تعالیٰ " فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ " (۶ : ۳۵) "پس آپ نادانوں میں سے نہ ہو جاؤ"۔ پھر آپ نے شرعی اعمال کی بجا آوری کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان جملہ احکامات کی تفصیل آنحضرتؐ نے فرمائی تھی۔ اور یہ احکامات مثالیں ہیں جن میں حقائق پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ ان امثال سے ممثول مراد ہے یعنی حقیقت حال کی طرف اشارہ ملتا ہے تاکہ لوگ حقیقت کی راہ جان سکیں اور خدا کے مقرر کردہ رہنماؤں کے ذریعے دوزخ کی آگ سے بچ سکیں۔ پس جو شخص ان ظاہری اعمال کے ذریعے باطن کی تلاش کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی ذات کو پہچانتا ہے اور یوں وہ ناجی بن جاتا ہے اور زمانے کے ابلیس و دیو کے گروہ سے بچ سکتا ہے۔ [illegible]

پس معلوم ہوا کہ محض ظاہری اعمال کی بجا آوری میں کوئی

خاص فضیلت نہیں جب تک علم و دانش سے باطن کے جاننے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ جو چیز ظاہر ہے سو ظاہر ہے اس کے جاننے میں سب برابر ہیں لیکن جو حقائق پوشیدہ ہیں اُن کے جاننے میں سب لوگ برابر نہیں بلکہ صرف اہلِ علم ہی ان باطنی حقائق تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان پوشیدہ اشیاء میں عالمِ لطیف، لوگوں کی جان، عالم کا حدوث، صانع عالم کا اثبات وغیرہ ایسے لطیف حقائق ہیں جنھیں حواس کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس طرح دین کے بنیادی عقائد مثلاً علمِ توحید، اثباتِ نبوّت، بہشت و دوزخ، ثواب و عذاب، حشر و نشر وغیرہ چند ایسے حقائق ہیں جن کے جاننے میں لوگ ایک دوسرے سے فضل و شرف رکھتے ہیں اور یہ درجہ بندی ظاہری نہیں بلکہ معنوی و باطنی ہے۔[20] اور پھر پیرؒ نے اس باطنی علم کا سرچشمہ ہادیٔ برحق جو اپنے دور کا پیغمبر اور پھر امام زمانہؑ کو قرار دیا ہے۔ اس بارے میں بتلاتے ہیں کہ جو امامِ برحق کی اطاعت نہیں کرتا وہ علم حاصل نہیں کر سکتا اور جو علم حاصل نہیں کر سکتا ہے وہ بہشت میں نہیں پہنچ سکتا ہے۔[21] اس لئے حضرت پیرؒ نے ظاہری اعمال کو بدون علم و دانش بے سود قرار دیا ہے اور بلا دلیل تقلیدی عمل کو بے معنی قرار دیا ہے۔ علم و دانش کے بارے میں اُن کا یہ دعویٰ ہے:[22]

ز دانش زنده مانی جاودانی : ز نادانی نه یابی زندگانی

یعنی علم و دانش کی وجہ سے تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور نادانی کی وجہ سے یہ زندگی تجھے نہیں ملے گی۔

علاوہ ازیں علم کی تشریح کرتے ہوئے علم کی دونوں صورتوں

کے بارے میں آپ بتاتے ہیں کہ ایک تو علم اکتسابی ہے اور دوسرا علم عطائی ہے۔ علمِ اکتسابی تو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن علمِ عطائی وہ علم ہے اور اس شخص کے پاس ہوتا ہے جس سے باقی سب لوگ رجوع کرتے ہیں۔ پس ہر زمانے میں ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت ہوتی ہے جس کے پاس علمِ عطائی و تائیدی ہو اور وہ شخص اپنے زمانے کے پیغمبر اور ان کے وصی اور پھر ہر زمانے کے آئمہ علیہم السّلام ہیں اور یہی آفرینش کا مُدعا و مقصد ہے۔[23]

یہی وجہ ہے کہ حضرت پیرؒ نے کتاب وجہِ دین کے پورے اکاون گفتاروں میں حجّتِ خدائے تعالیٰ اور ہادیٔ برحق کے وجود کے اثبات میں مختلف دلائل سے سمجھایا ہے اور خصوصاً گفتارِ اوّل میں "شناختن امام زمانؑ در ہر زمانہ" کا پورا باب اس بارے میں وقف ہے۔ نیز گفتار دوئم میں امام برحقؑ کے ثبوت میں جو عقلی و نقلی دلائل دیئے ہیں وہ اہلِ دانش کے لئے کافی ہیں۔[24]

غرضیکہ حضرت پیرؒ نے کتاب وجہِ دین میں دینِ اسلام کا اصل چہرہ پیش کرتے ہوئے اسی دینِ اسلام کو ایک سیدھی راہ قرار دیا ہے جس کی ایک منزل متعین ہے۔ آپ کے نزدیک اس سیدھی راہ یعنی صراط المستقیم کی مختلف منازل کو علم و عرفان اور عقل و دانائی سے پایا جا سکتا ہے اور علم و دانائی کا سرچشمہ تو ہادیٔ زمانہؑ ہے۔ حضرت پیرؒ نے گفتار دہم میں اس موضوع پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

اسی طرح گفتار اوّل پر غور کیجئے اس میں جس موضوع کو

زیرِ بحث لایا گیا ہے، وہ حجّت خداوند تعالیٰ کے بارے میں ہے اور امامِ اوّل حضرت مولا مرتضیٰ علیؑ کی امامت و ولایت کو حضرت پیرؒ نے جگہ دے کر ایک اور حقیقت بیان فرمائی ہے اور اسی طرح گفتار دوئم میں حضرت پیرؒ نے حق و باطل کا ذکر فرمایا ہے۔ اس موضوع کی حقیقت دیکھ لیجئے کہ ہمارے امام دوئمؑ حضرت امام حسین علیہ السلام جو خود حق پر تھے باطل کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور اسی طرح حضرت پیرؒ نے اپنے دیگر گفتاروں میں بعض دقیق نکات کو انتہائی عقلی دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ اور اعمالِ شرعی کے حوالے سے نیز مشاہدۂ فطرت سے آپ نے عالمِ علوی کی خوب سیر کرائی ہے اور امثال و ممثول کے ذریعے روحانی حقائق کو طشت از بام کیا ہے۔ مثلاً حضرت پیرؒ تعوّذ کی تاویل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "رجیم" سے مُراد وہ شخص ہے جو بغیر دیکھے اور سُنے اپنی طرف سے باتیں بناتا ہو۔ یعنی دین میں کوئی شخص دین کے مالک کے فرمان کے بغیر اپنے نفس کے مطابق چلے اور اپنی ہی دعوت کرے تو ایسی صورت میں اُسے دین سے خارج کیا جاتا ہے۔ پس رجیم کے معنی ہی ایسا شخص ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو چھوڑ کر اپنی رائے کے مطابق چلا ہو۔ پس آپ نے تعوّذ کا مقصد یہی سمجھایا ہے کہ جس کسی نے رسول صلعم کی اجازت کے بغیر دینی باتیں کی ہوں گویا وہ شیطان کے راستے پر چلا اور جس نے آنحضرت صلعم کی پیروی کی گویا وہ خدا کے راستے پر چلا۔ پس اپنے آپ کو ایسی نافرمانی سے بچانا چاہیئے۔[۲۵]

اسی طرح تسمیہ کی حکمت سمجھاتے ہوئے بتاتے ہیں کہ خدا کا اسم وقت اور زمانے کا رسولؐ ہیں اور ان کے بعد ان کے جانشین آئمہ علیہم السلام ہیں۔ پس رسول صلعم کے فرمان کے بموجب جس چیز سے منع فرمایا ہو۔ اگر اس پر ستّو مرتبہ بھی تسمیہ پڑھا جائے تو وہ چیز حلال نہیں ہوگی۔ اور چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا حقیقی نام ہے اس لئے آپؐ کے جانشین بھی اس حقیقی نام کے متحمّل ہیں اور وہ جو چیزیں حلال ٹھہرائیں وہ حلال ہیں اور جس چیز سے منع فرمائیں وہ حرام ہیں۔[۲۶]

اور بعض شرعی اعمال میں سے نمازِ جمعہ کی حکمت کو یوں سمجھایا ہے کہ چونکہ روزِ جمعہ ہفتے کا ساتواں دن ہے۔ یہ دلالت کرتا ہے ناطق علیہ السلام پر جو ساتویں درجے پر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس روز سارے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اس سے بھی آنحضرت صلعم کا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن کی ذات میں سارے مراتب جمع ہیں اور اسی روز سے یعنی جمعہ سے مُراد امامِ برحق بھی ہیں اور وہ ہفتم درجے پر ہیں جو مستجیب سے شروع ہو جاتا ہے۔[۲۷]

اسی طرح روزہ کی تاویل بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ روزہ رکھنے والا دین میں خاموش رہنے کی مثال ہے اور روزہ کھولنے والا بولنے والے کی مثال ہے۔ یعنی جب تک دین کے بارے میں علم و عقل اور دانش نہ آجائے دین کے بارے میں رُک جانا چاہیئے اور جب یہ علم آجائے تو بولنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں اس کی ایک اور حقیقت یوں ہے

کہ شریعت کے باطن کی تشریح اور بیان کرنے سے حدودِ دین کے اندر اپنے آپ کو روک دیتا ہے۔ اسی طرح تیس ۳۰ دنوں سے اُس دور کے تیس ۳۰ حدود مُراد ہیں۔ جو یہ ہیں۔

شات ناطق: آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمدؐ، حضرت قائمؑ۔

شات اساس: مولانا شیثؑ، مولانا سامؑ، مولانا اسماعیلؑ، مولانا ہارونؑ، مولانا شمعونؑ، مولانا علیؑ اور خلیفہ قائمؑ

شات امام: (ہر چھوٹے دور کے شات ائمہ)

چار حُدود جسمانی: باب، حجّت، داعی، ماذون۔

پانچ حدود علوی:۔ عقل (قلم) نفس (لوح) جد (میکائیل) فتح (اسرافیل) خیال (جبرئیل)

اس طرح یہ کُل تیس ۳۰ حدود ہوئے۔

اور شہر رمضان سے مُراد بھی وہ پاک ہستی ہے کہ جس کے باطن میں قرآن مجید ہے اور وہ ناطقؑ کے وصیؑ ہیں۔[۲۸]

اور اسی طرح ارکان اسلام میں زکوٰۃ ایک اہم رکن ہے۔ اس بارے میں بتاتے ہیں کہ یہاں نماز قائم کرنے اور زکواۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ لیکن جو حقیقت اس میں پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ نماز یعنی حدودِ دین کے ذریعے ناطقؑ کی اطاعت کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اور یوں ناطقؑ کے ذریعے خُدا کی اطاعت بجالائی جا سکتی ہے اور اسی طرح ناطق و اساس کی اطاعت کے ذریعے نماز و زکوٰۃ بھی ادا ہو سکتی ہے بصورت دیگر کوئی نماز قابلِ قبول نہیں۔[۲۹]

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلواۃ

بھیجنے کے بارے میں اس کی پوشیدہ حقیقت کو حضرت پیرؒ نے جس حسن و خوبی سے سمجھایا ہے وہ قابل توجہ ہے۔ چنانچہ آپ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود ہی مرتبے میں اعلیٰ و اشرف ہیں تو بھلا انسانوں سے اُن کی بخشش کے لئے دُعا کے کیا معنی؟ اور جب یہ معلوم ہے کہ آنحضرتؐ خود انسانوں کے لئے شفیع ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی اور اپنے آلِ اطہار علیہم السّلام کے لئے بخشش کی دعا لوگوں سے مانگے۔ وہ خود تو تمام انبیاء علیہم السّلام سے بھی افضل ہیں۔ انہی سوالات کے جواب میں آپ بتاتے ہیں کہ صلواۃ بھیجنے کا مطلب دراصل اساس کی اطاعت کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی پیروی ہی ہے۔ اسی طرح امامؑ کی اطاعت کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی پیروی مُراد ہے۔[۳۰]

چونکہ دین اسلام کی اساس کلمۂ شہادت پر ہے۔ اس بارے میں سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ بتاتے ہیں کہ آنحضرتؐ بہشت کے مقفّل دروازے کی طرح ہیں۔ جس کی چابی کلمۂ اخلاص میں ہے اور یہ چابی مومن نے تھام لی ہے۔ پس جس مومن نے زمانے کے امامؑ کے دامن کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے دراصل اس نے بہشت کی چابی کو تھاما ہوا ہے اور چونکہ اس چابی کے ذریعے بہشت کے دروازے کا قفل کھولنے والا امامِ زمانؑ ہی ہے۔ اس لئے شریعت کے ذریعے دین کے باطن کو سمجھتے ہوئے زمانے کے امامؑ کی دامنگیری دراصل کلمۂ اخلاص کی صحیح اور حقیقی ادائیگی ہے اور حقیقت میں بہشت

کی چابی یعنی کلمۂ شہادت ہی ہے۔[۳۱]

اس سلسلے میں حضرت پیرؒ نے ارکانِ اسلام کے ایک اور رُکن حج کا ذکر کرتے ہوئے اس موضوع پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ مختصراً اس بارے میں اتنا ہی بتایا جاسکتا ہے کہ خانۂ کعبہ باطن میں امامِ زمانہؑ ہی ہے۔ اور بیت المعمور سے مُراد امام زمانؑ کی روحانی مرتبت اور سفر حج سے مُراد علم ہے۔[۳۲]

اسی طرح حضرت پیرؒ نے کتاب وجہ دین کے ہر باب میں دیگر شرعی مسائل کو چھیڑ کر ان کے باطنی معنی کو پیش کیا ہے۔ اُن تاویلی پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے ہم یہی رائے قائم کرسکتے ہیں کہ حضرت پیرؒ کے نزدیک تکوینِ کائنات کا مقصد دونوں عوالم یعنی عالمِ جسمانی و عالمِ روحانی کے حقائق کا انکشاف کرنا ہے۔ یہ عالمِ جسمانی فانی ہے جبکہ وہ عالم روحانی باقی و پائیدار ہے۔ لیکن دینِ اسلام کے ان مخفی حقائق کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے حضرت پیرؒ سیّدنا ناصر خسروؒ کو بالآخر یوں کہنا پڑا:[۳۳]

بود پیدا بر اہل علم اسرار : ولی پوشیدہ گشت از چشم اغیار

یعنی اہلِ علم و دانش پر اسرار (دین) ظاہر ہوتے ہیں لیکن جو اس کے مخالف ہیں۔ ان کے لئے یہ (اسرارِ دین) پوشیدہ ہی رہے۔

اُنچاسویں گفتار میں "قَالُوٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" "یعنی کہتے ہیں ہم خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں" کی تاویل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جب کسی پر جسمانی ظلمت و دشواری آن پڑے تو واجب

ہے کہ وہ اپنے دل کو قضائے الٰہی کے حوالے کردے اور جو کچھ اس کی تقضاء میں آیا ہے اُسے قبول کرتے ہوئے کہے کہ "ہم خدا ہی کے ہیں اور اُسے قبول کیا۔ جو کچھ اس نے حکم دیا اگر اُن مشکلات سے ہمیں کوئی ایسی جسمانی تکلیف پہنچے کہ جس سے ہم جسمانی طور پر ہلاک ہوجائیں اور اس کی تاویل میں مومنین کو واجب ہے کہ جب معقولات میں کوئی مشکل مسئلہ پیش آجائے کہ جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتا تو اسی قول کو اس طرح کہے کہ ہماری جانیں خداوندِ زمان کی ہیں کیونکہ ہماری نفسانی زندگی اسی سے ملی ہے۔ اور مشکلات میں بھی ان کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور وہ جان لے کہ ہم اس مشکل مسئلے کو حل نہیں کرسکتے اور اس کا علم تو خداوندِ زمان کے پاس ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ وہ شخص جو ان مشکلات کو سمجھتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ لوگ اس کی طرف لوٹ جائیں نفسانی مشکلات میں یہ بیان مومن کے لئے شفا ہے۔[۳۴]

اب ذرا اس کلام کی حکمت ملاحظہ کیجئے کہ سیّدنا حضرت پیرؒ نے جس آیتِ قرآنی کو اپنے انچاسویں کلام میں جگہ دے کر اس کے تاویلی پہلو کو پیش کیا ہے۔ ہمارے انچاسویں امامؑ کے ارشادِ مبارک میں اس کی تصدیق ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نُور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام صلوات اللہ علیہ کا فرمان مبارک ہے:

"سینکڑوں برسوں سے ہمارے روحانی بچے امامت کی رسی سے ہدایت حاصل کرتے رہے ہیں۔ آپ نے تمام معاملات میں ہدایت و رہنمائی کے لئے زمانے کے امام کی طرف رجوع

کیا ہے۔ اور اپنے روحانی بچوں کے لئے آپ کے امام کی بے پناہ محبت و شفقت کے ذریعے ان کے نورنے آپ کی رہنمائی کی ہے کہ روحانی اور دنیاوی سکون حاصل کرنے کے لئے آپ کو کہاں اور کس طرف مڑنا چاہیئے۔ [۳۵]

الغرض سیّدنا ناصر خسروؒ نے ان جملہ ارکانِ اسلام اور دیگر فقہی مسائل کے مخفی حقائق کو اپنی اس پُر حکمت کتاب وجہِ دین میں پیش کرکے دینِ اسلام کی حقانیت کو اُجاگر کیا ہے۔

سامعین کرام! مقالے کی طوالت کے خوف سے وجہِ دین کے ہر گفتار کا خلاصہ پیش نہیں کیا جاسکا۔ جہاں تک وقت نے اجازت دی حضرت پیرؒ کی اس پُر حکمت کتاب سے خوشہ چینی کی سعی کی گئی ہے۔

وما توفیقی اِلّا باللہ

والسلام

حوالہ جات

۱؎ بحوالۂ سفرنامۂ ناصر خسرو (اُردو) ص۱۶ از مولوی محمد عبد الرزّاق
۲؎ ایضاً ص۱۶، ۳؎ ایضاً ص۱۵، ۴؎ دیوانِ اشعار بہ تصحیح تقی زادہ ص۱ سطر ۱۰
۵؎ دیوانِ اشعار۔ بہ تصحیح نصر اللہ تقوی ص۲۵۶
۶؎ دیوانِ اشعار۔ مقدمہ ص۔ بہ تصحیح تقی زادہ
۷؎ ایضاً " " " " " " " "
۸؎ نشرِ انتقادی وجہِ دین و نُسخ موجودۂ آن مقالہ یاد نامۂ ناصر خسروؒ ص۵۶۲-۶۳
۹؎ Wajh-i-Din edited by G.R. Aavani, preface by Nasr.

۱۰؎ Forty Poems from Divan — Introduction p. 11

۱۱؎ ملاحظہ ہو وجہِ دین مقدمہ ب - ج
۱۲؎ Introduction to Wajh-i-Din, Edited by G.R. Aavani.

۱۳؎ وجہِ دین ص۶، ۱۴؎ ماخوذ و ترجمہ از وجہِ دین ایڈیشن غلام رضا اعوانی و انگلش تعارف سیّد حسین نصر
۱۵؎ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو" رابطہ مابین شرع و عقل درکتب ناصر خسروؒ پارئی فلسفی او ص۵۳۸
۱۶؎ ملاحظہ ہو وجہِ دین فارسی ص۵۵
۱۷؎ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو وجہ دین فارسی ص۵۶
۱۸؎ وجہِ دین ص۶، ۱۹؎ وجہِ دین گفتار - ۴ ص۲۸
۲۰؎ وجہِ دین ص۶۲، ۲۱؎ ملاحظہ ہو وجہِ دین گفتار ہشتم ص۴۲
۲۲؎ روشنائی نامہ ص۱۱۵، ۲۳؎ وجہِ دین ص۹، ۲۴؎ وجہِ دین ص۱۳
۲۵؎ وجہِ دین ص۱۲۵، ۲۶؎ وجہِ دین گفتار : ۱۴ ص۱۰۷
۲۷؎ وجہِ دین گفتار ۳۲ ص۱۶۱، ۲۸؎ وجہ دین گفتار ۲۳، ص۲۲۰-۲۵
۲۹؎ وجہِ دین گفتار : ۲۸ ص۱۲۶
۳۰؎ ملاحظہ ہو وجہِ دین گفتار : ۵۰
۳۱؎ وجہِ دین گفتار ۵
۳۲؎ ملاحظہ ہو وجہِ دین گفتار : ۳۴ ص۲۸۸
۳۳؎ روشنائی نامہ ص۵۱۱
۳۴؎ کراچی ۱۳-۱۲-۱۹۶۴ ۳۵؎ روشنائی نامہ ص۵۱۱

کتابیات

۱- برتلس۔آ۔ی۔ ناصر خسروؒ و اسماعیلیان
ی۔آرین پور، انتشارات، بنیاد فرہنگ ایران

۲- یادنامۂ ناصر خسروؒ (مجموعہ مقالہ جات) دانشگاہ فردوسی، دانشکدہ ادبیات
علومِ انسانی، ایران ۱۹۷۴

۳- خسرو، ناصر دیوانِ اشعار
بہ تصحیح آقای تقی زادہ، مؤسسۂ انتشارات
امیر کبیر

۴- ایضاً وجہِ دین (چاپ دوئم)
کتاب خانۂ طہوری، طہران، شاہ رضا
مقابل دانش گاہ تہران ۱۳۴۸ ھ

۵- ایضاً وجہِ دین (اُردو)
مترجم نصیر الدین نصیرؔ ہنزائی ۱۹۶۷

۶- ایضاً سفرنامہ ناصر خسروؒ (اُردو)
مترجم مولوی محمد عبدالرزّاق کانپوری
انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی ۱۹۴۱

۷- ایضاً روشنائی نامہ
بہ تصحیح آقای تقی زادہ مؤسسۂ انتشارات امیر کبیر

۸- رومی، مولانا مثنوی مولانا روم (پس چہ باید کرد)

۹- Nasir Khusraw, Wajh-i-Din, Edited with English Introduction By H. Nasr & notes by G.R.. Aavani, Tehran, 1977

۱۰- Nasr S. Hossein Nasir-i-Khusraw, Forty Poems from Divan, Introduction by Peter L. Wilson & G.R. Aavani, Tehran, 1977.